تتلی
ایم اے راحت
myownurdubookz

ایم اے راحت

نواب سنز پبلی کیشنز

اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

نام کتاب	تتلی
مصنف	ایم اے راحت
طابع	نواب سنز پبلی کیشنز
مطبع	فیض الاسلام پرنٹرز
حروف آرائی	میٹرکس کمپوزرز
سرورق	ذاکر
تعداد	۵۰۰
اشاعت	۲۰۰۸ء

Rs: 200.00

ناشر
نواب سنز پبلی کیشنز
اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

ڈسٹری بیوٹرز
اشرف بک ایجنسی
کمیٹی چوک اقبال روڈ راولپنڈی
فون: 051-5531610

راحیل احمد تین بیٹیوں کے باپ تھے، عظمیٰ، صنوبر اور راحیلہ۔ ایم کام تھے اور ایک فرم میں اکاؤنٹنٹ لگے ہوئے تھے۔ گھر درمیانہ روی کا نمونہ تھا۔ بیوی سعدیہ بیگم بہتر طریقے سے گھر چلا رہی تھیں حالات بہتر ہی تھے۔ عظمیٰ اور صنوبر ماں باپ کی طرح نارمل شکل وصورت کی مالک تھیں لیکن راحیلہ نے اس گھر میں جنم لے کر تہلکہ مچا دیا تھا۔ گہری تاریکی میں روشنی کر دینے والا رنگ، اس قدر دلکش نقوش کہ دیکھنے والا دیکھتے رہنے پر مجبور ہو جائے۔ جو دیکھتا ایک ہی بات کہتا۔

''سعدیہ بی بی، یہ بچی کہاں سے اغواء کی تم نے۔''

''راحیل احمد یہ تمہاری ہی بیٹی ہے؟ کیا حوروں جیسی شکل پائی ہے۔ کتنی مختلف ہے یہ تمہاری دوسری بیٹیوں سے، تمہارے گھر کا فرد تو لگتی ہی نہیں ہے۔''

''کمال ہے بھئی، دیکھو ذرا قدرت کے کھیل، ایسے ایسے حسین چہرے پیدا کر دیتی ہے، خدا اس بچی کو نظر بد سے دور رکھے۔ بہرحال قدرت کے معاملات ہیں، کون کیا کہہ سکتا ہے۔''

پتہ نہیں راحیلہ نے کون سی عمر سے ان جملوں اور لوگوں کے احساسات کو محسوس کیا تھا۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ انہی حالات میں پروان چڑھی تھی اور یہ بھی ایک بہت بڑی سچائی ہے کہ گزرتے ہوئے ماہ وسال اسے حسین سے حسین تر بنائے جا رہے تھے۔ شاید قدرت نے کوئی انوکھا تجربہ کیا تھا۔ راحیلہ کو ہر طرف سے تحسین بھری آوازیں سننے کو ملتی تھیں جو اسے دیکھتا مسحور ہو جاتا اور اس کے لئے سب کچھ کرنے پر تیار ہو جاتا تھا۔ دودھ والا اس کی وجہ سے

بھینس کا اصلی دودھ لانے لگا تھا۔ اس کی وجہ سے ہر دل میں گداز پیدا ہو جاتا تھا اور اس کے اثرات راحیل احمد کے گھر پر مرتب ہو رہے تھے۔

راحیلہ کے اندر ایک رعونت ایک غرور پیدا ہو گیا تھا۔ اپنی دونوں بہنوں کو وہ ذرا بھی منہ نہیں لگاتی تھی۔ عظمیٰ اور صنوبر خود اس سے مرعوب رہتی تھیں، یہاں تک کہ سعدیہ بیگم بھی اسے دوسری بیٹیوں پر ترجیح دیتی تھیں اور پہلے اس کے سارے کام کیا کرتی تھیں۔ بات آگے بڑھی گھر سے نکل کر سکول پہنچی یہاں بھی اس کی تخصیص برقرار رہی۔ اسی سکول میں اس کی دونوں بہنیں بھی پڑھتی تھیں۔ اگر کوئی کسی اجنبی کو بتاتا کہ راحیلہ صنوبر اور عظمیٰ کی بہن ہے تو کوئی بھی تسلیم نہیں کرتا تھا۔

''کیا واقعی یہ تمہاری بہنیں ہیں راحیلہ؟''

''ہاں...... ہیں......'' وہ بیزاری سے کہتی۔ تھوڑا فاصلہ پیدا ہو جانا فطری بات تھی، البتہ راحیل احمد نے جب یہ روّیہ محسوس کیا تو سخت ہو گئے اور تینوں بیٹیوں میں مساوات کا دھیان رکھنے لگے۔

''تم گھر کی صفائی میں حصہ نہیں لیتیں راحیلہ، یہ ذمے داری صرف عظمیٰ اور صنوبر کی تو نہیں ہے۔''

''مگر صفائی سے تو گرد اڑتی ہے ابو۔''

''تو پھر؟''

''مجھے گرد بالکل پسند نہیں ہے۔''

''بات تمہاری پسند اور ناپسند کی نہیں ہے۔ گھر کے کاموں میں سب کو برابر کا حصہ لینا چاہیے۔''

''ہونہہ۔'' راحیلہ نخوت سے کہتی۔ راحیل احمد بے شک اپنا روّیہ سخت رکھتے تھے لیکن اتنا بھی نہیں کہ کسی قسم کا تشدد کرتے، بہرحال راحیلہ کا وقت گزر رہا تھا پتہ نہیں اس کی فطرت میں یہ تبدیلی کہاں سے پیدا ہو رہی تھی۔ شکل وصورت بے شک الگ تھی لیکن اس کی فطرت کہیں اور سے بن رہی تھی۔

سکول میں بے شمار واقعات ہوئے اور اس کے بعد کالج کا دور آیا۔ راحیلہ کے اندر نئی

تبدیلیاں پیدا ہونے لگی تھیں۔ اسے تاریخ سے دلچسپی تھی اور تاریخ میں اس کے پسندیدہ کردار ذرا مختلف تھے۔ ہیلن آف ٹرائے، قلوپطرہ، سیفا، جھانسی کی رانی گو مختلف کرداروں کی حامل تھیں لیکن راحیلہ ان سب کو اپنا آئیڈیل مانتی تھی۔ رضیہ سلطانہ بھی اس کی پسندیدہ شخصیت تھی لیکن اس کے ساتھ اس کے کالے غلام کو کتنی ہی بار اپنے گرد چکر لگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس کا دل چاہتا تھا کہ سکندر کی ماں اولمپیاس کے انداز میں خونی مقابلے کرائے۔ اپنے حُسن و جمال کو سامنے رکھے اور ان مقابلوں میں شکست و ریخت کے مناظر دیکھے۔ اپنے آپ کو وہ دنیا کے ہر فرد سے منفرد دیکھنا اور سمجھنا چاہتی تھی۔ دوست نہ ہونے کے برابر تھے۔ ہاں اگر کوئی اس کے حُسن و جمال کا شیدائی ہوا اور اس کی تعریف میں زمین وآسمان کے قلابے ملا دے تو اس سے اس کی یگانگت ضرور ہو جاتی تھی۔ کالج میں اس کا داخلہ تہلکہ خیز ثابت ہوا۔ کالج کی زندگی میں بات ہی کچھ اور ہوتی ہے۔ طرح طرح کے سرکش نوجوان، طرح طرح کے مزاج کی مالک لڑکیاں مختلف اندازِ فکر کی حامل۔ چنانچہ نوجوانوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ شرارتیں ہونے لگیں اور دلچسپ بات یہ تھی کہ جب نوجوان مصنوعی طریقے سے آہیں بھرتے اور وہ جدھر سے گزرتی دل پکڑ کر کھڑے ہو جاتے تو وہ ان کی باتوں کا بُرا نہیں مناتی تھی، البتہ اس نے کسی طرف توجہ بھی نہیں دی تھی۔ ہاں ان کے درمیان وہ اپنے حُسن کی چاہت کے مظاہرے ضرور دیکھنا چاہتی تھی۔

سلیم جو ایک دولت مند باپ کا سرکش بیٹا تھا، اپنے حُسن اور اپنی دولت پر نازاں اور اس بات کا دعویدار کہ کالج کی کوئی بھی لڑکی اس کی توجہ کی طلب سے دور نہیں ہے، وہ خود ہی ان پر توجہ نہیں دیتا۔ جب نوجوان لڑکوں نے سلیم سے کہا کہ بہت تیس مار خاں بنتے ہو، ذرا اس ملکۂ حُسن کو اپنے دام میں لا کر دکھاؤ تو سلیم نے حقارت سے کہا۔ ''یار تم لوگ بے شمار تجربے کر چکے ہو میرے بارے میں۔ جس طرف انگلی اٹھائی ہے تم نے دیکھا ہے کہ میں کبھی ناکام نہیں ہوا۔''

''ذرا دیکھیں تو سہی۔'' اور سلیم نے اپنے طور پر کوششیں شروع کر دیں لیکن ایک مدھم سی مسکراہٹ کے سوا اسے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ یہاں تک کہ جب ایک دن اس نے راحیلہ کے سامنے کھڑے ہو کر کہا ''راحیلہ! یہ تو بری بات ہے، تم دوسروں سے اس قدر الگ تھلگ کیوں رہتی ہو، میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔''

راحیلہ نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔ ''تو اپنی اس پسند کو اپنے سینے

میں دبا کر کسی قبر میں جا کر لیٹ جاؤ۔ کبھی غور کیا ہے اپنے آپ پر، دیکھا ہے کبھی اپنی شکل و صورت کو، بندر لگتے ہو، تھو.....''

دُور کھڑے لڑکوں نے یہ منظر بخوبی دیکھا۔ سلیم غصے سے آگ بگولا ہو گیا تھا اور اس کے بعد اس نے وہ تمام گھٹیا حرکتیں شروع کر دیں جنہیں وہ اپنی دانست میں اپنی زبردست کارروائی تصور کرتا تھا لیکن اسے ایک بار بھی راحیلہ کی طرف سے پذیرائی نہ ملی۔ درحقیقت راحیلہ کا معیار بہت بلند تھا۔ سلیم کی چھچھوری حرکتوں کو دیکھ کر راحیلہ کو ایک بار خیال آیا کہ چلو اپنی شکار گاہ میں ایک شکار کو حلال کرنے کا پہلا موقع ہے اور اس کی نگاہ کالج کے ایک اور سیکشن کے لڑکے درانی پر پڑی۔ درانی شکل ہی سے غنڈہ نظر آتا تھا۔ راحیلہ اپنے طور پر منصوبہ بندی کرنے لگی۔ پھر ایک دن درانی سے اس کا سامنا ہو گیا اور وہ درانی کو دیکھ کر مسکرا دی۔ درانی کھڑا ہو گیا۔

''ہیلو کیسی ہیں آپ؟''

''جیسی آپ کو نظر آ رہی ہوں درانی صاحب۔''

''ارے آپ مجھے جانتی ہیں؟''

''ہاں۔ یہ میری فطرت سمجھ لیجئے، ہابی سمجھ لیجئے، کچھ بھی سمجھ لیجئے کہ میں ہر بڑی شخصیت کو اپنی نگاہ میں رکھتی ہوں۔''

''بب..... بڑی شخصیت'' درانی نے خوشی سے پھولتے ہوئے کہا۔

''ہاں، آپ یہاں لڑکوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔''

''بے حد شکریہ مس راحیلہ، ہم لوگ بھی، سچی بات یہ ہے کہ آپ کے بارے میں بہت سی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے مثال حُسن کا مالک بنایا ہے اور آپ کی شخصیت بھی بہت منفرد ہے۔ آپ دوسروں کی طرح ہلکے پن کے مظاہرے نہیں کرتیں۔''

''ہاں درانی صاحب لیکن آپ کی اس مملکت میں خوش نہیں ہوں میں۔''

''کیوں؟''

''بس کچھ لوگ جو چھچھوری اور گندی فطرت کے مالک ہوتے ہیں، اپنی گندی فطرت کا مظاہرہ کرنے سے باز نہیں آتے، میں سلیم کی بات کر رہی ہوں۔ پتہ نہیں کون ہے، کیا ہے، اپنے آپ کو بڑا تیس مار خان سمجھتا ہے، ہر وقت مجھ سے بدتمیزی کرتا رہتا ہے۔''

''میرے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے راحیلہ صاحبہ اور اب جبکہ آپ نے مجھ سے اس قدر التفات کا اظہار کیا ہے تو پھر میری ذمہ داری بن گئی ہے کہ میں آپ کے راستے صاف کروں۔''

''ارے نہیں آپ کہاں مشکل میں پڑیں گے بلاوجہ......''

''آپ بالکل بے فکر رہیں میں ہوں نا۔''

درانی نے کہا اور پھر دوسرے دن کھیل شروع ہو گیا۔ راحیلہ کا پسندیدہ پہلا کھیل، درانی نے سلیم کو روک لیا۔

''سنو..... میری بات سنو۔''

بہت سی لڑکیاں آس پاس موجود تھیں۔ راحیلہ خود بھی وہاں تھی۔

سلیم نے چونک کر درانی کو دیکھا اور بولا۔

''جی درانی صاحب فرمائیے، کیا ضرورت پیش آ گئی؟''

''راحیلہ کے ساتھ بدتمیزی کرنا چھوڑ دو، اس کے بعد تم کبھی اس کا راستہ نہیں روکو گے۔ کبھی اس سے چھیڑ چھاڑ کرنے کی کوشش نہیں کرو گے، یہ میرا حکم ہے۔''

''وزیراعلیٰ کا عہدہ مل گیا ہے آپ کو؟'' سلیم نے سوال کیا اور درانی کا بھرپور تھپڑ اس کے گال پر پڑا۔ سلیم کی آنکھیں خون کی طرح سرخ ہو گئیں۔ اس نے درانی پر حملہ کیا لیکن درانی صحیح معنوں میں غنڈہ تھا، اسے داؤ پیچ بھی آتے تھے، ہمت بھی تھی، دل گردہ بھی۔ اس نے سلیم کو گھونسوں پر رکھ لیا اور اتنا مارا کہ اس کے ناک اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ سلیم نے اپنی بساط کے مطابق خود بھی کوششیں کی تھیں لیکن درانی کے سامنے اس کی ایک نہ چلی اور وہ پست ہو گیا۔

لوگ آپس میں بات چیت کر رہے تھے۔ راحیلہ کا نام بھی بار بار آ رہا تھا۔ بہرحال پرنسپل کے سامنے پیشی ہوئی۔ راحیلہ کو بھی بلایا گیا۔ راحیلہ نے اپنی پالیسی جاری رکھی۔ اس نے کہا ''جی سر، میں سخت پریشان تھی، سلیم صاحب اکثر مجھ سے بدتمیزی کرتے تھے لیکن میری ہمت نہیں پڑی کہ میں آپ تک ان کی شکایت پہنچاتی۔ درانی صاحب نے خود ہی اس بدتمیزی کو محسوس کیا اور آج یہ واقعہ پیش آ گیا۔''

سلیم کو اچھی خاصی چوٹ لگی تھی۔ پرنسپل صاحب نے دُرانی کو بہت سخت سُست کہا۔ بہرحال بات رفع دفع ہو گئی لیکن راحیلہ کو مزہ نہیں آیا تھا۔ اس کی قریب کی لڑکیوں نے البتہ اس

کی خواہش کافی حد تک پوری کر دی تھی، ان میں سے ایک دو نے کہا۔

''راحیلہ حقیقتاً تم وہ تاریخی کردار ہو کہ اگر بادشاہ بھی ہوتے اور تمہیں دیکھ لیتے تو ان کے درمیان آپس میں جنگیں ہو جاتیں۔''

راحیلہ ہنس کر خاموش ہو گئی لیکن درانی اور سلیم کے معاملے میں اسے بہت زیادہ لطف نہیں آیا تھا۔ اس کی خواہش کچھ اور ہی تھی اور اُدھر اس کی خواہش پوری ہونے کی کارروائیاں جاری تھیں۔

سلیم نے بظاہر خاموشی اختیار کر لی لیکن درپردہ وہ درانی سے زبردست انتقام لینے کے بارے میں سوچ رہا تھا اور اس کے لئے اس نے اپنے آلہ کاروں کی تلاش شروع کر دی تھی۔

جیبیں بھری ہوں تو کون سا کام رکتا ہے، کسی دوست نے دلاور کے بارے میں بتایا۔

''بندرگاہ کے علاقے میں ہوٹل راجپوت ہے۔ دلاور وہیں ملتا ہے۔ پہلے خود بھی سٹوڈنٹ لیڈر تھا۔ کالج سے نکال دیا گیا بعد میں کسی کالج نے اسے قبول نہیں کیا۔ بہرحال وہ مناسب معاوضہ لے کر تمہارا کام کر دے گا۔''

''میں درانی کو سبق دینا چاہتا ہوں، ان تمام لڑکوں کے سامنے جن کے سامنے اس نے مجھے مارا تھا۔''

''اس سے بات کر لینا۔''

''کیسے؟''

''میرے ساتھ چلنا، میں تمہیں دور سے بتا دوں گا کہ دلاور کون سا ہے بات تم خود کر لینا۔''

''میرا ساتھ نہیں دو گے۔''

''مشکل ہے۔ میں غریب ماں باپ کا بیٹا ہوں اور پڑھنا چاہتا ہوں، درانی ایک خطرناک آدمی ہے۔ اسے پتہ چل گیا تو میرا بھی دشمن بن جائے گا۔ تمہاری بات دوسری ہے۔''

......

راجپوت ہوٹل میں سلیم نے دلاور سے بات کی۔ غنڈہ تو لگتا ہی نہیں تھا، اب بھی وہ ایک سمارٹ سٹوڈنٹ نظر آتا تھا۔

''میرا نام سلیم ہے۔''

''یہ نیچی پرواز کیوں کر ڈالی۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو تو آسمانوں کی بلندیوں پر ہونا چاہئے تھا۔''

''آپ کے پاس ایک کام سے حاضری دی ہے۔''

''پولیس کے مخبر تو نہیں ہیں۔ اصل میں سب سے زیادہ نفرت مجھے پولیس کے مخبروں سے ہے اور عام طور سے میں انہیں لمبی چھٹی پر بھیج دیا کرتا ہوں۔''

''میں ایک کالج میں پڑھتا ہوں، وہاں میری ایک شخص سے رقابت چل گئی ہے۔''

''ہا......'' دلاور نے ٹھنڈی سانس بھری پھر زور سے چیخا ''ڈبے چائے لاؤ......!''

ڈبہ ایک ویٹر تھا جس نے نہایت پھرتی سے صاف ستھرے برتنوں میں چائے لا کر رکھ دی۔

''کالج، حسین داستانوں کا مرکز۔ حُسن و عشق کی داستانیں، فراق و وصل کی کہانیاں، رفاقتیں، رقابتیں کیا دن ہوتے ہیں۔ سوری چائے پئیں۔'' دلاور نے کہا۔

''جس لڑکے سے میری رقابت ہے اس کا نام درانی ہے۔''

''ہماری کیا ڈیوٹی ہے۔''

''دُھلائی کرنی ہے اس کی؟''

''ہو جائے گی۔''

''میں خود اسے مارنا چاہتا ہوں۔''

''ماریں۔'' دلاور نے کہا۔

''آپ کو میری پشت پناہی کرنی پڑے گی۔''

''کریں گے۔''

''مجھے کیا خدمت کرنی ہو گی۔''

''بیس ہزار......دس پہلے دس بعد میں۔''

"اتفاق سے میں دس ہزار ہی لے کر آیا تھا۔"

سلیم نے سو کے نوٹوں کی گڈی نکال کر دلاور کی طرف بڑھا دی۔

"کھرے اور ہاتھ کے سچے لوگوں سے مل کر مجھے خوشی ہوتی ہے۔" دلاور نے گڈی لے کر جیب میں ٹھونس لی پھر بولا۔ "کب کرنا ہے یہ کام۔"

"یہ آپ بتایئے۔"

"سترہ تاریخ ہے آج، بائیس تاریخ تک کا وقت نکال سکتے ہیں۔ ایک اور کام ہے میرے ہاتھ میں، اکیس تاریخ تک مکمل ہو جائے گا۔ بائیس کو ہم اپنا کام شروع کر لیں۔ ویسے آپ چاہیں تو میرے دو آدمی اکیس تاریخ تک آپ کی نگرانی پر رہیں گے اور بے فکر رہئے گا، اب آپ دلاور کی پناہ میں ہیں۔ ہر خطرے سے بے نیاز ہو جایئے۔ ہمارے درمیان معاہدہ ہو چکا ہے۔"

"کوئی حرج نہیں ہے۔ پانچ دن کی تو بات ہے۔"

"بس تو پھر اطمینان رکھئے، میں بندہ بلاتا ہوں۔ اسے اپنے مکمل کوائف بتا دیجئے۔ دو بندوں کی ڈیوٹی آپ پر لگ جائے گی۔ جس طرح بھی آپ چاہیں انہیں استعمال کر سکتے ہیں، اگر کہیں بیچ میں کوئی لڑائی جھگڑا ہو گیا درانی سے، تو یہ دونوں بندے بغیر کسی حیل حجت کے آپ کی مدد کریں گے۔"

"بس ٹھیک ہے، بہت بہت شکریہ۔" سلیم نے خوش ہو کر دلاور سے ہاتھ ملایا۔

دلاور نے ایک ہاتھ اٹھا کر ایک آدمی کو اشارہ کیا جو اسی ریستوران میں کونے کی ایک سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ قریب آیا تو دلاور نے اسے بٹھا کر سلیم کا تعارف کرایا اور پھر سلیم ہی کے سامنے اسے مکمل ہدایات دے دیں۔ سلیم کے سینے میں جو آگ سلگ رہی تھی وہ اسے چین نہیں لینے دے رہی تھی لیکن بہرحال ایک آسرا ایک امید پیدا ہو گئی تھی۔ دوستوں کے سامنے اس کی پٹائی ہوئی تھی اور اس کی ساری عزت خاک میں مل گئی تھی۔ اس دوران اس نے کبھی سر اٹھا کر بات نہیں کی تھی، حالانکہ دوست اسے دلاسے دیا کرتے تھے ایک دوست نے تو ہنستے ہوئے کہا تھا "یار جب تک محبوب کی وجہ سے پٹائی نہ ہو، محبت کا مزہ ہی نہیں آتا، ہم سے پوچھو ہم پر تو وہ مثل صادق ہے کہ سو جوتوں سے کم رتبہ عالی نہیں ہوتا۔"

"میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ درانی نے اس سلسلے میں قدم آگے کیوں بڑھایا۔ کیا اس کا راحیلہ سے کوئی رابطہ ہے؟"

"یار وہ اتنی خوبصورت ہے کہ درانی ہی کیا، ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہم اس کے لئے کسی سے لڑیں۔"

سلیم کو اب کافی ڈھارس ہو گئی تھی۔ اس دوران وہ راحیلہ کے بارے میں مکمل معلومات بھی حاصل کرتا رہا تھا۔ غالباً یہ انیس تاریخ کی بات ہے کہ اسے لائبریری میں راحیلہ تنہا مل گئی۔ سلیم اس کے پاس پہنچا تو وہ سلیم کو دیکھ کر مسکرا دی۔

"ہیلو سلیم صاحب، کیسے مزاج ہیں آپ کے، بیٹھئے پلیز۔"

سلیم بیٹھ گیا، اس نے کہا "تم اپنے آپ کو کیا سمجھتی ہو؟"

"انتہائی راحیلہ۔" راحیلہ نے جواب دیا اور ہنس پڑی۔

"میرا نام سلیم ہے۔"

"جانتی ہوں میں آپ کو، اس دن سے پہلے بھی جانتی تھی جب آپ کی پٹائی ہوئی، اب کیا بات ہے؟"

"ایک پیشکش کرنا چاہتا ہوں تمہیں۔"

"کیجئے۔"

"مجھ سے شادی کرو گی؟"

راحیلہ نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا اور بے اختیار ہنس پڑی۔ "اچھی فلم تھی، لیکن انتہائی بے تکی، ہو سکتا ہے پڑوسی ملک میں ایسا ہوتا ہو، میں وہاں کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی کہ کرکٹ کے ایرینا میں سارے تماشائی کرکٹ دیکھنے کے بجائے ان دو حضرات کی شادی کے سلسلے میں ملوث ہو گئے تھے۔ خیر چھوڑیئے۔ آپ اس فلم سے کیسے متاثر ہوئے؟"

"بہت زیادہ چرب زبان نہ بنو راحیلہ، مجھے تمہارے مکمل حالات معلوم ہو چکے ہیں۔ ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی ہو۔ والد ملازمت کرتے ہیں، دو اور بہنیں ہیں تمہاری والدہ ہیں، بس پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتی ہو۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتا دوں، کروڑ پتی باپ کا بیٹا ہوں، کئی بزنس ہیں میرے والد کے، دولت کی ریل پیل ہے ہمارے ہاں، میں تم سے شادی کرنا

چاہتا ہوں۔"

"ہائے! ابھی تو میرے پڑھنے کے دن ہیں اور پھر شادی کے لئے میرا ایک معیار ہے سلیم صاحب، آپ سے تو کم از کم شادی نہیں کروں گی، اگر واقعی کبھی کرنی پڑی تو۔"

"راحیلہ میں بھی جنونی آدمی ہوں۔ اگر تم نے مجھے اس قدر مشتعل کر دیا تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں......"

"بس بس......اب آپ بور گفتگو کر رہے ہیں جسے سننا میرے بس سے باہر ہے، آپ جا رہے ہیں یا میں چلی جاؤں۔"

سلیم اسے گھورتا رہا، راحیلہ نے اپنے سامنے بکھری ہوئی کتابیں اٹھائیں اور وہاں سے اٹھ گئی۔ سلیم نے کہا "سنئے، آپ نے جس شخص کو اپنا حمایتی دکھایا ہے بہت جلد اسے اپنے پیروں سے محروم دیکھیں گی، یہ سلیم آپ سے کہہ رہا ہے۔"

راحیلہ دروازے سے باہر نکل گئی تھی اور سلیم وہیں بیٹھا پیچ و تاب کھاتا رہا تھا۔ راحیلہ کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ درانی کی ٹانگیں سلامت رہتی ہیں یا نہیں یا سلیم نے درانی کے خلاف کوئی کارروائی کی ہے، وہ تو سلیم سے ہونے والی گفتگو سے لطف اندوز ہو رہی تھی جس نے اسے کالج کی لائبریری میں شادی کا پیغام دیا تھا۔ کچھ دوستوں سے ملاقات ہوئی، دوست کیا بس کچھ ایسی لڑکیاں جو بے التفاتی کا بُرا نہیں مانتی تھیں اور جب بھی موقع ملتا تھا اور وہ چاہتی تھی تو اُن کے پاس آ بیٹھتی تھی، وہ کہنے لگی۔

"بہترین مشغلہ ہے کہ اپنے کشتگان کو دیکھو اور ان کی حالت سے لطف اٹھاؤ۔"

"یہ حقیقت ہے کہ تم نے سلیم جیسے شخص کو بری طرح شکست دی ہے، اس کا تو انداز ہی بدل گیا ہے، پہلے وہ بڑا اکڑا اکڑا پھرتا تھا لیکن آج کل وہ ایک ایسی رنجش کا شکار نظر آتا ہے جسے صرف محسوس ہی کیا جا سکتا ہے، سب کا کہنا ہے کہ سلیم آسانی سے شکست نہیں مانے گا۔"

"بھئی اب میں کیا کر سکتی ہوں، لوگ میرے لئے لڑتے ہیں تو مجھے بڑا افسوس ہوتا ہے، مگر کیا کروں مجھے تو تعلیم حاصل کرنی ہے، جہاں بھی جاؤں گی یہ سب کچھ تو ہوگا ہی۔"

بائیس تاریخ کو وہ وقت آ گیا جب سلیم اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے تیار تھا۔ چھٹی ہوئی لڑکے لڑکیاں غول کی شکل میں باہر نکلے۔ درانی بھی ان میں شامل تھا۔ سلیم درانی کے سامنے آ گیا

اور اس نے درانی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکتے ہوئے کہا۔ "درانی صاحب، اس دن آپ نے جو بدتمیزی کی تھی اس کے لئے معافی مانگیں ورنہ آج میں آپ کا کریا کرم کر دوں گا۔"

درانی نے معمول کے مطابق طیش میں آ کر سلیم کو تھپڑ رسید کرنا چاہا لیکن سلیم نے ایک لات اس کے پیٹ پر ماری اور پیچھے ہٹ گیا۔ اسی وقت پیچھے سے دلاور کے آدمی آگے آئے۔ دلاور بھی مجمع میں موجود تھا۔ دلاور کے آدمیوں نے درانی کو پکڑ لیا۔ انہی میں سے ایک نے سلیم کے ہاتھ میں ہاکی اسٹک دے دی۔ درانی نے ان اجنبی لوگوں سے اپنے آپ کو چھڑانا چاہا لیکن سلیم نے ہاکی اس کی پنڈلی پر ماری۔ ہڈی پر ضرب لگی اور درانی لڑکھڑا گیا۔ سلیم نے شاید پہلے کبھی کسی کو نہیں مارا تھا۔ اس نے اندھا دھند درانی پر ہاکی برسانا شروع کر دی۔ یہ دیکھے بغیر کہ ہاکی کونسی جگہ پڑ رہی ہے۔ ہاکی کا ایک وار پوری قوت سے درانی کے دل کے مقام پر لگا اور درانی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

وہ لوگ جنہوں نے درانی کو پکڑا ہوا تھا اسے چھوڑ کر پیچھے ہٹ گئے، وہ تجربہ کار لوگ تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ جو کچھ ہوا ہے غلط ہوا ہے۔ سلیم نے ہاکی غلط جگہ ماردی ہے اور اس کے نتائج غلط بھی نکل سکتے ہیں۔ بہت دور سے پولیس موبائل کا سائرن سنائی دیا اور دلاور کے آدمیوں نے سلیم سے کہا "بھاگ لو۔"

سلیم ہاکی پھینک کر وہاں سے نکل بھاگا۔ کالج کے لڑکے لڑکیاں سہم گئے تھے۔ تھوڑے فاصلے پر دوڑنے کے بعد سلیم رکا تو دلاور اس کے پاس پہنچ گیا۔

"سنو! ہم لوگ جو کام کرتے ہیں وہ سوچ سمجھ کر اور احتیاط کے ساتھ کرتے ہیں۔ تم نے ہاکی غلط جگہ ماردی ہے کوئی خطرناک کام بھی ہو سکتا ہے۔ اگر پولیس تمہیں پکڑ لے تو خبردار دلاور کا نام مت لینا۔ پولیس تین بار مجھے شہر بدر کر چکی ہے مگر میں یہیں ہوتا ہوں تم نے اگر میرا نام لے دیا تو میں تمہارے پورے خاندان کو قتل کر دوں گا۔ پیسے لئے ہیں کام کیا ہے، نام مت لینا میرا، چلو بھاگو۔"

سلیم کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیا ہو گیا۔ غصہ اور انتقام تو اب ختم ہو چکا تھا، اب اپنی جان کے لالے پڑ گئے تھے۔ گھر آیا سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس سے کیا کہے۔ پھر گھر ہی میں تھا کہ پولیس نے گھر کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سارے گھر والے ہکا بکا رہ گئے تھے۔ پولیس

افسر نے سلیم کے والد کو سلیم کے بارے میں بتایا کہ سلیم اپنے کالج کے ایک ساتھی کو قتل کر آیا ہے اور اسے قتل کے الزام میں گرفتار کیا جاتا ہے۔

سلیم کو قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا، گھر میں جو صورتحال ہوئی ظاہر ہے اس کے بارے میں کچھ کہنا فضول ہے۔ البتہ دوسرے دن کالج میں ایک سناٹا، ایک خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پولیس کو بہت سے سٹوڈنٹس نے بیان دے دیا تھا۔ درانی وہیں موقع پر ختم ہو گیا تھا۔ دل پر پڑنے والی ضرب نے دل اندر سے پھاڑ دیا تھا اور فوری موت واقع ہو گئی تھی۔ سلیم پر قتل کا کیس بن گیا تھا۔ بہرحال خود راحیلہ بھی اپنے آپ کو خوفزدہ اور سہما ہوا ہونے کا مظاہرہ کر رہی تھی لیکن دل ہی دل میں ایک عجیب سا سرور، ایک عجیب سی لذت اسے محسوس ہو رہی تھی۔ یہ احساس اُس کے لئے بڑا دلگداز تھا کہ اس کی وجہ سے ایک شخص قتل ہو گیا ہے۔ کسی نے یہ بیان نہیں دیا کہ درانی اور سلیم کے درمیان وجہ مخاصمت کیا تھی، راحیلہ کا نام پس منظر میں رہا لیکن حیرت کی بات تھی کہ راحیلہ کو اس موت سے تھوڑی سی مایوسی کا احساس ہوا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اس کا نام اخبارات میں آئے اور لوگ کہیں کہ ایک حسین لڑکی کے لئے ایک لڑکا قتل ہو گیا۔

سلیم پر مقدمہ چلا اور اسے سزائے موت سنا دی گئی۔ یہ اطلاع کالج میں پہنچی تو بے شمار لوگ افسردہ ہو گئے لیکن راحیلہ کسی اور ہی بات کی منتظر تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ لوگ کہیں کہ راحیلہ تمہاری وجہ سے دو زندگیاں موت کی آغوش میں جا سوئی ہیں۔ خاصے دن تک خاموشی طاری رہی۔ کسی لڑکے لڑکی نے کسی قسم کے ہلکے پن کا اظہار نہیں کیا تھا۔ راحیلہ بھی تعلیم حاصل کر رہی تھی۔ کیمسٹری کے پروفیسر حاذق ربانی نے ایک دن کہا۔ ''میں چاہتا ہوں کہ میرے سٹوڈنٹس کم از کم میرے شعبے میں نمایاں کامیابی حاصل کریں۔ اس لئے میں پیشکش کرتا ہوں کہ آپ میں سے جس کا دل چاہے شام پانچ بجے سے آٹھ بجے تک میرے گھر آ کر مجھ سے پڑھ سکتا ہے۔ اس کا کوئی معاوضہ نہیں ہوگا آپ لوگ یہ نہ سوچیں کہ یہ پیشکش میں کسی مالی مفاد کے تحت کر رہا ہوں۔''

جو پڑھنے کے شوقین تھے انہوں نے اس پیشکش کو بڑی خاموشی سے قبول کیا لیکن ان کی تعداد بہت معمولی تھی۔ پروفیسر حاذق ربانی پرسحر شخصیت کے حامل تھے۔ بہت ہی خوبصورت پرسنالٹی، بلند و بالا قامت، عمر تقریباً پچاس سال، بہترین صحت، انتہائی پرمتانت اور بردبار، کالج

میں ان کا بلند مقام تھا۔ ان سے متعلق چند روایات بھی تھیں، جن میں وقت کی پابندی، غیر شادی شدہ ہونا اور خوبصورت کوٹھی میں رہنا بھی تھا۔ نہ جانے کیوں راحیلہ کو بھی یہ پیشکش پرکشش محسوس ہوئی۔ اس نے گھر آ کر سعدیہ بیگم سے کہا۔

''میں پروفیسر ربانی کے گھر جا کر پڑھنا چاہتی ہوں۔''

''یہ کون ہیں؟''

''کیمسٹری کے پروفیسر ہیں، میں اس مضمون میں کمزور ہوں، بہت سے لڑکے لڑکیوں نے ان کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا ہے اور بات بھی معمولی نہیں ہے۔''

''ابو سے بات کرنا، میں کیا کہہ سکتی ہوں۔''

''امی...... آپ خود ابو سے بات کر لیں، آپ کو اندازہ ہے کہ وہ مجھ سے خوش نہیں رہتے۔''

''تم نے اس کی وجہ پر غور نہیں کیا راحیلہ۔''

''کیا وجہ ہے آخر؟''

''گھر میں تمہارا رویہ......''

''میری سمجھ میں نہیں آتا گھر میں میرا ایسا کیا روّیہ ہے۔ جب بھی میرا کوئی مسئلہ ہوتا ہے یا یوں سمجھ لیں کہ میری کوئی گوٹ پھنستی ہے، آپ لوگ میرے روّیے کی کہانی لے کر بیٹھ جاتے ہیں۔'' اس نے تلخی سے کہا۔

''تم گھر کا کوئی کام کرتی ہو نہ گھر کے معاملات میں دلچسپی لیتی ہو، آخر تمہاری دوسری بہنیں بھی تو ہیں۔''

''کیا کام لینا چاہتی ہیں آپ مجھ سے گھر کا، ٹھیک ہے کالج چھوڑ دیتی ہوں جھاڑو سنبھال لیتی ہوں۔ جھاڑو برتن، صفائی، کھانا پکانا، یہ کر لیتی ہوں آپ کی خواہش پر۔ اس کے بعد تو آپ کی طعن و تشنیع سے نجات مل جائے گی وعدہ کرتی ہیں آپ'' وہ بپھر گئی۔

''نہیں بیٹے، ہم تم سے یہ سب کچھ نہیں کرانا چاہتے۔'' دروازے سے راحیل احمد کی آواز سنائی دی۔ نہ جانے کیوں آج ان کا موڈ اچھا تھا۔ انہوں نے شاید ساری باتیں سن لی تھیں۔ وہ اندر داخل ہو گئے۔

"ابو میرے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ اگر میں آپ کے وسائل کے اندر رہ کر اچھی تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہوں تو اسے میرے گناہ کا درجہ دیا جا رہا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے بیٹے۔ البتہ تمہارے روّیے کی بات تمہاری امی نے بالکل ٹھیک کہی ہے اسے میں بھی محسوس کرتا ہوں۔ تم گھر میں اپنے آپ کو دوسروں سے الگ سمجھتی ہو، ایسی بات برداشت تو نہیں کی جا سکتی یہاں تک کہ کالج میں تمہارا روّیہ عظمیٰ اور صنوبر کے ساتھ اچھا نہیں ہے۔"

"میں جانتی ہوں ابو۔ انہی دونوں نے شروع سے آپ کو میرے خلاف بھڑکا رکھا ہے۔ اس کی وجہ جانتے ہیں آپ وہ میرے سامنے کمپلیکس کا شکار ہیں، جلتی ہیں مجھ سے......"

"تم پھر بدتمیزی پر اتر آئیں۔"

"ابو...... پلیز...... مجھے خود اعتمادی سے اس دنیا میں جینے دیں۔ ایسا نہ ہو سکا تو شاید میں خودکشی پر غور کروں۔"

ایک عجیب سا لہجہ تھا۔ راحیل احمد کو یوں لگا جیسے وہ سچ کہہ رہی ہو، جیسے وہ جو کچھ کہہ رہی ہے کرنے کا حوصلہ رکھتی ہو۔ کچھ لمحوں کے لئے تو وہ سناٹے میں آ گئے، پھر انہوں نے پینترا بدل لیا اور بیوی سے بولے "سن رہی ہو، سعدیہ بیگم...... بدلے ہوئے وقت کا مزاج دیکھ رہی ہو، بی بی آپ خودکشی نہ کریں پڑھنے جانا چاہتی ہیں آپ...... جائیے کس وقت جایا کریں گی؟؟"

"پانچ بجے۔"

"واپسی......؟"

"آٹھ بجے۔"

"ذریعہ سفر......!"

"آٹو رکشہ۔"

"ٹھیک ہے۔ میں نیازی سے بات کر لوں گا۔ وہ ڈیوٹی بدل لے گا اور آپ کو چھوڑ اور لے آیا کرے گا۔"

نیازی آٹو رکشہ چلاتا تھا اور شروع ہی سے ان تینوں بہنوں کو سکول اور اس کے بعد کالج لانے لے جانے کی ذمہ داری نبھا رہا تھا۔

یوں یہ مرحلہ طے ہو گیا۔ عظمیٰ اور صنوبر کے مضامین اور سیکشن دوسرے تھے اس لئے ان کا کیمسٹری سے کوئی تعلق نہیں تھا۔

کلاس میں اس نے پروفیسر حاذق ربانی سے ان کے گھر کا پتہ پوچھا تو انہوں نے چونک کر راحیلہ کو دیکھا۔

"آپ میرے گھر آ کر پڑھنا چاہتی ہیں۔"

"اگر آپ کی اجازت ہو سر تو......" راحیلہ نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھتے ہوئے کہا اور پروفیسر ربانی ایک لمحے کے لئے کھو سے گئے۔

کہا جاتا ہے کہ ایسے معاملات میں عورت کی آنکھ اور اس کی حس دنیا کے ہر جاندار سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ ایک لمحے کے اندر راحیلہ نے اس کھوئے پن کو محسوس کر لیا اور اس کے اندر وہی فرحت آمیز خوشی جاگ اٹھی جو سانپ کو دیکھ کر نیولے کی آنکھوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔

پروفیسر نے سنبھل کر کہا "کئی لڑکے لڑکیاں آئیں گے آپ گروپ بنا کر آئیے وہی آپ کو میرا پتہ بتا دیں گے۔"

"سر آپ کیوں نہیں بتا رہے!" راحیلہ نے اپنے ترکش کو سنبھال کر کہا پھر جلدی سے بولی۔

"میں اپنے گھر سے آیا کروں گی رکشہ میں، اس لئے پوچھ رہی ہوں۔"

"ہاں، ٹھیک ہے۔" پروفیسر ربانی نے اسے اپنا پتہ بتایا اور اس نے شکریہ ادا کر کے رُخ بدل لیا، لیکن عقب سے وہ دیکھ رہی تھی کہ پروفیسر کی آنکھیں اس پر جمی ہوئی ہیں۔ ایک نیا تصور، نیا خیال اس کے دل میں سر ابھارنے لگا تھا۔ پھر اس نے پروفیسر ربانی کی کوٹھی دیکھی اور دیکھتی رہ گئی۔ بے حد خوبصورت لان، پورچ جس میں پروفیسر کی چمچماتی کار کھڑی تھی اس کے بعد دروازے کے دوسری طرف کی شفاف راہداری، پھر ڈرائنگ روم جس کی سجاوٹ قابل دید تھی۔

راحیلہ کے علاوہ صرف چھ سٹوڈنٹ اور تھے جن میں دو لڑکیاں اور باقی لڑکے تھے۔ پروفیسر نے چائے وغیرہ سے ان کی تواضع کی اور پھر پوری سنجیدگی سے ان لوگوں کو پڑھانا شروع کر دیا۔

چھ دن گزر گئے۔ راحیلہ گہری نگاہوں سے پروفیسر ربانی کا جائزہ لے رہی تھی۔ ابھی تک اس نے پروفیسر کے اندر کوئی خاص بات نہیں پائی تھی لیکن وہ کوئی خاص بات چاہتی تھی اور اس

کے لئے مناسب موقع چاہتی تھی۔ ساتواں دن اتوار کا تھا۔ اسے کسی حد تک امید تھی کہ آج سٹوڈنٹ چھٹی کریں گے لیکن اس نے وقت پر تیاری شروع کر دی تھی۔ ماں نے کہا ''آج تو اتوار ہے۔''

''جی.....کوئی نئی بات ہے۔''

''میرا مطلب ہے آج بھی جاؤ گی۔''

''جی.....جاؤں گی۔'' اس نے کہا۔

جب وہ چلی گئی تو سعدیہ بیگم نے کسی حد تک تشویش سے راحیل احمد سے کہا۔ ''آپ نے تو اسے بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔ جہاں یہ جاتی ہے وہاں کے بارے میں آپ نے معلومات کی ہیں۔''

''جی نہیں.....آپ کے بل پر گھر چلا رہا ہوں۔''

''نہیں میرا مطلب ہے.....''

''پروفیسر حاذق ربانی ایک انتہائی نیک نام انسان ہے۔ عمر پینتالیس پچاس کے درمیان ہے یعنی میرا ہم عمر، کردار کی قسمیں کھائی جاتی ہیں۔ انتہائی اصول پرست، وقت کی پابندی کا یہ عالم ہے کہ گھر سے کالج جانے کے لئے نکلتا ہے تو لوگ اپنی گھڑیوں کا وقت درست کر لیتے ہیں، اچھی شکل وصورت کا مالک ہے۔''

راحیلہ کا خیال ٹھیک تھا۔ پروفیسر نے ایک خوشگوار حیرت سے اس کا استقبال کیا اور بولا۔

''آج تو اتوار ہے۔''

''جی..... میں خود کشمکش کا شکار تھی، صورت حال واضح نہیں تھی۔ آئی ایم سوری..... میں چلی جاتی ہوں۔ رکشہ لے لوں گی کیونکہ میرا رکشہ والا.....''

''مجھے معلوم ہے لیکن آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں۔ آیئے اندر آیئے۔''

''مجھ سے غلطی ہو گئی، مجھے فون کر لینا چاہئے تھا لیکن اتفاق یہ ہے کہ میرے پاس آپ کا فون نمبر بھی نہیں ہے۔'' وہ ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہنے لگی۔

پروفیسر نے کہا ''آج آپ میری سٹوڈنٹ نہیں، مہمان ہیں۔ آیئے میں آپ کو اپنا گھر دکھاؤں۔''

''اوہ..... میری خوش قسمتی۔ آپ کی مسز غالباً پردہ دار خاتون ہیں، میں نے نہ صرف انہیں بلکہ آپ کے بچوں کو بھی نہیں دیکھا۔''

''ہاں۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ کاش میں شادی کر لیتا اور اس صورت میں آپ کی ان سے ملاقات کی خواہش پوری ہو جاتی۔''

''جی.....'' راحیلہ نے حیرت کا مظاہرہ کیا۔

''آیئے۔'' پروفیسر بولا اور اسے لے کر ایک کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی خوبصورت بیڈ روم تھا۔

''سر آپ نے کیا کہا.....'' وہ بولی اور اُچک کر قیمتی بیڈ پر بیٹھ گئی جس نے اس کے حسین بوجھ کو کئی بار اوپر اُچھالا۔

''آپ نے سن لیا ہے نا.....!'' پروفیسر بولا۔

''سن تو لیا ہے سمجھی نہیں ہوں۔''

''تعلیم مکمل کی تو والدہ کا انتقال ہو گیا۔ انہوں نے بار ہا اس خواہش کا اظہار کیا کہ میں شادی کر لوں لیکن میں تعلیم پوری کرنا چاہتا تھا بعد میں اس لئے شادی نہیں کی کہ ماں کی ایک معمولی سی خواہش بھی ان کی زندگی میں پوری نہیں کر سکا۔''

''اوہ، تو آپ نے شادی کی ہی نہیں۔''

''ماں کی موت کے بعد کسی نے اس خواہش کا اظہار ہی نہیں کیا۔''

''اسی لئے بچے بھی نہیں ہیں آپ کے۔'' وہ پُرخیال لہجے میں بولی اور پروفیسر بے اختیار مسکرا پڑا۔

''شاید'' اس نے کہا۔

''آپ بہت اچھے ہیں پروفیسر۔ انتہائی مہربان، انتہائی نفیس طبیعت کے مالک اور بہت خوبصورت۔''

''جی.....'' پروفیسر سرسراتی آواز میں بولا۔

''جی بالکل..... سو پیسے سچ۔ اعشاری نظام نے محاورہ ہی بدل دیا۔ محاورہ شاید سولہ آنے سچ کا تھا لیکن اب آپ بتایئے کیا بے تکی بات ہے۔ سولہ آنے بھی کوئی راؤنڈ فگر ہے؟ سو میں تو

پھر بھی بات بنتی ہے۔'' پروفیسر اسے عجیب سی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری زندگی تجرد میں گزاری تھی۔ فطرتاً انتہائی نیک اور شریف طبیعت کا مالک تھا۔ ماں سے خدا کے بعد عقیدت رکھتا تھا اور ماں سے بڑی چیز کائنات میں کوئی نہیں تھی اس کے لئے، ماں دنیا سے چلی گئی تنہا رہ گیا۔ کچھ اثاثے والدین کے چھوڑے ہوئے تھے۔ یہ مکان بھی انہی میں سے ایک تھا۔ اپنی فطرت کے مطابق اس کی تشکیل نو کی لیکن ساری زندگی کبھی کسی اپنے عمل میں آگے نہ بڑھ پایا جس سے زندگی کے ساتھی کا انتخاب ہوسکتا۔ طبیعت میں عامیانہ پن نہیں تھا۔ جوں جوں عمر بڑھتی گئی وجود میں ٹھہراؤ آتا چلا گیا اور پھر وہ بالکل کسی جھیل کی طرح ساکن ہوگیا۔ اس کی بھرپور نگاہ کسی جانب اٹھتی ہی نہیں تھی لیکن قدرت نے انسان کو فطرتاً حُسن پسند بنایا ہے۔ یہ حُسن فضاؤں میں، رم جھم برستی برساتوں میں، حسین پرندوں میں، خوشگوار آوازوں میں، خوبصورت پھولوں میں، آسمان پر چھائی ہوئی کہکشاں میں، کہیں بھی نظر آجاتا ہے تو انسان اپنی فطرت کے مطابق اسے نظر انداز نہیں کرسکتا۔

راحیلہ کو بھی پروفیسر ربانی نے دیکھا تھا، لیکن بس نگاہوں میں ایک پسندیدگی کی چمک پیدا ہوئی تھی اور بس۔ پھر اس کے بعد دو تین بار راحیلہ سے باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس کی انتہائی دلکش آواز اور بات کرتے ہوئے اس کے ہونٹوں کی جنبش، پھر یہاں تک وقت آیا کہ راحیلہ اس کے گھر تک پہنچ گئی۔ سادہ سادہ سا معصوم سا انداز اور اس وقت تو قیامت ہی ہوگئی تھی جو جملے اس نے کہے تھے ان میں کس قدر بھولپن تھا۔ نگاہوں میں کس قدر پسندیدگی کی چمک پیدا ہوئی تھی وہی چمک پروفیسر کے دل میں اِدھر سے اُدھر دوڑنے لگی۔

راحیلہ پروفیسر سے بہت سی باتیں کر رہی تھی اور اس کے گھر کے بارے میں بہت کچھ کہہ رہی تھی۔ پھر جب وہ چلی گئی تو پروفیسر حاذق ربانی سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ دل کے دروازے بھی کھلے تو کس عمر میں آکر، وہ سادہ سی معصوم لڑکی درحقیقت عمر میں اس سے انتہائی چھوٹی تھی۔ بھلا ایسی کسی لڑکی کے لئے دل میں کوئی تصور کہاں رکھا جاسکتا ہے لیکن دوسرے دن کالج اور پھر شام کو گھر پر راحیلہ جس اپنائیت کے ساتھ آئی اس نے پروفیسر حاذق کو مزید پریشان کردیا۔

رات کو جاگتے ہوئے نجانے کیا کیا سوچتا رہا اور پھر دن رات بیتے اور راحیلہ کا خیال۔ وہ یہ سمجھ رہا تھا کہ یہ لڑکی جس معصومیت سے دل کی ہر بات کر جاتی ہے وہ اس کی عمر کا ہدیہ ہے۔ اس

کے دل میں پروفیسر ربانی کے لئے صرف استاد کا جذبہ ہے لیکن ایک دن جب راحیلہ نے کہا

''سر! میرا دل چاہتا ہے کہ میں اتوار کو بھی آپ کے پاس آیا کروں۔ رات کو جب بستر پر لیٹتی ہوں تو نجانے کیوں آپ میرے ذہن میں آتے رہتے ہیں۔ میں سوچتی ہوں آپ سے یہ کہوں گی، آپ سے وہ کہوں گی لیکن ہمت نہیں پڑتی۔''

''راحیلہ، میں سب کچھ سن سکتا ہوں، سننا چاہتا ہوں، میں خود تمہارے بارے میں اسی انداز میں سوچتا رہتا ہوں۔''

''کیا واقعی سر؟''

''ہاں راحیلہ، تم میری زندگی میں بہت دور تک آگئی ہو۔''

''ارے واہ، کیسا اچھا جملہ ہے، سر مجھے بتایئے میں کتنی دور تک آگئی ہوں۔''

پروفیسر حاذق اُسے کیا بتاتا۔ بتانے کو دل بھی نہیں چاہتا تھا۔

''سر آپ سے ایک فرمائش کروں؟'' راحیلہ بولی۔

''ہاں ہاں راحیلہ، کیوں نہیں۔''

''آپ کے پاس ہلکے نیلے رنگ کا کوئی سوٹ ہے؟''

''میرے پاس.....''

''جی سر، یہ کلر مجھے بہت پسند ہے اور پھر سوٹ تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ شاید بنائے ہی آپ کے لئے گئے ہیں۔ میں اپنے گھر میں کہتی ہوں کہ سوٹ اگر کسی پر زیب دیتا ہے تو وہ میرے پروفیسر حاذق ربانی ہیں، ان کے سامنے درحقیقت کسی کو سوٹ نہیں پہننا چاہیے۔''

''راحیلہ، یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟''

''سر پلیز ہلکے نیلے رنگ کا ایک سوٹ بنالیجئے نا، اگر نہیں ہے آپ کے پاس۔''

''آپ آیئے میرے ساتھ۔'' پروفیسر حاذق نے کہا اور اپنے لباس کی الماری کھول دی۔

''ہائے یہ سارے سوٹ آپ نے یہاں لٹکا رکھے ہیں، کالج تو آپ یہ سب کچھ پہن کر نہیں آتے۔''

''آتا ہوں، راحیلہ آپ نے غور نہیں کیا ہوگا۔''

"یہ دیکھئے یہ رہا میرا پسندیدہ رنگ، سر پلیز...... پہن کر دکھا دیں گے مجھے۔"

"ابھی پہن کر آتا ہوں۔"

"اور یہ ٹائی اس کے ساتھ۔" راحیلہ نے ایک نہایت ہی نفیس ٹائی پروفیسر حاذق کو پہننے کے لئے دی۔

اور پھر پروفیسر حاذق یہ سوٹ پہن کر اس کے سامنے آیا تو راحیلہ اسے دیر تک دیکھتی رہی، پھر بولی "سر آپ سے اچھا کوئی نہیں ہے۔"

پروفیسر حاذق کی دنیا بدلنے لگی۔ وہ خود پر توجہ دینے لگا۔ نجانے کیا کیا خیالات اس کے دل میں آتے رہے تھے اور وہ بہت کچھ سوچتا رہا، پھر ایک دن اس نے کہا "راحیلہ! گھر سے آپ کو کس حد تک باہر نکلنے کی اجازت ہے؟"

"سر میرے والد راحیل احمد صاحب بڑے سخت مزاج کے مالک ہیں وہ بڑی گہری نگاہ رکھتے ہیں مجھ پر، اگر انہیں پتہ چل جائے کہ اتوار کو یہاں کوئی نہیں ہوتا، صرف میں اور آپ ہوتے ہیں تو شاید وہ میرا یہاں آنا بند کر دیں لیکن سر ایک بات ہے میں بھی ضدی ہوں جو میرا دل چاہتا ہے وہی کرتی ہوں اور گھر والوں سے منوا لیتی ہوں۔ میں تو بس یہ سوچ رہی ہوں کہ امتحانات ہو جائیں گے تو اس کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔"

"راحیلہ! میرے اور آپ کے درمیان اس قدر انسیت ہوگئی ہے کہ اب میرا دل چاہتا ہے کہ آپ اکثر میرے ساتھ ہوا کریں۔"

"کوئی ترکیب سوچنی پڑے گی سر۔ بہت ہی افسوس کی بات ہے کہ ہم سچ بول کر اپنی خواہشوں کو پورا نہیں کر سکتے، جھوٹ کا سہارا لینا پڑتا ہے جبکہ دل جھوٹ کو نہیں مانتا۔"

"آپ ٹھیک کہتی ہیں کچھ مجبوریاں بھی ہوتی ہیں لیکن کوئی نہ کوئی حل نکالنا پڑے گا۔"

پروفیسر حاذق بھلا اس قدر ذہین کہاں تھے کہ کوئی حل نکال سکتے۔ راحیلہ کے لئے بھی یہ ایک مشکل کام تھا کیونکہ دونوں بہنیں اسی کالج میں پڑھتی تھیں ساتھ آنا پڑتا تھا اور ساتھ واپس جانا پڑتا تھا کوئی ترکیب نہیں ہو سکتی تھی۔

غرضیکہ معاملات اسی انداز میں چلتے رہے۔ پروفیسر حاذق ربانی کا مزاج ہی بدل گیا تھا جیسے سب نے محسوس کیا تھا پہلے وہ ایک خشک اور سادہ سی طبیعت کے مالک تھے لیکن اب ان کی

باتوں میں مزاح پیدا ہو گیا تھا۔ وہ خوشبوؤں میں بسے ہوئے کالج آتے تھے۔ لباس بے شکن ہوا کرتے تھے جبکہ پہلے وہ لباس کے معاملے میں بالکل لاپرواہ تھے۔ لباس اچھے اور قیمتی بے شک ہوا کرتے تھے لیکن انہیں اس نفاست سے استعمال نہیں کیا جاتا تھا جوتوں کی پالش اس قدر چمکدار ہوتی تھی کہ اس میں چہرہ دیکھا جا سکے۔

لوگ صاف دیکھ رہے تھے کہ پروفیسر حاذق اور راحیلہ کس طرح ایک دوسرے سے گھلے ملے رہتے ہیں۔ پھر امتحانات شروع ہو گئے اور کچھ عرصے کے لئے تمام مصروفیات ختم ہو گئیں لیکن پروفیسر حاذق کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر راحیلہ کے ساتھ دو چار منٹ بات کر لیا کرتے تھے۔

"صورتحال اب خاصی مشکل ہوگئی ہے راحیلہ ہمیں کچھ کرنا ہوگا۔" اور پھر امتحانات کے خاتمے کے بعد ایک دن ہمت کر کے پروفیسر حاذق اسے ساحل سمندر پر لے گئے۔ کالج سے خاموشی کے ساتھ دونوں باہر نکل آئے تھے۔

"سر میں تو ڈر رہی ہوں، میں یہاں آ گئی ہوں، واپسی پر کہیں یہ بات منظر عام پر نہ آ جائے کہ میں آپ کے ساتھ یہاں آئی ہوں۔"

"کوشش تو یہی کروں گا کہ یہ بات منظر عام پر نہ آ سکے لیکن راحیلہ میں...... میں کچھ کہنا چاہتا ہوں تم سے...... کیوں نہ ایسا کروں کہ ایک دن تمہارے گھر آؤں۔"

"سر آپ ضرور آیئے، اس میں بھلا پوچھنے کی کیا بات ہے؟"

"راحیلہ! میں آؤں گا، میں تمہارے ابو سے ملنا چاہتا ہوں۔" پروفیسر حاذق نے نجانے کیا فیصلہ کیا تھا۔ یہ فیصلہ احمقانہ تھا۔ حماقت پر مشتمل تھا یا پھر وہ اسی قدر مجبور ہو گئے تھے۔

ایک دن انہوں نے راحیل احمد سے ملاقات کی۔ راحیل احمد نے خوشدلی سے اپنے آفس میں پروفیسر حاذق کو خوش آمدید کہا تھا۔

"سر میں آپ کو جانتا ہوں، آپ راحیلہ کے کالج میں پروفیسر ہیں۔"

"مگر آپ کو میری صورت آشنائی کیسے ہوئی؟" پروفیسر حاذق نے کہا۔

"جناب! آپ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں، میری بیٹی کے استاد ہیں۔

"راحیل صاحب! میں آپ کے گھر پر حاضری دینا چاہتا ہوں۔"

"ارے واہ! یہ تو میری عزت افزائی ہوگی، معمولی سا گھر ہے، پروفیسر صاحب، تین بیٹیوں کا باپ ہوں۔ میری گردن اور شانے جھکے ہوئے ہیں اس تصور کے ساتھ کہ بیٹیوں کو پرائے گھر جانا ہے۔ خیر آپ تشریف لائیے آج ہی شام چائے پر۔ غریب خانے میں آپ کی آمد سے روشنی ہوجائے گی۔"

پروفیسر حاذق ربانی ہلکے نیلے رنگ کا وہ سوٹ جو راحیلہ کی پسند تھا پہن کر راحیلہ کے گھر پہنچ گئے۔ راحیل احمد صاحب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا۔ راحیلہ کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تھا حاذق ربانی اسے سرپرائز دینا چاہتے تھے وہ بھی اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"سر آپ......!"

بڑے اہتمام کے ساتھ پروفیسر حاذق کو بٹھایا گیا۔ پروفیسر حاذق کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں۔ انہوں نے کہا "میں آپ سے تنہائی میں کچھ بات کرنا چاہتا ہوں۔"

"ہاں ہاں ضرور خیریت تو ہے؟"

"جی جی......خیریت ہی ہے۔" راحیل احمد نے خوشگوار حیرت کے ساتھ سب کو باہر چلے جانے کے لئے کہا اور جب سب چلے گئے تو پروفیسر حاذق ربانی نے کہا "میری عمر اڑتالیس سال ہے، بے شک اپنی عمر سے کچھ زیادہ لگتا ہوں گا لیکن اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ زندگی تنہا گزاری ہے والدہ تھیں ان کے انتقال کے بعد بس یوں سمجھ لیجئے کہ نہ کوئی سرپرست رہا، نہ رشتے ناتے دار، اکیلی زندگی انسان پر جس قدر بھاری گزرتی ہے۔ شاید آپ کو اس کا کچھ اندازہ ہو، میرے ساتھ بھی یہی سب کچھ ہوا ہے۔"

"جی یقیناً بڑی دلگداز بات ہے۔"

"دیکھئے! جو کچھ میں آپ سے کہنے جارہا ہوں وہ یقیناً آپ کو ناخوشگوار محسوس ہوگا لیکن کہے بغیر چارہ کار بھی نہیں ہے۔ راحیلہ مجھ سے عمر میں بے حد چھوٹی ہیں لیکن میرے دل میں ان کے لئے محبت کا جذبہ پیدا ہوگیا ہے۔ میں ان سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ خدا کے لیے ناراض نہ ہوں۔ راحیلہ خود بھی شاید اس بات سے انکار نہ کرسکیں آپ چاہیں تو انہیں بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔ میرے پاس خدا کا دیا ہوا بہت کچھ ہے۔ بے شک میری عمر راحیلہ سے بہت زیادہ ہے لیکن آپ کی یہ ذمہ داری اور یہ بوجھ میں اس طرح سنبھال لوں گا کہ آپ کی باقی دونوں بیٹیوں کی شادی

میں بھی میری بھرپور کوششیں آپ کے ساتھ ہوں گی۔"

راحیل احمد نے نہایت صبر وسکون سے یہ بات سنی۔ نجانے کیوں ان کے دل میں کئی بار خلش پیدا ہوئی تھی۔ راحیلہ کی پروفیسر ربانی سے اس قدر وابستگی کئی بار انہیں کھلی تھی لیکن پھر وہ یہ سوچ کر مطمئن ہوگئے تھے کہ پروفیسر ربانی ایک شریف استاد ہیں اور ان کے بارے میں کبھی کوئی سکینڈل سامنے نہیں آیا۔ یہ معلومات انہوں نے بڑی محنت سے حاصل کی تھیں۔ نجانے کیوں دل میں دہری کیفیت پیدا ہوگئی انہوں نے کہا "حیرت ہوگی آپ کو پروفیسر ربانی کہ میں ایک قدامت پرست انسان ہونے کے باوجود اپنی بیٹیوں کے بوجھ اور ان کی ذمہ داریوں کو محسوس کرتا ہوں۔ آپ صرف ایک بات بتا دیجئے مجھے، کیا راحیلہ اس رشتے کے لئے خوشی سے تیار ہوجائے گی؟"

پروفیسر ربانی نے جو راحیل احمد کا یہ نرم لہجہ دیکھا تو ان کے دل میں پھول ہی پھول کھل گئے، انہوں نے گردن جھکا کر کہا "اب آپ راحیلہ کو بلا کر پوچھ سکتے ہیں۔"

"کیا آپ نے بھی راحیلہ سے اپنے اس جذبے کا اظہار کیا ہے۔ اس سے کہا ہے کہ آپ اس سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔" راحیل احمد نے پوچھا۔

"نہیں......خدارا ایسی کوئی بات نہ سوچیں۔ ہماری تنہائیاں پاکبازی کی رہی ہیں۔"

"پروفیسر، میں ابھی تک اچنبھے میں ہوں۔ راحیلہ کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہوں، مجھے حیرت ہے۔" راحیل احمد اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔

"میں نے اپنے دل کی بات آپ تک پہنچا دی۔ آپ کے فیصلے کا انتظار کروں گا، اجازت دیجئے گا۔"

"تھوڑا توقف کیجئے گا پروفیسر۔ بات اتنی ہیجان خیز ہے کہ میں انتظار نہیں کرسکتا۔ راحیلہ اگر اس رشتے کے لئے تیار ہوجائے تو میں انکار نہیں کروں گا۔ میرے خیال میں اسے آپ کے سامنے بلا کر بات کرلی جائے۔"

پروفیسر نے راحیل احمد کو دیکھا پھر مسکرا کر بولا۔

"آپ میری توقع کے برعکس ایک روشن خیال انسان نکلے راحیل احمد صاحب۔ جیسا آپ پسند کریں!"

راحیلہ کو طلب کرلیا گیا۔اس نے بڑے ادب سے پروفیسر کو سلام کیا تھا۔

''بیٹھو بیٹے۔'' راحیل احمد نے کہا اور راحیلہ بیٹھ گئی۔ راحیل پھر بولے'' میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ بے شک یہ وہ ہو رہا ہے جو نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی ہو بھی جاتا ہے۔ ربانی صاحب تمہارے استاد ہیں تم خود بھی ان کی بہت تعریفیں کرتی رہی ہو۔ ربانی صاحب تم سے شادی کے خواہشمند ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ تم خود خوشی سے ان کی یہ رفاقت قبول کرلو گی، کیا ایسا ہے......؟''

راحیلہ نے بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا تھا کچھ لمحوں کے لئے تو یوں لگا جیسے اسے سکتہ ہوگیا ہو۔ وہ خالی خالی آنکھوں سے باپ کو دیکھتی رہی۔ راحیل احمد اور پروفیسر ربانی کی نگاہیں بھی اس پر جمی ہوئی تھیں۔ راحیل نے کہا'' راحیلہ بیٹے! میری بات تمہاری سمجھ میں آ گئی؟''

راحیلہ نے آنکھیں بند کر کے جھرجھری لی اور پھر بولی'' نہیں سمجھ میں آئی ابو! کیا کہہ رہے ہیں آپ؟'' اس کے لہجے میں ایک ہول سا تھا۔

راحیل احمد نے پروفیسر ربانی کی طرف دیکھا جن کا چہرہ پھیکا پڑنے لگا تھا اور بولے ''بیٹے، پروفیسر ربانی! تم سے شادی کے خواہشمند ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تم خوشی سے ان کی یہ پیشکش قبول کرلو گی۔''

''ابو! کیا آپ سچ کہہ رہے ہیں؟ پروفیسر! کیا آپ نے واقعی ابو سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے؟''

''ہاں۔'' پروفیسر نے کہا اور گردن جھکا لی۔

راحیلہ کے چہرے پر رفتہ رفتہ درشتگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ پھر اس کا خوبصورت چہرہ سخت اور سرخ ہوگیا۔

''معاف کیجئے گا پروفیسر! کیا چہرے اس قدر دھوکہ دے سکتے ہیں آپ کے چہرے کی پاکیزگی تو اس بات کی مظہر تھی کہ آپ کا دل بھی اتنا ہی شفاف اور پاکیزہ ہوگا لیکن اندر سے آپ وہی نکلے جو عام طور سے لوگ ہوا کرتے ہیں۔ آئی ایم سوری پروفیسر، آئی ایم ویری سوری، آپ اچانک میری نگاہوں سے بہت نیچے گر گئے ہیں۔ آپ نے کیا فضول بات کی میرے باپ سے۔ کیا سمجھا آپ نے مجھے۔ آپ نے ابو سے کہا ہے کہ میں آپ کی رفاقت قبول کرلوں گی۔

پروفیسر! اپنی عمر کا اندازہ ہے آپ کو، میرے ابو سے کسی طور چھوٹے نہیں ہوں گے آپ۔ آپ کو شرم نہیں آئی ایسی باتیں کرتے ہوئے۔ آپ کے پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں۔ کسی بھی وقت موت آپ کی گردن دبوچ لے گی۔ شرم آنی چاہئے پروفیسر آپ کو۔ اپنی بیٹی کے برابر لڑکی کے کردار پر انگلی اٹھا رہے ہیں آپ۔ ابو! یہ وہ صاحب ہیں جو بظاہر اپنے اوپر شرافت کا خول چڑھائے رکھتے ہیں لیکن اندر سے انتہائی گھناؤنی فطرت کے مالک ہیں۔ آپ انہیں دھکے مار کر نکال دیجئے، ایسی کوئی بات نہیں ہے، بھلا ان سے بھی شادی کی جا سکتی ہے۔ کیا ہے ان کی شخصیت میں، ہونہہ'' راحیلہ نے حقارت سے کہا اور مزید بولی'' ابو پلیز! ان کی اس جاہلانہ فرمائش میں میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں انہیں ایک بہت اچھا استاد سمجھتی تھی اور استاد ہی کی حیثیت سے بڑی بے تکلفی، لیکن احترام کے ساتھ ان سے پیش آتی تھی۔ میں نے کبھی انہیں کوئی ایسا موقع نہیں دیا جس سے یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے کہ میں کسی طور ان سے متاثر ہوں اور آپ خود سوچئے بھلا یہ بھی کوئی متاثر ہونے والی شخصیت ہیں، میں چلتی ہوں، ابو مجھے سخت غصہ آ رہا ہے۔'' راحیلہ نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

ایک لمحے کے لئے کمرے کا ماحول انتہائی بھیانک ہوگیا۔ پروفیسر کی تو جیسے سانس رُک گئی تھی۔ راحیل احمد کے چہرے پر بھی سختی کے آثار تھے، آخر انہوں نے اس جمود کو توڑا۔

''پروفیسر! میری بیٹی آپ کی جو بے عزتی کر گئی ہے میرا خیال ہے وہ کافی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ اس کے بعد مزید مجھے آپ کی بے عزتی کرنے کی ضرورت ہے۔ خیر چھوڑیئے ان باتوں کو، آپ کو جواب مل گیا ہے۔ میں نے آپ سے کہا تھا کہ اگر آپ کی بات درست ہے اور راحیلہ اس بات کے لئے تیار ہو جاتی ہے تو میں اعتراض نہیں کروں گا لیکن اب آپ نے سن لیا ہے میرا خیال ہے اب آپ کے یہاں بیٹھے رہنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔'' پروفیسر نے ایک جھرجھری لی اور اپنی جگہ سے اٹھ گیا۔ پھر ایک لفظ کہے بغیر وہ وہاں سے باہر نکل آیا تھا لیکن جس کیفیت میں تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا اس کا دل جانتا تھا۔ راحیلہ چھپی چھپی اسے دیکھ رہی تھی۔ پروفیسر کے قدموں کی لڑکھڑاہٹ اور شرمندگی اور بوکھلاہٹ راحیلہ کی روح میں مسرت کا امرت گھول رہی تھی۔ دوسرے دن پروفیسر کالج نہیں آیا۔ چند لڑکیوں نے اس کے بارے میں بات کی تو راحیلہ نے بڑی دلچسپی سے [illegible] بتایا۔

"پروفیسر وہ نہیں ہیں جو خود کو ظاہر کرتے رہے ہیں، میں تم لوگوں کو ایک حیرت ناک بات بتانا چاہتی ہوں۔" راحیلہ کی حیرت ناک بات سننے کے لئے بہت سی لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو گئیں۔

"کل پروفیسر صاحب ہمارے گھر آئے تھے میرے لئے رشتہ لے کر۔"

"کیا؟"

"جی۔ یار کمال کی بات نہیں ہے یقینی طور پر میرے باپ سے زیادہ کی عمر کے ہوں گے یا کم از کم ان کے برابر تو ہوں گے ہی، اصل میں بات بڑی عجیب سی ہے، ہم لوگ پورے خلوص کے ساتھ کسی کا احترام کسی کی عزت کرتے ہیں لیکن لڑکی ہونا سب سے خراب بات ہے، بھلا بتایئے پروفیسر صاحب کو شرم نہیں آئی میرے لئے ابو سے بات کرتے ہوئے۔"

"تمہیں خدا کی قسم راحیلہ، کیا تم سچ کہہ رہی ہو؟"

"محترم خواتین، ایک بڑی افسوس ناک بات میں آپ کو بتاؤں، بدقسمتی سے میرے اندر یہ بہت بڑی خرابی ہے، میں فضول باتوں سے گریز کرتی ہوں، سچ بولتی ہوں۔ اب آپ لوگ مجھے یہ بتایئے کہ اگر قدرت نے مجھے تھوڑی سی بہتر شکل دے دی ہے تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔ آپ لوگوں میں سے کوئی بھی مجھ سے کسی بھی طرح کم نہیں ہے لیکن یہاں خواہ مخواہ میرے خلاف نجانے کیسے کیسے اسکینڈل بنا دیئے جاتے ہیں۔ ان پروفیسر صاحب کو دیکھئے، کیا کہوں ان کے بارے میں لعنت بھیجنے کو بھی دل نہیں چاہتا ان پر، آ گئے تھے میرے گھر ہونہہ......"

لڑکیوں کے کانوں تک یہ بات پہنچ جائے اور پورے کالج کو خبر نہ ہو جائے ممکن نہ تھا، لڑکوں کو معلوم ہوا، سب کے سب ایک دوسرے سے اظہار تعزیت کرنے لگے، چند لڑکوں نے تو ایک کونے میں بیٹھ کر مصنوعی طریقے سے رونا شروع کر دیا تھا، ایک عجیب سی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ پھر ایک لڑکی نے تجویز پیش کی۔

"میرا خیال ہے ہمیں ان کے گھر جانا چاہیے۔"

لڑکے لڑکیاں پروفیسر کے گھر پہنچے اور جب پروفیسر سے ان کی ملاقات ہوئی تو وہ انہیں دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ پروفیسر ہلدی کی طرح زرد ہو گیا ہے، اس کی آنکھوں میں حلقے پڑ گئے ہیں۔ وہ پروفیسر نظر ہی نہیں آتا تھا جو دو دن پہلے تھا، دو دن میں انسان کی اس قدر کایا پلٹ سکتی

ہے یہ بھی لڑکے اور لڑکیوں کے لئے ایک تجربہ تھا۔ پروفیسر نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔

"تم لوگ، اچانک آ گئے۔"

"جی پروفیسر آپ دو دن سے نہیں آئے تھے نا ہمیں تشویش ہو گئی، خیریت ہے کیا ہو گیا آپ کو؟"

"بس اچانک طبیعت خراب ہو گئی ہے۔"

"پروفیسر آپ نے ڈاکٹر سے رجوع کیا، کیا حالت ہو رہی ہے آپ کی۔"

"نہیں۔ ہو سکتا ہے میری ظاہری حالت خراب ہو، لیکن اب میں ٹھیک ہوں۔ دو تین دن ریسٹ کروں گا، اس کے بعد کالج آنا شروع کروں گا تم لوگوں کے آنے کا بے حد شکریہ۔"

لڑکے لڑکیاں کافی دیر تک وہاں بیٹھے اور پھر جب وہاں سے واپس چلے تو آپس میں چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔

"پروفیسر کے الفاظ تو یہی بتاتے ہیں کہ بات سنجیدہ ہے۔"

"مگر ہم اس کا اظہار کریں بھی تو کیسے کریں؟"

"نہیں بابا بالکل بیکار ہے، مگر پروفیسر کی حالت تو کافی خراب ہو رہی ہے۔"

"کیا کہا جا سکتا ہے۔"

حقیقت یہ تھی کہ پروفیسر حساس طبیعت کا مالک تھا، زندگی میں اتنی عمر تجرد میں گزار دی اور اس کے بعد جب سارے جذبات سو گئے تو ایک حسین لڑکی کی کشش نے انہیں پھر سے جگا دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ پروفیسر اپنے تمام تر تجربے کے باوجود راحیلہ کو سمجھنے میں ناکام رہا تھا۔ اسے کبھی خواب میں بھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ راحیلہ صرف اس سے کھیل رہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ساری زندگی کے لئے دیئے رہا تھا۔ ایک تھوڑی سی غلط فہمی نے اس سے سب کچھ چھین لیا تھا وہ درحقیقت یہ نہیں سمجھ پایا تھا کہ راحیلہ صرف ایک استاد کی حیثیت سے اس کا احترام کرتی ہے۔ جب بھی وہ گزرے ہوئے دنوں پر غور کرتا تو اس کا تمام تر تجربہ یہی کہتا کہ راحیلہ بے تکلفی سے اس کے سامنے آتی تھی، بالکل ایسے جیسے اپنا دل و جان اس پر وارتی ہو، نجانے کتنی راتوں کو پروفیسر نے راحیلہ کے خواب دیکھے تھے اور پھر یہ سمجھ لیا تھا کہ راحیلہ اب اس کی زندگی کا ایک حصہ ہے، آہ!

کاش میں اس بات کو اس قدر آگے لے جانے سے پہلے راحیلہ سے کھل کر اس موضوع پر بات کر لیتا۔ حماقت ہے میری، اب کیا رہ گیا ہے۔ نہیں، میں راحیلہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور یہ بات جانتا ہوں کہ راحیلہ مجھے حاصل نہیں ہو سکتی۔

پروفیسر ایک کمزور شخصیت ثابت ہوا۔ اپنے کردار کی جس طرح اس نے آج تک حفاظت کی تھی اپنی زندگی کی اس طرح حفاظت نہ کر سکا اور پھر ایک دن جب ملازم گھر کی صفائی وغیرہ کے لئے آیا تو اس نے پروفیسر کی لاش اس کے بیڈ پر دیکھی۔ پروفیسر نے خودکشی کر لی تھی۔

یہ خبر کالج میں جب پہنچی تو تمام کلاسیں ختم کر دی گئیں اور ایک جم غفیر پروفیسر کی رہائش گاہ پر پہنچ گیا۔ اس دوران غالباً پولیس کو بھی اطلاع مل گئی تھی۔ چنانچہ پولیس بھی وہاں پہنچ گئی۔ پروفیسر کی لاش کو تحویل میں لے لیا گیا۔ تحقیقات ہونے لگی۔ لیکن کسی نے بھی احتیاطاً راحیلہ کا نام نہیں لیا تھا نام لیتا بھی تو کس حوالے کے ساتھ، راحیلہ کی طرف سے ایسی کوئی بات نہیں ہوئی تھی اور یہ بات سبھی جانتے تھے لیکن یہ بات بھی زبان زد عام ہوگئی کہ راحیلہ کی وجہ سے یہ تیسرے انسان کی موت ہے، پہلا درانی، دوسرا اسلیم جسے درانی کے قتل کے الزام میں سزائے موت ہوگئی تھی۔ تیسرا پروفیسر ربانی۔

راحیلہ کو لوگوں کی خاموشی پر بڑا افسوس تھا یہ لوگ کیوں نہیں کہتے کہ پروفیسر نے میرے عشق میں ناکام ہو کر خودکشی کی ہے۔ بے وقوف احمق کہیں کے اور اس بات کے لیے اس نے مرینہ سے راہ و رسم بڑھائی۔ مرینہ کالج ہی کی لڑکی تھی۔ راحیلہ اول تو کسی سے بہت زیادہ ملتی نہیں تھی اور جس سے وہ ملتی تھی وہ اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا تھا، اس نے کالج کے لان میں مرینہ سے بات کرتے ہوئے کہا ''میں بہت افسردہ ہوں مرینہ اگر پروفیسر نے میری وجہ سے خودکشی کی ہے تو میں اپنے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ پروفیسر انتہائی قابل اور لائق شخصیت کے مالک تھے۔ نجانے ان کے دل میں یہ احمقانہ احساس کیسے پیدا ہو گیا۔''

''بس راحیلہ، انسان بہت کمزور ہوتا ہے۔ دل تو ہر انسان کے سینے میں ہوتا ہے۔ پروفیسر بھی انسان تھا۔ دل کے ہاتھوں مارا گیا، مگر ہم سب کو اس کی موت کا بے حد دکھ ہے۔ بہت قابل اور بے حد نفیس شخصیت کا مالک تھا۔''

''سوچا غلط اس نے۔ میرا اور اس کا بھلا کیا جوڑ۔''

کافی دن کے بعد کچھ بے باک لڑکوں نے راحیلہ کا انٹرویو کرنے کا فیصلہ کیا اس کے لئے ان میں سے ایک لڑکے نے راحیلہ سے کہا۔

''مس راحیلہ۔ آپ کو ہم نے اپنے کالج کی سب سے حسین لڑکی منتخب کر لیا ہے۔ ہم آپ سے انٹرویو کرنا چاہتے ہیں۔''

''میں کیا انٹرویو دوں گی؟''

''آپ کے خیالات۔ آپ کے مستقبل کے خواب وغیرہ۔''

''پھر فرمائیے مجھے کیا کرنا ہوگا۔''

''ایک پکنک ترتیب دی جا رہی ہے۔ آپ کو بھی اس میں شرکت کی دعوت دی جاتی ہے، وہیں دوسری دلچسپیوں کے ساتھ آپ کے انٹرویو کا بندوبست بھی کیا جائے گا۔''

''میں جانتی ہوں آپ لوگ مجھے گھسیٹنے کا پروگرام بنا رہے ہیں لیکن ٹھیک ہے، میں بھی آپ لوگوں سے کہنا چاہتی ہوں کہ میں کسی طور آپ سے الگ نہیں ہوں۔''

اس کے اس جواب کو بڑی اہمیت دی گئی تھی۔

''یار۔ کچھ غلط فہمیاں بھی چل رہی ہیں راحیلہ کے بارے میں۔''

''کیسی غلط فہمیاں؟''

''مختلف مزاج کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض لوگ مغرور یا بدمزاج نہیں ہوتے۔ بس ان کا انداز ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ان کے بارے میں غلط فہمی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ راحیلہ بھی انہی میں سے ایک ہے۔''

''یہ کیسے کہہ سکتے ہو۔''

''میرا خیال تھا کہ میری انٹرویو کی پیشکش پر وہ بدمزاجی کا مظاہرہ کرے گی اور انکار کر دے گی مگر اس نے خوشی سے قبول کر لیا اور کہا کہ میں آپ لوگوں سے الگ نہیں ہوں۔''

''چلو اچھی بات ہے۔ لیکن اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس کی وجہ سے تین زندگیاں ختم ہوئی ہیں۔''

❁......❁......❁

راحیلہ نے ماں سے کہا۔

"امی! ہم لوگ پکنک پر جا رہے ہیں۔ مجھے کچھ چیزیں درکار ہوں گی"

"کیسی پکنک۔"

"میرے کالج کے ساتھی لڑکے لڑکیاں آؤٹنگ کے لئے جا رہے ہیں۔ مجھے بھی ان کے ساتھ جانا ہے۔"

"ابو سے پوچھ لیا ہے۔"

"آپ پوچھ لیجئے۔"

"تم خود کیوں نہیں پوچھ لیتیں؟"

جواب میں راحیلہ نے کڑی نظروں سے ماں کو دیکھا پھر بولی۔ "اس لئے امی کہ باپ بیٹی کا بھرم قائم رہ سکے۔"

سعدیہ بیگم چونک پڑی تھیں۔ راحیلہ کے لہجے میں بڑی سختی تھی۔ بیٹی ضرورت سے زیادہ سرکش ہوتی جا رہی تھی۔ اسے سنبھالنا ضروری تھا۔ انہوں نے بھی ترش لہجے میں کہا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا ان الفاظ سے۔"

"ابو دقیانوسی خیالات کے حامل ہیں، وہی روایتی باپ جو صرف یہ سمجھتے ہیں کہ ان کی بیٹی موم کا ڈھیر ہے۔ ذرا سی آنچ لگی، پگھل کر بہہ جائے گی۔ امی دور بدل گیا ہے۔ اس دور میں نہ لڑکی موم کا ڈھیر ہے نہ لڑکے آگ کے گولے۔ ہم لوگ آپ کے دور سے بہت مختلف ہیں، ہم مخلوط زندگی گزار رہے ہیں ایک دوسرے پر مکمل اعتماد کے ساتھ جبکہ آپ کے دور میں عورت ہر مرد کے لئے صرف عورت ہوتی تھی اور پھر مثنوی زہر عشق لکھی جاتی تھی۔ ہم سب ایک دوسرے کے جذبات کے محافظ ہیں۔ ابو اپنے انداز میں سوچیں گے۔ انکار کر دیں گے جو بے مقصد ہوگا کیونکہ مجھے جانا ہے۔"

"ان کے انکار کے باوجود......؟" سعدیہ بیگم نے حیرت سے کہا۔

"جی امی!" راحیلہ نے جواب دیا اور کھٹ کھٹ کرتی ہوئی سعدیہ بیگم کے پاس سے چلی گئی۔ سعدیہ بیگم تشویش سے اسے جاتے دیکھتی رہیں۔ کیا ہوتی جا رہی ہے راحیلہ۔ کیا لڑکیوں کو اس حد تک سرکش ہونا چاہئے۔ کیا اس معاشرے میں اس کی گنجائش ہے۔ سینکڑوں خبریں

اخبارات میں آتی رہتی ہیں۔ پھر دوسری فکر لاحق ہوئی۔ راحیل احمد سخت گیر انسان تھے۔ وہ کبھی اس طرح کی اجازت نہیں دے سکتے تھے۔ تو بھی باپ بیٹی کے درمیان تصادم ہوگا۔ ایسا ہوا تو اس کا نتیجہ کیا نکلے گا۔

انہوں نے ڈرتے ڈرتے راحیل احمد سے کہا۔

"وہ راحیلہ کالج کے گروپ کے ساتھ پکنک پر جانا چاہتی ہے۔ خود تو آپ سے اجازت مانگنے سے ڈرتی ہے مجھ سے کہا ہے کہ امی ابو سے میرے لئے اجازت لے دیں۔"

"تو کیا حرج ہے، جانے دو۔"

سعدیہ بیگم نے چونک کر انہیں دیکھا اور اندازہ لگانے لگیں کہ راحیل احمد نے یہ الفاظ طنزیہ کہے ہیں۔

"عظمٰی اور صنوبر بھی جا رہی ہیں۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے کہ......" ابھی سعدیہ بیگم نے اتنا ہی کہا تھا کہ عظمٰی اور صنوبر اتفاق سے کمرے میں داخل ہوئیں۔ راحیل احمد نے فوراً پوچھا "تم لوگ بھی کالج کی پکنک پر جا رہے ہو؟"

"نہیں ابو، آپ سے کس نے کہا۔"

"راحیلہ تو جا رہی ہے۔"

"ابو اس کا سیکشن الگ ہے، ان لوگوں کی کسی ایکٹیوٹی سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے۔ ہمیں تو کئی کئی دن کالج میں راحیلہ سے ملے گزر جاتے ہیں۔"

بعد میں سعدیہ بیگم نے شوہر سے کہا "آپ نے بڑی آسانی سے اسے پکنک پر جانے کی اجازت دے دی۔"

"ہاں سعدیہ بیگم۔ قدرت نے ہمیں تین بیٹیوں سے نوازا ہے۔ ہماری کوئی اولاد نرینہ نہیں ہے، ہمارا انحصار انہی پر ہے۔ میں بھی ایک خوفزدہ باپ ہوں، وقت اور اپنے اردگرد پھیلے ہوئے حالات سے ڈرتا ہوں لیکن میں سوچتا ہوں کہ میری عمر کب تک میرا ساتھ دے گی۔ میں کب تک اپنی جوان بیٹیوں کا محافظ رہ سکتا ہوں ان کے رشتوں کے بارے میں کیا کیا جا سکتا ہے۔ بڑے بڑے معزز، خاندانی اور دولت مند گھرانوں میں لڑکیوں کے انبار لگے ہوئے ہیں

رشتے آسانی سے نہیں ملتے۔ اسی حالت میں ہمیں ان پر اعتماد کرنا پڑے گا۔ انہیں ایک مناسب حد تک خودمختاری دے کر ان کے اندر اعتماد پیدا کرنا ہوگا۔ یقین کرو راحیلہ نے میرے دل میں اپنا بڑا اعتماد قائم کیا ہے۔ پروفیسر ربانی والے معاملے میں۔ اس نے جس قدر بولڈ ہو کر میرے سامنے پروفیسر ربانی کو جوابات دیئے تھے کیا بتاؤں تمہیں۔ میں کیا بتاؤں۔"

❀......❀......❀

راحیلہ پکنک پر چل پڑی۔ خاصا بڑا گروپ تھا۔ ایک بے حد خوبصورت جگہ منتخب کی گئی تھی جہاں ایک قدرتی جھیل بھی تھی اور اس کے آس پاس حسین مناظر بکھرے ہوئے تھے سب یہاں آ کر خوش تھے راحیلہ بھی ان کے درمیان خوب ہنس بول رہی تھی۔ پہلا پروگرام راحیلہ کا انٹرویو تھا۔

"آپ تیار ہیں۔" ایک لڑکے نے پوچھا۔

"آپ کھلے دل سے میرا مذاق اڑائیے۔ میں بُرا نہیں مانوں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔"

"بخدا ہم آپ کا مذاق نہیں اڑانا چاہتے۔"

"سوری......سوال کیجئے۔"

"سلیم اور درانی کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔"

"خدا دونوں کی مغفرت کرے۔" راحیلہ نے جواب دیا۔

"کیا آپ یہ اعتراف کریں گی کہ دونوں کی جان آپ کی وجہ سے گئی۔"

"نہیں۔ دونوں اپنی غلط تربیت، اپنے شیطانی مزاج کا شکار ہوئے۔ سلیم نے مجھ سے بدتمیزی کی، میں نے خود برداشت کیا۔ درانی اپنے طور پر اس سے جا بھڑا تھا۔ اس کے بعد سلیم نے درانی کے ساتھ جو وحشیانہ سلوک کیا وہ کسی طور جائز نہیں تھا۔ یہ آتش مزاجی ہی انسان کو لے ڈوبتی ہے، ہوسکتا ہے آپ میں سے کچھ لوگ مجھے ان واقعات کا ذمہ دار ٹھہرائیں لیکن میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتی۔"

"حقیقت یہ ہے کہ دونوں آپ ہی کی وجہ سے ایک دوسرے کے دشمن بنے اور اس کے

بعد یہ بیچارے ختم ہو گئے اور پھر پروفیسر حاذق ربانی، وہ حادثہ تو اس کالج کی زندگی کا سب سے اندوہناک حادثہ ہے، ایک اتنا لائق انسان، آپ اس کے بارے میں کیا کہتی ہیں؟"

"میں صرف یہ کہوں گی کہ ایک ہزار افراد اس طرح کی احمقانہ کیفیات کا شکار ہو کر مر جائیں تو میرے جوتے کو بھی پروا نہیں ہوگی۔ میرا تو کوئی قصور نہیں ہے۔ میں کون سا کسی سے کہتی ہوں اور پھر پروفیسر کے بارے میں جو کہانی منظر عام پر آئی ہے یا جو واقعہ ان کی ذات سے منسوب ہے وہ تو انتہائی افسوسناک ہے۔ ہمارے اساتذہ ہمارے بزرگ ہوتے ہیں۔ ہم انہیں ماں باپ کی طرح مانتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اگر فاسد خیالات پیدا ہو جائیں تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟"

"کہنا یہ چاہیے کہ آپ نئے دور کی قلوپطرہ ہیں؟"

"ہاں، آپ میں سے جس کا دل چاہے جولیس سیزر بن جائے۔ بھلا میں کیا کر سکتی ہوں اس سلسلے میں۔"

راحیلہ نے ہنس کر کہا۔

"مس راحیلہ، مستقبل میں آپ کیا کریں گی؟"

"شادی۔" راحیلہ نے فوراً جواب دیا اور ہنس پڑی۔

"اپنی پسند سے؟"

"شاید...... یا شاید ایسا نہ ہو، یہ تو وقت کی بات ہے۔"

"ہم آپ کو قلوپطرہ کہہ سکتے ہیں؟"

"ہرگز نہیں، آپ مجھے اولمپیاس کہیں۔"

"اولمپیاس؟"

"سکندر کی ماں کی بات کر رہی ہوں، یونان کا سکندر جس کی ماں کا نام اولمپیاس تھا اور جو مردوں کو مردوں کی شان سے دیکھنا پسند کرتی تھی، بہادر، طاقتور، نڈر، جانباز، جنگجو، ارے ہاں، ذرا دیکھئے، اب تو مردوں نے شکل ہی بدل لی ہے۔ لمبی لمبی زلفیں کانوں میں بالیاں، لچکتی کمریں، آپ نے کبھی مرغیوں کے درمیان مٹرگشت کرتے ہوئے مرغ کو دیکھا ہے۔ کیا شان ہوتی ہے اس کی۔ تنا ہوا سینہ، ایک کمانڈر کی طرح اپنی فوجوں کو لئے پھرتا ہے، کسی کی ہلکی سی آواز

نکلی اور وہ اس کی حفاظت کے لئے سینہ سپر، آپ نے کبھی ناچتے ہوئے مور کو دیکھا ہے، جس پر مورنیاں نثار ہوتی ہیں۔ اصل حقیقت تو اس کی شان ہی ہے۔"

"ارے واہ! تو ہم آپ کو اولمپیاس کہیں؟"

"مذاق میں جو دل چاہے کہہ لیں، میں نے ایک سچائی بیان کی ہے آپ کے سامنے۔ دو صنفیں ہوتی ہیں، صنف نازک اور صنف قوی، دونوں کو الگ الگ ہی نظر آنا چاہئے۔ صنف قوی اگر صنف نازک بننے کی کوشش کرے تو آپ بتایئے کہ ہم اسے اخلاقاً کیا کہیں!"

ایک زبردست قہقہہ پڑا تھا۔ راحیلہ نے پھر کہا "آپ لوگ پکنک پر آئے ہیں میں نے دو افراد کے ہاتھوں میں گٹار بھی دیکھے ہیں۔ ٹیپ ریکارڈر اور کیسٹوں وغیرہ کا بھی معقول انتظام ہے۔ آپ لوگ یہاں گانے گائیں گے، رقص کریں گے، بھئی آپ کی مرضی ہے۔ ہم تو اس میں بھی گزارا کرلیں گے، لیکن اگر کوئی ہم سے پوچھے کہ پکنک کیا چیز ہوتی ہے تو ہم یہی جواب دیں گے کہ مرد کو مرد نظر آنا چاہئے اور لڑکیوں کو لڑکیاں، سمجھے......"

"آپ اس سلسلے میں کیا پسند کریں گی؟"

"ہم لوگ ہر جگہ اپنے آپ کو مردوں کے شانہ بشانہ کہتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ فرق بہت نمایاں ہے مثلاً دو ٹیمیں بنائی جائیں، ایک لڑکیوں کی اور ایک لڑکوں کی، آپ لوگ رسہ کشی کریں میرا تو خیال یہ ہے کہ لڑکے جیتیں گے، پھر پنجہ آزمائی ہوجائے۔"

"کیا لڑکے اور لڑکیوں کے درمیان؟" ایک لڑکے نے سوال کیا۔

"نہیں، یہ غلط ہوگا۔ بہرحال صنف نازک تو صنف نازک ہی ہے، ہاں اگر کوئی تیس مارخانی یا خانم کسی لڑکے سے پنجہ آزمائی کرنا چاہے تو یہ ایک دلچسپ مقابلہ ہوگا۔"

لڑکے اور لڑکیاں ہر بات پر ہرے، ہرے تالیاں اور قہقہے لگا رہے تھے۔

"اس کے علاوہ سو سے لے کر ڈیڑھ سو میٹر تک کی ریس، اس قسم کے مشاغل میرے پسندیدہ ہوتے ہیں، باقی آپ لوگوں کا جو دل چاہے کریں۔"

"ارے نہیں ہم لوگ گٹار نہیں بجائیں گے اور اب یہی سب کچھ کریں گے......"

اور اس کے بعد جو ہنگامہ آرائی ہوئی وہ دیکھنے کے قابل تھی۔ شہد کی انگلی شیطان نے لگائی تھی اور اس کے بعد شیطانیاں شروع ہوگئی تھیں۔ لڑکے لڑکیاں خوب تفریح کر رہے تھے اور

حقیقت یہ تھی کہ لڑکوں نے لڑکیوں کو ہر محاذ پر شکست دی تھی۔ یہاں تک کہ کچھ لڑکیوں نے نازک اندام لڑکوں سے پنجہ آزمائی بھی کی تھی لیکن کامیاب لڑکے ہی رہے تھے۔ راحیلہ ان کے درمیان خوب ہنس رہی تھی۔ خوب بول رہی تھی۔ یہ سارے کام بڑے دلچسپ انداز میں ہو رہے تھے۔ ریس کا مقابلہ ہوا لڑکیوں نے بھی حصہ لیا۔ لڑکوں نے بھی۔ خوب دوڑیں لگیں راحیلہ دلچسپ نگاہوں سے یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ دوڑتے ہوئے ایک لڑکا قلابازی کھا گیا اور اس کے کافی چوٹ لگی، نجانے کیوں راحیلہ کو ایک طمانیت کا احساس ہوا تھا لیکن سب سے سنگین مرحلہ شام کو ساڑھے چار بجے کے قریب پیش آیا۔ جب اچانک راحیلہ نے جھیل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "آہ ذرا اس جھیل کو تو دیکھو۔ کون جوان ہے جو تیراکی کا مقابلہ کرے اور جھیل کے اس سرے سے اس سرے تک تیر کر واپس آئے۔ پانچ لڑکوں نے جو تیراکی جانتے تھے، تیرنے کی پیشکش کردی اور اس کے بعد تمام گروپ جھیل کے کنارے جمع ہوگیا۔ جن لڑکوں کو تیرنا تھا وہ تیاریاں کرنے لگے۔

راحیلہ نے اپنے بالکل قریب کھڑے ہوئے ظفر کو دیکھا ایک دبلا پتلا نازک اندام سا لڑکا جو بہت کم بولنے کا عادی تھا اور کسی قدر شرمیلی فطرت کا مالک تھا۔ راحیلہ اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی "ظفر صاحب، آپ کو تیرنا نہیں آتا؟"

راحیلہ کے لہجے میں ایک عجیب سی مٹھاس تھی۔

ظفر نے اِدھر اُدھر دیکھ کر گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "آتا ہے۔"

"ارے واہ۔ تو پھر آپ کیوں نہیں تیر رہے، میں تو سمجھ رہی تھی کہ آپ ہی اوّل نمبر پر آئیں گے۔"

"وہ بس اصل میں کپڑے اتار کر تیرنا مجھے اچھا نہیں لگتا، شرم آتی ہے۔"

"تو کپڑوں سمیت بھی تیرا جاسکتا ہے، کیا حرج ہے۔ یہ کوئی باقاعدہ کسی کلب کا مقابلہ تو نہیں ہے، آپ اگر جیتیں گے تو آپ یقین کیجئے سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوگی۔"

"تو پھر سمجھ لیجئے کہ میں جیت گیا۔" ظفر نے کہا۔

کسی کو اس گفتگو کا اندازہ نہیں ہوسکا تھا۔ انہوں نے راحیلہ کو ظفر سے بات کرتے ہوئے ضرور دیکھا تھا لیکن یہ نہیں پتہ تھا کہ موضوع کیا ہے۔ لڑکوں کو حیرت اس وقت ہوئی جب جیسے ہی

پانچوں تیراک جھیل میں کودے ظفر نے بھی جوتے اتار کر جھیل میں چھلانگ لگا دی۔ لڑکے لڑکیاں چیخ پڑے۔ ''ارے ارے، یہ، یہ اسے کیا ہوا، ارے یہ کیا ہوا اسے کپڑوں سمیت ہی پانی میں کود گیا۔''

''ظفر کو تو کبھی سوئمنگ پول میں بھی نہاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ یہ تیرنا جانتا ہے؟'' لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ظفر پانی میں گرنے کے بعد الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں مار رہا ہے جبکہ پانچوں تیراک کافی آگے نکل گئے تھے۔ لڑکے شور مچانے لگے۔ ظفر ڈوب رہا تھا وہ بار بار غوطے لگاتا۔ اس کی حالت خراب ہو رہی تھی۔ لڑکوں نے بہت زور زور سے سیٹیاں بجائیں۔ تیرنے والوں کو واپس آنے کے لئے کہا لیکن تیرنے والوں نے یہی سمجھا کہ لڑکے لڑکیاں ان کی تیز سے تیز رفتار کے لئے شور مچا رہے ہیں اور یہ شرارت کا ایک عنصر ہے۔

ادھر ظفر بری طرح ڈبکیاں کھا رہا تھا اور سب حیرت اور افسوس سے اسے دیکھ رہے تھے، کوئی مدد نہیں کی جا سکتی تھی پھر جب تیرنے والے جھیل کے دوسرے کنارے کو چھو کر آئے تو ظفر پانی میں گم ہو چکا تھا۔ لڑکے لڑکیوں نے چیخ چیخ کر ظفر کے بارے میں بتایا اور اس جگہ کی نشاندہی کی جہاں وہ ڈوبا تھا تو پانچوں تیراک لڑکے پانی میں ظفر کو تلاش کرنے لگے اور انہوں نے اسے جھیل کی گہرائیوں سے نکال لیا لیکن اس کا جسم بے جان ہو چکا تھا، شدید افراتفری مچ گئی۔ لڑکوں نے حتی الامکان کوشش کی کہ ظفر میں زندگی کے آثار نمودار ہو جائیں لیکن ظفر جان سے ہاتھ دھو بیٹھا تھا بڑی خوفناک کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بقیہ پکنک ملتوی کر دی گئی اور وہ لوگ ظفر کو لے کر برق رفتاری سے چل پڑے۔

ایک کار میں تیز رفتاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے لڑکے ظفر کو لے کر ہسپتال پہنچے اور وہاں ڈاکٹروں نے اس کی موت کی تصدیق کر دی۔ سب گم صم تھے اور ظفر کی موت پر پریشان، ظفر کے اہل خانہ کو اطلاع دی گئی اور جو المیہ مناظر سامنے آ سکتے تھے وہ آئے۔ ظفر کی دیوانگی پر سب کو حیرت تھی۔ دوسرے دن کالج میں باقاعدہ ظفر کا سوگ منایا گیا۔ خود راحیلہ بھی سوگ منانے والوں میں شامل تھی۔ ظفر کے خاندان والوں سے تعزیتیں کی گئیں۔ اس کی تدفین میں بھی کچھ لڑکوں نے شرکت کی۔ بہرحال ظفر کی موت کے اثرات کئی دن تک کالج پر مسلط رہے۔ پھر اس کے بعد ایک دن ایک لڑکی نے راحیلہ سے کہا ''راحیلہ ایک بات بتاؤ گی۔ یہ میرا ہی نہیں کئی

لڑکوں کا سوال ہے؟''

''ہاں بولو، کیا بات ہے؟''

''جب پانچوں تیراک لڑکے جھیل میں کودنے کے لئے لباس تبدیل کر رہے تھے تو تمہاری اور ظفر کی بات ہو رہی تھی اور اس کے بعد ظفر نے کپڑوں سمیت جھیل میں چھلانگ لگا دی تھی۔''

''ہاں۔''

''کیا بات ہو رہی تھی۔''

''وہ میرے قریب کھڑا ہوا تھا۔ مجھے مخاطب کر کے بولا کہ راحیلہ میں جھیل میں کود جاؤں۔ میں نے کہا کہ تمہیں تیرنا آتا ہے تو بولا کہ نہیں یہی تو نہیں آتا، مجھے تو صرف ڈوبنا آتا ہے۔ میں نے ازراہ مذاق کہا کہ ڈوب جاؤ اور بس وہ دوڑا اور جھیل میں کود گیا۔''

''میرے خدایا، ہم لوگوں کو بھی یہی شبہ تھا کہ کوئی ایسی ویسی بات ہوئی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ احمق شرمیلا لڑکا دل ہی دل میں تم سے محبت کرتا تھا کیا سنگین الفاظ تھے اس کے۔ اس نے تم سے کہا جھیل میں کود جاؤں تم نے کہا کہ کیا تمہیں تیرنا آتا ہے، اس نے کہا یہی تو نہیں آتا مطلب سمجھ رہی ہو، اس کا مطلب یہی تھا کہ وہ تمہاری آنکھوں کی جھیل سے اتر کر تمہارے دل تک نہیں پہنچ سکتا، ہائے بیچارہ مر گیا، جان دے دی تمہارے عشق میں۔''

''اب یہ تو بڑی احمقانہ بات ہے، مذاق بھی نہیں کر سکتی میں کسی سے عجیب عشق ہوتا ہے یہ، ارے بابا جب تیرنا نہیں آتا تو کودنے کی کیا ضرورت تھی۔ خیر اب وہ اس دنیا میں نہیں ہے۔ خدا اس کی مغفرت کرے۔'' بھلا کسی لڑکی سے بات ہو اور ہر جگہ نہ پھیل جائے۔ اس لڑکی نے ظفر اور راحیلہ کے درمیان ہونے والے مکالمے کو سب کے سامنے بیان کیا اور بات سب کے سامنے آ گئی۔

''یعنی اس کے عشق میں گرفتار ہو کر خودکشی کر بیٹھا، یار یہ چوتھا خون ہے اس خونی حسینہ کا۔''

''مگر سچ جانو تو قصور نہیں ہے اس کا، اب لڑکے ایسی حماقتیں کرتے رہیں تو وہ بیچاری کہاں تک انہیں سنبھالے۔ وہ ایک خوش مزاج اور سب سے گھلنے ملنے والی لڑکی ہے۔ اسے کیا

معلوم کہ ظفر صاحب اس سے اظہار عشق فرما رہے ہیں اور اپنے ڈوبنے کی بات کر رہے ہیں، ظاہر ہے شوخیوں اور شرارتوں کے درمیان تو یہی جواب دیا جا سکتا ہے۔''

اس طرح راحیلہ کے حساب میں یہ چوتھا نام بھی لکھا گیا، آگے آگے جانے کیا ہونے والا تھا اور واقعات ہی زندگی کا حصہ ہوتے ہیں، عجیب و غریب مزاج کی یہ لڑکی نجانے کتنے انسانوں کی جان لینے والی تھی۔

البتہ اب ایک تھوڑی سی تبدیلی آئی تھی وہ یہ کہ لڑکے اب اس سے خوفزدہ رہنے لگے تھے۔ وہ اس کے بارے میں باتیں تو کرتے تھے لیکن کچھ اس انداز میں۔

''یار، راحیلہ کو دیکھا؟''

''سینکڑوں بار۔''

''میں آج کی بات کر رہا ہوں۔''

''آج نہیں دیکھا، کوئی خاص بات ہے۔''

''درمیانے گھر کی فرد ہے اس کے والد ملازمت پیشہ ہیں لیکن اس کی ڈریسنگ دیکھتے ہو۔''

''بہت قیمتی لباس تو نہیں ہوتے۔''

''ہاں لیکن ان کا انتخاب۔ اپنے رنگ و روپ کے حساب سے رنگوں کی میچنگ۔ غضب کی ہوتی ہے۔''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے۔''

''لیکن ہوشیار، جان عزیز ہے تو اس سے عشق فرمانے کی کوشش نہ کی جائے۔''

''تم دیکھ لینا۔ ایک دن پتہ چلے گا کہ وہ ''وش کنیا'' ہے۔''

''وش کنیا کیا ہوتا ہے؟''

''ناگن سروپ، اچھا دھاری، جس نے ہزاروں سال کی عمر پانے کے بعد انسان کا روپ دھارن کیا ہے۔''

''او سٹار پلس کے بھانجے، زیادہ ہندی مت جھاڑ، میں تو اسے ایک بدقسمت لڑکی سمجھتا ہوں۔''

''سبحان اللہ، وہ کیوں؟''

''یار بیچاری کا کوئی قصور نہیں ہوتا لیکن الزام اسی پر آ جاتا ہے۔''

اس طرح کی باتیں اکثر ہوتی تھیں کبھی کبھی یہ باتیں راحیلہ کے کانوں تک بھی پہنچ جاتی تھیں۔ لڑکے لڑکیاں محسوس کرتے کہ وہ ان باتوں کا بُرا نہیں مانتی تھی بلکہ یہ باتیں سن کر اس کے چہرے پر ایک تمکنت، ایک غرور سا چھا جاتا تھا۔

✿......✿......✿

راحیل احمد کو فلو ہو گیا۔ تیز بخار میں تپنے لگے۔ اس وقت سعدیہ بیگم ان کا سر دبا رہی تھیں وہ بولے ''سعدیہ..... کبھی کبھی ہم بعض انتہائی ضروری باتوں کو کس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔ اصل میں قصور ہمارا بھی نہیں ہے۔ مصروفیت وقت کہاں دیتی ہے۔ مجھے ایک بات بتاؤ ہماری بچیوں کی عمریں کیا ہوئی ہیں۔''

''ماشاءاللہ جوان ہیں۔''

''ہم ان کی شادی کے بارے میں کیوں نہیں سوچتے۔''

''ایسی بات نہیں ہے۔ میں تو مسلسل سوچتی رہتی ہوں اور کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتی۔''

''کیا مطلب.....؟''

''اختیاری خالہ کو تو آپ جانتے ہیں۔''

''ہاں، پھر.....''

''پتہ ہے نا وہ رشتے کراتی ہیں محلے میں کئی کامیاب رشتے کرا چکی ہیں۔''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''میں نے ان سے بات کی ہے اور اتفاق دیکھئے ابھی دو تین دن پہلے ہی انہوں نے مجھے ایک رشتہ بتایا ہے۔''

''واہ۔ ساری بیماری دور کر دی۔ صرف ایک رشتہ بتایا ہے۔ بھائی یہاں تو اللہ کے فضل

سے تین تین رشتوں کی ضرورت ہے۔"

"اللہ مددگار ہے، آغاز تو ہو۔"

"ہاں کیوں نہیں۔ ویسے بھی سچی بات ہے بچیوں کو میں اس لئے پڑھا رہا ہوں کہ جب تک انہیں کوئی مناسب رشتہ نہ مل جائے مصروف رہیں، گھر میں بیٹھ کر ذہن کند کرنے سے کیا فائدہ۔ اب تم نے بی ایس سی کیا ہے۔ بتاؤ، کیا فائدہ اٹھایا تم نے تعلیم سے۔ میں بچیوں کی تعلیم کے بالکل خلاف نہیں ہوں۔ تعلیم بہر حال ذہن کو جلا دیتی ہے لیکن ہم جانتے ہیں کہ جس حیثیت کے ہم لوگ ہیں، وہاں کی بچیوں کو جو گھر ملتے ہیں وہ بھی ہماری حیثیت کے گھر ہوتے ہیں اور ہماری حیثیت کے گھروں میں بنیادی چیز یہ دیکھی جاتی ہے کہ بچیاں اچھا کھانا پکا لیتی ہیں، اپنے لباس خود سی لیتی ہیں یا نہیں۔ کیا اتنی تعلیم یافتہ ہیں کہ اپنے بچوں کی پرورش کر سکیں، بزرگوں کا احترام کر سکیں، بس یہی بنیادی چیزیں ہوتی ہیں۔"

"اللہ کا فضل ہے میں نے بچیوں کو جہاں تک میری بساط تھی یہ سارے کام سکھائے ہیں، بس سرکشی ہے تو راحیلہ کے اندر...... عجیب مزاج کی لڑکی ہے، اپنے آپ کو بہت بلندی پر دیکھتی ہے۔"

"خدا اسے وہ بلندیاں عطا فرمائے جو اس کی خواہش ہے، تو تم کہہ رہی تھیں کہ اختیاری خالہ نے کوئی رشتہ بتایا ہے۔"

"جو انہوں نے سنایا ہے وہ تو بڑی اچھی باتیں ہیں، نئے محلے میں رہتے ہیں وہ لوگ، کوئی پانچ سال پہلے کسی اور جگہ سے تبدیل ہو کر یہاں آئے ہیں، بیٹا گریجویٹ ہے، انہوں نے یہاں اپنا کاروبار شروع کیا ہے۔ باپ اور دو بھائی مل کر کام کرتے ہیں۔ اپنا مکان ہے۔ چھوٹے بھائی کی عمر ابھی بہت زیادہ نہیں ہے۔ بڑے بھائی کے لئے وہ لوگ رشتہ تلاش کر رہے ہیں کچھ ہم سے ہی میل کھاتا ہے ان کا گھرانہ بھی، اختیاری خالہ کہہ رہی تھیں کہ لڑکوں کے ماں باپ عمرہ کرنے گئے ہیں، واپس آتے ہی ہماری ان سے ملاقات کرائیں گی۔"

"مگر اتنی بڑی بات آپ نے ہضم کئے رکھی مجھے نہیں بتایا۔"

"یہ بات نہیں، میں نے کہا نا اختیاری خالہ نے بھی دو تین دن پہلے ہی مجھے یہ بات بتائی ہے، میں کسی مناسب موقع پر آپ کو بتانا چاہتی تھی۔"

"نہیں بھئی یہ بڑا ضروری ہے، خداوند عالم ہماری مدد کرے اس سے بڑی ذمہ داری اور کیا ہو سکتی ہے، زندگی اور موت کا کیا بھروسہ بچیوں کو گھر مل جائے، ایک محافظت مل جائے تو سمجھ لو کہ بیڑہ پار ہو گیا۔ اللہ نے کوئی بیٹا تو دیا نہیں ہے اور پھر سچی بات ہے، وقت بہت عجیب چل رہا ہے، دس بیٹے ہو جائیں اگر ان کے اندر اپنائیت نہ ہو تو کوئی فائدہ نہیں ہے۔"

"خیر یہ بات تو ہے۔" میاں بیوی یہ باتیں کرتے رہے۔ ایک دو دن میں راحیل احمد صاحب کی طبیعت ٹھیک ہو گئی اور پھر ٹھیک ایک ہفتے کے بعد اختیاری خالہ نے کہا کہ عظیم احمد ان لوگوں سے ملنا چاہتے ہیں۔ انہیں ملاقات کی اجازت دی جائے۔

راحیل احمد صاحب نے سنا تو کہنے لگے۔

"پرسوں اتوار ہے، ان لوگوں کو کھانے پر بلا لیتے ہیں۔"

"ارے نہیں اتنا جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے، بیٹیوں کے ہزار رشتے آتے ہیں اگر ضرورت سے زیادہ لگاوٹ کا مظاہرہ کریں گے آپ تو وقت بہت بُرا ہے لوگ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں گے کہ انہیں کوئی رشتہ وغیرہ نہیں مل رہا اسی لئے خوشامد میں لگے ہوئے ہیں۔ ذرا احتیاط رہیں دیکھیں کس طرح کے لوگ ہیں چائے پانی کر دیں کچھ اور چیزیں منگا لیں گے۔"

"ٹھیک ہے بھئی، یہ پورا مسئلہ آپ ہی لوگوں کا ہے، ہم کیا جانیں۔"

"تو پھر میں کہہ دوں اتوار کے لئے۔"

"ہاں ضرور کہہ دیجئے۔" سعدیہ بیگم نے اختیاری خالہ سے کہا اور انہوں نے گردن ہلا دی۔

اتوار کو ایک پروگرام تھا جس میں صبح دس بجے راحیلہ کو کالج جانا تھا، تین چار بجے تک واپسی تھی، بہرحال وہ تو گھر میں نہیں تھی لیکن عظمیٰ اور صنوبر کو اس بات کا علم ہو گیا تھا کہ کوئی رشتہ آ رہا ہے اور لڑکے والے دیکھنے آ رہے ہیں۔

سعدیہ بیگم نے بھی عظمیٰ اور صنوبر کے لئے لباس کا انتخاب کر لیا تھا یہ ایسے لباس تھے جن کے رنگ ان لڑکیوں سے ہم آہنگ تھے، ویسے بھی عظمیٰ اور صنوبر اچھی شکل و صورت کی مالک تھیں۔ راحیلہ کے بارے میں تو ابتداء ہی میں بتا دیا گیا ہے کہ لوگ اسے اس گھر کا فرد نہیں سمجھتے تھے لیکن عظمیٰ اور صنوبر سادگی کا پیکر تھیں اور جس طرح سعدیہ بیگم نے انہیں تیار کیا تھا اس میں بھی

بڑی پرکاری تھی اور وہ بہت اچھی نظر آ رہی تھیں۔ بہرحال عظیم احمد ان کی اہلیہ صوفیہ بیگم اور دونوں بیٹے شمیل اور شرجیل ساتھ آئے تھے شمیل، شرجیل سے خاصا چھوٹا تھا، لیکن اچھے قد و قامت کا مالک، دونوں بھائیوں میں بڑی اچھی ہم آہنگی محسوس ہوتی تھی، شمیل کی آنکھوں میں شرارت تھی، یہ لوگ راحیل احمد کو کافی پسند آئے تھے۔

انہوں نے کہا "بات یہ ہے عظیم احمد کہ میں بہت زیادہ بناوٹ کا قائل نہیں ہوں۔ اختیاری خالہ آپ کے بارے میں بتا چکی ہیں۔ بات اتنی ہے جناب کہ آپ ہمیں دیکھ لیں ہم آپ کو، آپ ہمارے بارے میں معلومات حاصل کرلیں جس طرح بھی چاہیں۔ ہم آپ کے بارے میں معلومات حاصل کئے لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سے بھی پہلی بات یہ ہے کہ میری بچیوں میں سے آپ کو کوئی بچی پسند آجائے تب پھر ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کی جائیں۔"

"مجھے بھی اتفاق سے آپ جیسے صاف ستھری باتیں کرنے والے پسند ہیں۔ بات گھما پھرا کر کرنے سے کیا فائدہ۔ ظاہر ہے ہماری ملاقات اسی سلسلے میں ہوئی ہے، جہاں تک ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا تعلق ہے تو ہماری طرف سے آپ کو کھلی دعوت ہے۔ ایک ایک بات آپ کو تحریری طور پر لکھ دی جائے گی، آپ اس کی تصدیق کرلیں۔ اگر ہم اس قابل ہوں تو ہم پر توجہ دیجئے ورنہ سلام دعا ہمیشہ رہے گی۔"

"واہ اچھا لگا مزا آیا۔"

"بچیوں کو دیکھ سکتے ہیں ہم لوگ؟"

"وہ کیا، ان بچوں کی موجودگی میں؟" راحیل احمد نے کسی قدر ہچکچاتے ہوئے کہا۔

عظیم احمد کہنے لگے "سچ بتاؤں راحیل صاحب، بہت نفیس اور صاف گو انسان ہیں آپ، آپ کی اس چیز کی میں دل سے قدر کرتا ہوں، ایک چھوٹی سی بات عرض کرنا چاہتا ہوں۔ صرف ایک بار یہ رونمائی ہوگی اور اس کے بعد ہم تمام تر شرافت کے اقدامات کو مدنگاہ رکھیں گے۔ اصل میں زندگی تو ان لوگوں کو گزارنی ہے صرف ایک نگاہ عزت و احترام کے ساتھ ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ہے میرے خیال میں۔"

"ٹھیک ہے، بچیوں کو تو آپ کے سامنے آنا ہی تھا، لیکن اس تھوڑی سی ترمیم میں کوئی

حرج نہیں ہے۔"

شمیل نے شرجیل کو کہنی ماری تھی اور شرجیل نے سرد نگاہوں سے اسے دیکھا تھا۔ شمیل فوراً سنبھل گیا تھا۔ بہرحال سعدیہ بیگم اندر چلی گئیں۔ دونوں بچیاں تیار تھیں۔ انہیں ساتھ لئے ہوئے واپس آگئیں۔ مشروبات اور کھانے پینے کی کچھ اشیاء اس ملاقات سے پہلے ہی سامنے لاکر رکھ دی گئی تھیں۔ وہ روایتی انداز اختیار نہیں کیا گیا تھا جو اب سو فیصد مصنوعی محسوس ہوتا ہے۔ یعنی لڑکیاں ہاتھوں میں چیزیں سنبھالے ہوئے اندر آئیں ایک احمقانہ سی بات لگتی ہے ساری کی ساری عظمٰی اور صنوبر نے سادگی سے سلام کیا اور ماں کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ دونوں کی آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

سعدیہ بیگم نے کہا "یہ بڑی بیٹی عظمٰی ہے اور یہ صنوبر، تیسری کا نام راحیلہ ہے، کالج میں ایک تقریب تھی اس میں گئی ہوئی ہے، میرا خیال ہے آتی ہی ہوگی، چار بجے کے لئے کہہ گئی تھی، اب ساڑھے چار بج رہے ہیں، تھوڑی سی دیر ہوگئی۔"

صوفیہ بیگم محبت بھری نگاہوں سے دونوں بیٹیوں کو دیکھ رہی تھیں، لڑکیاں انہیں اچھی لگی تھیں۔ شرجیل بھی شرارت بھری نگاہوں سے انہیں دیکھ رہا تھا لیکن عظمٰی اور صنوبر سنجیدگی سے آنکھیں جھکائے بیٹھی ہوئی تھیں۔

"بڑی خوشی ہوئی آپ کی بچیوں سے مل کر، اپنے بیٹوں کا تعارف تو میں کرا ہی چکی ہوں۔"

صوفیہ بیگم نے بلاوجہ کہا، مقصد یہ تھا کہ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکیوں کو بھی یہ اندازہ ہو جائے کہ کون سا شمیل ہے اور کون سا شرجیل، لیکن عظمٰی اور صنوبر نے نگاہیں اٹھا کر ان دونوں میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

"بہرحال ایک شریف اور عزت دار گھرانے کے لوگوں سے ملاقات کرکے دلی خوشی ہوئی ہے۔" اسی وقت دروازے پر ہلکی سی آہٹ ہوئی اور اس کے بعد جیسے کمرے میں روشنی پھیل گئی۔

گہرے سبز رنگ کے بہت ہی خوبصورت لباس میں ملبوس، کسے ہوئے بدن کی مالک، پھولوں کی سی شکل والی راحیلہ مسکراتی کھلکھلاتی ہوئی اندر داخل ہوئی اور مہمانوں کو دیکھ کر ایک دم

چونک گئی، اس نے عجیب نگاہوں سے شمیل اور شرجیل پھر عظیم احمد اور صوفیہ کو دیکھا۔ دوسری طرف ان سب کے چہرے ہونق ہو گئے تھے۔ یہ کون ہے، اگر حوروں کا تصور آسمان سے زمین کی طرف ہوتا ہے تو یہ ارضی حور دروازے سے اندر داخل ہوئی تھی، شمیل اور شرجیل تو دنگ رہ گئے تھے، کچھ لمحے حیرتوں کا دور رہا۔

پھر سعدیہ بیگم نے کہا ''آؤ راحیلہ تمہیں دیر نہیں ہو گئی۔''

''امی آپ لوگوں نے فون ہی نہیں اٹھایا میں پبلک کال بوتھ سے فون کر رہی تھی آپ کو اور بتانا چاہ رہی تھی کہ تھوڑی سی دیر ہو جائے گی۔''

''ارے ہاں میں بتانا ہی بھول گئی کہ فون خراب ہو گیا ہے۔''

''تبھی تو۔'' اس نے ایک بار پھر ان لوگوں کی طرف دیکھا۔

سعدیہ بیگم بولیں۔ ''یہ میری تیسری بیٹی ہے راحیلہ جس کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا۔''

''آؤ بیٹے، بیٹھو ہمارے پاس۔ سعدیہ بیگم یہ بچی آپ کی دونوں بچیوں سے بالکل مختلف ہے۔''

''ہاں بس صورتیں تو اللہ کی بنائی ہوتی ہیں، جو بھی اللہ تعالیٰ نے بنا دیا۔''

''آپ لوگ، امی آپ نے میرا ان سے تعارف نہیں کرایا۔''

''یہ عظیم احمد صاحب ہیں اور ان کی بیوی صوفیہ بیگم، یہ دونوں ان کے بیٹے شمیل اور شرجیل ہیں۔''

''ہیلو۔''

''بیٹے، آپ نے ہمیں اپنے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔'' صوفیہ بیگم کی نگاہیں اچانک تبدیل ہو گئی تھیں۔

''امی نے میرے سامنے آپ کو بتایا ہے کہ میں راحیلہ ان لوگوں کی تیسری بہن ہوں۔''

''ہاں، یہ تو بتایا ہے لیکن یہ نہیں پتہ کہ آپ کیا کرتی ہیں؟ کیا پڑھتی ہیں؟ کیا مشاغل ہیں آپ کے؟'' صوفیہ بیگم نے کہا۔

''کیا پڑھتی ہوں یہ آپ امی ابو سے پوچھ لیں، ہاں اس وقت میرا مشغلہ یہ ہوگا کہ میں جا کر لباس تبدیل کروں، تھکی ہوئی ہوں اس لئے خدا حافظ۔''

راحیلہ ان لوگوں کے پاس بیٹھنے کے بجائے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ پھر دروازے میں رُک کر کہنے لگی۔

''امی میں اس وقت چائے نہیں پیوں گی کالج میں پی کر آئی ہوں۔ تھوڑی دیر سونا چاہتی ہوں مجھے ڈسٹرب نہ کیا جائے۔''

بڑا سخت اور سرکش رویّہ تھا۔ ہر ایک نے محسوس کیا تھا۔ پھر بھی صوفیہ بیگم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''چھوٹی ہے نا۔ سب کی لاڈلی ہوگی۔ یہ عمریں شوخیوں کی ہوتی ہیں۔''

''جی ہاں۔'' سعدیہ بیگم نے بادل نخواستہ کہا تھا۔

❁......❁......❁

شرجیل نے شمیل سے کہا ''یار شمیل، مجھے اس لڑکی سے عشق ہو گیا جس دن سے ان لوگوں سے مل کر آیا ہوں خواب ہی خواب دیکھ رہا ہوں ہر خواب میں وہی ہوتی ہے۔''

''کون سی عظمیٰ یا صنوبر......'' شمیل نے پوچھا۔

''نہیں۔ راحیلہ۔''

''بھائی جان، خدا کا واسطہ۔''

''ایں۔ کیا ہوا۔''

''وہ میرا حصہ ہے، آخر میری باری بھی آنی ہے آپ کے بعد۔ میں نے تو اپنے دل میں اس کا پورٹریٹ بھی بنا لیا ہے۔ اس کے لئے بہت سے لباسوں کے کلر بھی منتخب کر لئے ہیں۔''

''شمیل خدا کی قسم، میں تجھ سے سچ کہہ رہا ہوں مجھے وہی پسند آئی ہے۔''

''میرا کیا ہوگا گوریا۔'' شمیل نے رندھی ہوئی آواز میں کہا پھر بولا ''ایک بات پر سمجھوتہ ہو سکتا ہے۔''

''کون سی بات۔''

''آپ وہ بگ بین مجھے دے دیں جو ماموں جان نے لندن سے آپ کے لئے

بھجوائی تھی۔''

''دی''، شرجیل نے کہا۔

''تب پھر میں نے اپنے خوابوں کی انجمن آپ کو دی۔ اپنا حسین مستقبل آپ کو سونپا۔'' شمیل نے مصنوعی غم آلود لہجے میں کہا۔

''اب بتاؤ کیا کریں۔''

''میرے خیال میں شادی کر لیں۔''

''یار پلیز، سنجیدہ ہو جاؤ۔''

''مرحلے وار ہر کام ہوگا۔'' شمیل نے کہا۔

''میں پہلے امی اور ابو سے کہوں گا کہ بھائی جان ایک معمولی سی گھڑی کے عوض میرے ارمانوں کے محل کو تاج محل یعنی محبت کی سیج کو محبت کا مقبرہ بنانے پر تلے ہوئے ہیں۔ چلیں محبوبہ نہ سہی گھڑی سہی، آپ ان لوگوں سے کہہ دیں کہ آپ کو راحیلہ پسند ہے۔''

''میں کہہ دوں۔'' شرجیل نے چہک کر کہا۔

''اونہہ...... میں امی ابو کی بات کر رہا ہوں۔

پھر ان لوگوں کی رائے معلوم کر لی جائے۔''

''تو پھر امی ابو سے بات کرو۔''

''بے وقوف سمجھا ہے کیا۔''

''کیوں......؟''

''پہلے گھڑی عنایت فرما دیں۔''

''وہ میں تمہیں ابھی دیئے دیتا ہوں۔''

شمیل نے امی سے کہا ''امی۔ وہ بھائی جان کو راحیلہ پسند ہے۔'' جواب میں امی مسکرا دیں۔

''وہ کسے پسند نہیں ہے۔ ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے تھے۔ اختیاری بی بی سے بات کرتی ہوں خدا کرے وہ لوگ مان جائیں لڑکی واقعی چاند کا ٹکڑا ہے۔''

''امی۔ چاند جب ٹکڑے ٹکڑے ہوا ہے تو اس کے اور بھی بہت سے ٹکڑے ہوں گے ایک آدھ میرے لئے بھی'' او...... یو...... یو...... یو...... آ...... آہا''

شمیل نے بات کا رخ شرارت کی طرف موڑ دیا۔ صوفیہ بیگم نے مسکراتی نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولیں ''سات سال کا فرق ہے تجھ میں اور شرجیل میں، سات سال کے بعد بات کرنا، لو اچھی بات ہے، سوت نہ کپاس، کولیوں سے لٹھم لٹھا، ابھی کچھ بنو تو سہی۔''

''دولہا تو آسانی سے بن سکتا ہوں، آپ بنا کر دیکھ لیجئے۔'' شمیل نے مدھم لہجے میں کہا اور ماں کے پاس سے ہٹ گیا۔

صوفیہ بیگم مسکراتی رہی تھیں۔ حقیقت یہی تھی کہ جب تک عظمیٰ اور صنوبر سامنے آئی تھیں انہیں کوئی اعتراض نہیں تھا کیونکہ دونوں بہنوں کے نقوش بے شک الگ الگ تھے لیکن ان کی دلکشی یکساں تھی۔ ہاں راحیلہ کے نزول نے ایک دم سے افراتفری پیدا کر دی تھی اور پھر چراغوں میں روشنی نہیں رہی تھی۔

حالانکہ راحیلہ نے کسی قدر بدمزاجی کا مظاہرہ کیا تھا۔ ان کی فرمائش پر وہ ان کے پاس نہیں بیٹھی تھی بلکہ نہایت بیہودگی سے اس نے اپنی تھکن اور ڈسٹرب نہ کرنے کا حکم دے کر وہاں سے راہ فرار اختیار کر لی تھی لیکن پھر بھی اس کے بے مثال حُسن نے صوفیہ بیگم اور عظیم احمد کو بہت متاثر کیا تھا۔

اختیاری خالہ سے ملاقات ہوئی تو صوفیہ بیگم نے کہا ''اے اختیاری خالہ! ایک کام کرا دو میرا، تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔''

''ہاں ہاں، کہو صوفیہ بہن۔''

''وہ ہم راحیل احمد کے ہاں گئے تھے۔ ان کی بچیوں کو دیکھا ہم نے۔ ماشاءاللہ سب کی سب پیاری ہیں مگر مجھے اور عظیم احمد کو چھوٹی سب سے زیادہ پسند آئی ہے۔ کیا نام ہے اس کا راحیلہ۔ تم کوشش کر کے انہیں اس بات پر آمادہ کر لو کہ وہ چھوٹی کا رشتہ میرے بیٹے کے ساتھ کر دیں۔''

''کرتی ہوں بات کرتی ہوں۔'' اختیاری خالہ نے کہا اور پھر انہوں نے بڑی مہارت کے ساتھ سعدیہ بیگم سے کہا ''سعدیہ بیگم بڑے ہی اچھے لوگ ہیں، تم یقین کرو پیسے کی برسات

ہے ان کے ہاں۔ بہت اچھا کمار ہے ہیں اپنا کاروبار ہے، ایک ذراسی ہچ آ گئی ہے بیچ میں۔"

"خیر تو ہے کیا ہوا؟"

"وہ اصل میں سب کو راحیلہ پسند آئی ہے۔"

سعدیہ بیگم نے بڑی تشویش سے کہا۔ "مگر بڑی دو بیٹھی رہیں گی، چھوٹی کا رشتہ کیسے کردوں میں۔"

"دیکھو سعدیہ بیگم، میں تمہیں ایک بات بتادوں یہ وہ دور نہیں رہا ہے کہ ایسی باتیں سوچی جائیں اور پھر کتنا بہت بڑا فرق ہے تینوں کی عمروں میں سال دو سال کی چھوٹائی بڑائی ہوگی، جو رشتہ مل رہا ہے اور اچھا مل رہا ہے اسے کردینا چاہئے۔"

"میں مشورہ کروں گی راحیل سے۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔

"مشورہ کرلو، کب بتاؤ گی؟"

"دو تین دن میں، اتوار کو ذرا آرام سے بات چیت ہوگی۔"

سعدیہ بیگم نے راحیل احمد کو اسی رات پوری تفصیل بتائی۔

"اختیاری خالہ آئی تھیں کہہ رہی تھیں ان لوگوں کو راحیلہ بہت پسند آئی ہے۔"

"اوہ۔ مجھے اسی وقت خطرہ محسوس ہوا تھا، جب اچانک راحیلہ اندر داخل ہوگئی تھی اور صوفیہ بیگم کا انداز ایک دم بدل گیا تھا، وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا، سعدیہ بیگم میں چاہتا تھا کہ ترتیب سے تینوں بیٹیوں کی شادی کروں، پہلے عظمٰی، پھر صنوبر اور سب سے آخر میں راحیلہ، بڑی مشکل ہوگئی۔ اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں بھی ان لوگوں کے بارے میں معلومات کراتا رہا ہوں۔ مجھے جو رپورٹ ملی ہے وہ یہ ہے کہ عظیم احمد ایک خاندانی آدمی ہیں، نیک نام۔ پڑوس میں اور نہ رشتے ناتے داروں میں ان کے خلاف بات ملتی ہے۔ بیٹوں کے بارے میں بھی یہی پتہ چلا ہے کہ بڑے خوش مزاج، ملنسار اور ہر طرح کے عیب سے پاک ہیں۔ ایسے گھروں میں تو رشتے کے لئے انسان ترستے ہیں۔ میں اسے خوش قسمتی اور اللہ کا انعام ہی سمجھتا ہوں کہ ان کے گھر سے ہمارے ہاں رشتہ آیا۔ مگر یہ بڑی گڑ بڑ ہوگئی۔ بھئی میں تو بڑا پریشان ہوگیا ہوں۔ اب اگر ہم راحیلہ کے لئے رشتہ منظور کرلیتے ہیں تو دنیا کیا سوچے گی، یہی کہ بڑی دو بیٹھی رہ گئیں۔"

"اللہ نہ کرے وہ بیٹھی رہیں، ان کو بھی اللہ تعالیٰ ان کی تقدیر کے مطابق رشتہ بھیج دے گا۔"

"گویا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ راحیلہ کے لئے ان کا رشتہ منظور کرلیا جائے۔"

"بس یہی سوچتی ہوں اور آپ نے بھی اس بات کی تصدیق کردی ہے کہ گھرانہ بہت اچھا ہے سارے لوگ بہت اچھے ہیں۔"

"میں خود بھی اسی فکر میں مبتلا ہوں اللہ تعالیٰ چلتے ہاتھ پاؤں بچیوں کو رخصت کردے تو سمجھ لو کہ سب کچھ عطا کردیا اس نے۔ بڑا بوجھ ہوتا ہے بچیوں کا ماں باپ کے شانوں پر۔"

"بتایئے پھر اختیاری خالہ سے کیا کہوں؟"

"ایک بار پھر ان لوگوں کو تکلیف دی جائے، بات کرلیتے ہیں، کوشش تو یہی کریں گے کہ عظمٰی کی بات کریں۔"

"کھانے پر بلالیتے ہیں کسی دن۔"

"بلالیں، میں اس گھرانے کو ہاتھ سے نہیں نکالنا چاہتا۔"

"ایک خوف ہے۔"

"کیا؟"

"راحیلہ جس مزاج کی مالک ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے؟"

"ہاں یہ تشویش میرے دل میں بھی ہے آپ ایسا کریں نا کہ اسے ٹٹول کر دیکھیں۔"

"بابا مجھے ڈر لگتا ہے۔"

"یار چھوڑو ان باتوں کو، ڈر لگتا ہے، اولاد ہے وہ ہماری چاہو تو اس سے تذکرہ کر کے دیکھ لو۔"

"میرا خیال ہے پہلے ان لوگوں کو بلالیں اس کے بعد بات کریں گے۔"

اختیاری خالہ سے بات کی گئی، انہوں نے عظیم احمد کے گھرانے میں بات کی اور طے یہ ہوا کہ اگلے اتوار کو عظیم احمد ایک بار پھر راحیل احمد کے گھر جائیں گے۔ اس سلسلے میں ابھی تک راحیلہ کو کوئی بات معلوم نہیں ہوئی تھی۔ ویسے بھی وہ گھر کے معاملات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتی تھی اس نے آج تک نہیں پوچھا تھا کہ وہ لوگ کس مقصد کے لئے آئے تھے، وہ اپنی دلچسپیوں میں مصروف تھی۔

اس کے اندر ایک سفاک ناگن طاقت پکڑتی جارہی تھی۔ ادھر کالج میں اکثر اس کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں۔ لڑکے اور لڑکیوں کا خیال تھا کہ وہ ایک عجیب وغریب شخصیت ہے، کسی بھی طرح ان لوگوں سے الگ نہیں ہے وہ لیکن اس کی فطرت اس کی ذات میں ایک درندگی ہے، جس کا اظہار وہ اپنی زبان سے بھی کرچکی ہے۔ یہ بات اپنی جگہ تھی لیکن ظفر کی موت رنگ لائی۔ ہر طرح کے لڑکے لڑکیاں ہوتی ہیں۔ یہ بات تو پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی کہ راحیلہ نے ظفر کو جھیل میں کودنے پر آمادہ کیا تھا۔ یہ بات جب جواں سال ظفر کے والدین کو معلوم ہوئی تو وہ بپھر گئے جس نے یہ بات انہیں بتائی تھی اس نے یہ بھی کہہ دیا تھا کہ اس کا نام کسی طور سامنے نہ آنے پائے۔

بہرحال ماں باپ بری طرح غمزدہ تھے۔ ظفر کے والد کو جب یہ پوری تفصیل معلوم ہوئی تو وہ غصے سے دیوانے ہوگئے اور سیدھے کالج کے پرنسپل کے پاس جا پہنچے۔

’’میرا نام مظفر احمد ہے۔‘‘

’’جی مظفر صاحب، میں آپ کو جانتا ہوں مرحوم ظفر کی تدفین کے وقت آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔‘‘

’’میں اپنے بیٹے کی موت کی تحقیق کررہا ہوں۔ آپ لوگوں نے تو اسے ایک عام حادثہ قرار دے کر بات ختم کردی لیکن میری زندگی بھر کی کمائی لٹ گئی ہے۔ میرے گھر کے چراغ بجھ گئے ہیں۔ میرا سینہ غم سے سلگتا رہتا ہے۔ میں اس بات کو ایک معمولی سا حادثہ کیسے سمجھ سکتا ہوں۔ اب مجھے معلوم ہوا ہے کہ ظفر کو باقاعدہ جھیل میں کودنے کے لئے اکسایا گیا تھا اور اس سلسلے میں ایک لڑکی راحیلہ کا نام لیا جارہا ہے۔ میں اس کے بارے میں جاننا چاہتا ہوں اسے میرے بیٹے سے کیا دشمنی تھی۔ آپ سب لوگ اس حادثے کے ذمے دار ہیں۔‘‘

’’مظفر صاحب، بے شک میں ہی نہیں ہمارا پورا کالج ظفر جیسے ہونہار اور نوجوان لڑکے کی موت پر سوگوار ہے لیکن براہ کرم کچھ باتوں پر غور کرلیجئے۔ پہلی بات تو یہ کہ یہ پکنک کالج کی طرف سے منعقد نہیں کی گئی تھی۔ اس میں کالج سٹاف کا ایک بھی فرد شامل نہیں تھا، وہ ان کا ذاتی معاملہ تھا، نوجوان لڑکے لڑکیاں ہیں، کوئی چھوٹے بچوں کا گروپ نہیں تھا۔ وہاں جو کچھ ہوا ہمیں اس کے بارے میں کوئی تفصیل نہیں معلوم اور نہ ہی کوئی تفتیش ہم لوگوں نے کی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ

تھی کہ پکنک ہمارے ایما پر نہیں منائی گئی تھی۔ یہ لڑکے لڑکیوں کا آپس کا معاملہ تھا۔ خیر یہ ساری باتیں اپنی جگہ، میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ آپ کا جو دل چاہے کریں ہم اس سلسلے میں کچھ نہیں کرسکتے کیونکہ ہم اس معاملے میں بالکل ملوث نہیں ہیں۔‘‘

’’آپ نے یہ بات بڑے آرام سے کہہ دی کہ آپ بالکل ملوث نہیں ہیں، میں کیا کروں یہ بتایئے؟‘‘

’’میں نے عرض کیا نا کہ آپ کے دکھ اور غم میں ہم برابر کے شریک ہیں۔ باقی جو کچھ کرنا ہے آپ ہی کو کرنا ہوگا، نہ ہم اس بارے میں کوئی مشورہ دے سکتے ہیں اور نہ ہی......‘‘

’’اس لڑکی کو بلایئے آپ......‘‘

’’یہ کالج ہے جناب، آپ کے کہنے سے، ہم کوئی عمل نہیں کرسکتے، آپ شدت جوش و جذبات میں کوئی سخت قدم بھی اٹھا سکتے ہیں۔ یہ سخت قدم بے شک کالج سے باہر آپ کسی بھی طرح اٹھایئے ہم اس میں شرکت نہیں کرسکتے۔ ہاں آپ ہمارے آفس سے اس لڑکی کے گھر کا پتہ لے سکتے ہیں، بس میں اتنا ہی کرسکتا ہوں آپ کے لئے۔‘‘

’’ٹھیک ہے، پتہ دلوایئے مجھے۔‘‘ مظفر احمد صاحب نے کہا۔

’’ایک منٹ۔‘‘ پرنسپل نے اردلی کو بلایا اور کہا۔ ’’ان صاحب کو آفس لے جاؤ۔ منصور سے کہو کہ انہیں راحیلہ کے گھر کا پتہ دے دے۔‘‘

پرنسپل کی بہرحال ایک پروقار شخصیت تھی اپنی کائنات کا بادشاہ۔ مظفر احمد نے جو طریقہ اختیار کیا تھا اور جو روّیہ اختیار کیا تھا اس کے نتیجے میں پرنسپل نے انہیں زیادہ اہمیت نہیں دی اور ایک اردلی کے ساتھ آفس بھیج دیا تاہم وہ تشویش کا شکار ضرور ہوگئے تھے۔ انہوں نے اپنے ماتحت عملے کو طلب کرلیا اور اس سے معلوم کرنے لگے۔ عملے کی زبانی انہیں ماضی کے کچھ واقعات معلوم ہوئے۔ یہ واقعات پہلے بھی ان کے علم میں تھے مگر انہوں نے انہیں اس نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے اپنے ایک خاص آدمی سے کہا ’’کیا واقعی، راحیلہ کی فطرت میں ایسی کوئی بات ہے؟‘‘

’’میں نہیں سمجھتا جناب، وہ ایک خوبصورت اور نوجوان لڑکی ہے، آپ کو علم ہے کہ آج کل کے دل پھینک لڑکے ضرورت سے زیادہ آگے بڑھ جانے کے عادی ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے

زندگی کی بازی لگا کر کیا کیا حرکتیں کرتے ہیں وہ اور خوفناک نتائج اٹھاتے ہیں۔ موٹر سائیکل کے
ایک پہیے پر سفر کرنا ان کی عادت بن چکا ہے۔ کتنی جانیں ضائع ہوتی ہیں۔ ہر وہ کوشش جس میں
زندگی کا خطرہ لاحق ہو ان کے لئے بے معنی ہوتی ہے اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جیسا
آپ نے مظفر صاحب کے بارے میں فرمایا تو ان سے کہئے کہ ایسے دو چار گواہ تلاش کر لیں جو یہ
بتائیں کہ راحیلہ کے کہنے پر ظفر نے جھیل میں چھلانگ لگائی تھی۔''

''ارے بھائی، اگر راحیلہ مجھ سے کہے کہ میں کالج کی اوپر کی منزل پر جا کر چھلانگ لگا
دوں تو کیا میری اپنی کوئی عقل نہیں ہے، راحیلہ نے اسے دھکا تو نہیں دیا تھا۔ کسی خوبصورت لڑکی
کے منہ سے کسی بات کا نکل جانا اس امر کا مظہر تو نہیں ہوتا کہ اس پر فوری عمل کر ڈالا جائے۔ ٹھیک
ہے یہ ساری باتیں اپنی جگہ ہیں، پھر بھی راحیلہ کو وارننگ دینی ہوگی، اس پر نگاہ رکھنی ہوگی۔''

مظفر احمد اسی رات راحیل احمد کے گھر جا پہنچے۔ کچھ اجنبی مہمانوں کے آنے کی اطلاع ملی
تو انہوں نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور پھر اندر آ گئے۔ مظفر احمد کا رویہ زیادہ بہتر نہیں تھا دو
اور لڑکے ان کے ساتھ تھے۔

''آپ راحیلہ کے والد ہیں؟''

''جی ہاں خیریت۔'' راحیل احمد حیرانی سے بولے۔

''کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ آپ کی بیٹی مصر کی قلوپطرہ بنی ہوئی ہے، نوجوانوں کی
زندگی سے کھیلنا اس کا بہترین مشغلہ ہے۔''

''کیا بکواس کر رہے ہیں آپ۔ میرے گھر پر آ کر آپ یہ فضول باتیں مجھ سے کر رہے
ہیں۔ کیا سمجھ رہے ہیں آپ۔ میں کوئی لاوارث یا بے وسیلہ انسان ہوں۔ کیا میں پولیس کو آپ
کی آمد کی اطلاع کروں۔''

''بیٹھئے بیٹھئے، زیادہ آتش پا ہونے کی کوشش نہ کریں۔ میں اس بیٹے کا باپ ہوں جو آپ
کی بیٹی کے حکم پر جھیل میں ڈوب کر مر گیا ہے۔''

''اگر یہ بات ہے تو مجھے افسوس ہے۔ میرے علم میں نہیں تھا کہ آپ کسی ایسے بیٹے کے
باپ ہیں، انسان بن کر مجھے تفصیل بتائیے۔ آپ نے تو آتے ہی بدتمیزی شروع کر دی۔ میرے

علم میں کچھ بھی نہیں ہے۔''

''جی ہاں آپ کے علم میں کیوں ہوگا؟''

''دیکھئے، میں آپ سے درخواست کر رہا ہوں، اگر آپ کوئی شریف آدمی ہیں تو شرافت
سے بات کیجئے۔''

''اور آپ جو بدتمیزی کئے جا رہے ہیں۔'' دونوں لڑکوں میں سے ایک نے کہا۔

''نوجوانو! ہوسکتا ہے ہمارے درمیان بات شرافت سے ہی طے ہو جائے ورنہ تم یہ سمجھ لو
کہ میرے بھی وسائل محدود نہیں ہیں، میں تمہیں ہتھکڑیاں لگا کر یہاں سے بھیج سکتا ہوں۔''

''ارے چھوڑیئے، مر گئے ہتھکڑیاں لگانے والے۔'' دوسرے نوجوان نے کہا۔

''رُک جاؤ! جاؤ بات کرنے دو۔'' مظفر صاحب نے کہا پھر بولے ''دیکھئے جناب!
کیا آپ کو اس بات کا علم ہے کہ کالج کے لڑکے لڑکیاں پکنک پر گئے تھے ان میں آپ کی بیٹی
بھی تھی۔''

''جی ہاں علم ہے اور یہ بھی علم ہوا ہے مجھے کہ اس پکنک میں ایک بچے کی ہلاکت
ہوگئی تھی۔ میں آپ سے اظہار تعزیت کرتا ہوں لیکن آپ میری بیٹی پر یہ الزام کیوں لگانا
چاہتے ہیں۔''

جواب میں راحیل احمد کو پوری تفصیل بتائی گئی تو راحیل احمد نے گردن ہلاتے ہوئے کہا
''آپ ایسا کیجئے مقدمہ کر دیجئے ہم پر اور گواہ لے آیئے دو چار، کسی کی بچی پر الزام لگانا اتنا
آسان نہیں ہوتا مظفر صاحب۔ میری بچی نے آپ کے بیٹے کو دھکا تو نہیں دیا تھا، فرض کیجئے اگر
اس نے کسی دوست کی حیثیت سے یہ پوچھ بھی لیا ہو بلکہ ایک منٹ رُک جایئے، میں راحیلہ کو
بلاتا ہوں۔'' راحیل احمد نے کہا اور کچھ لمحوں کے بعد راحیلہ کو لے کر ڈرائنگ روم میں آ گئے۔

مظفر احمد نے راحیلہ کو دیکھا اور ان کے ساتھ آنے والے دو نوجوان لڑکوں نے بھی،
لڑکے تو جیسے پگھل کر بہہ گئے تھے۔

مظفر احمد نے کہا ''بیٹا! آپ بتایئے ظفر کی ہلاکت کیسے ہوئی؟''

راحیلہ چند لمحوں تک حیرت سے مظفر کو دیکھتی رہی پھر اس نے کہا ''جھیل میں ڈوب کر،
انہیں شاید تیرنا نہیں آتا تھا، وہ دوڑ کر جھیل میں کود گئے مگر اس بات سے میرا کیا تعلق ہے انکل؟''

برداشت نہیں کر پائے گا۔''

''نہ جانے آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' سعدیہ بیگم نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

''ہاں شاید..... جو میں محسوس کر رہا ہوں سمجھا نہیں پا رہا۔''

۞......۞......۞

اتوار کو عظیم احمد، صوفیہ بیگم چھوٹے بیٹے کے ساتھ آ گئے۔ ان کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔

''بچیاں کہاں ہیں؟''

''اندر ہیں۔ بلاتی ہوں۔'' سعدیہ بیگم نے کہا۔

''بعد میں بلا لیں..... ہم لوگ کچھ دیر باتیں کرتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اختیاری خالہ نے آپ کو ہماری تھوڑی سی اُلجھن کے بارے میں بتا دیا ہوگا۔''

''اُلجھن.....؟''

''میں صاف صاف کہوں، شرجیل کو راحیلہ زیادہ پسند آئی ہے۔ آپ لوگ مہربانی کریں، راحیلہ ہمیں دے دیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے صوفیہ بہن، خوش قسمتی سے آپ کو اللہ نے صرف بیٹے دیئے ہیں۔ بیٹی والوں کی مشکلات سے آپ آگاہ ہیں۔ دنیا کی بڑی کڑی نگاہ ہوتی ہے بیٹی والے گھروں پر۔ یہ ہوا، وہ کیوں نہیں ہوا، ایسا کیوں ہے، ویسا کیوں نہیں ہے۔ عظمیٰ اور صنوبر راحیلہ سے بڑی ہیں۔ لوگ یہی سوچتے ہیں کہ ترتیب سے ان کی شادیاں ہوں گی چھوٹی کی ہو جائے بڑی بیٹھی رہے تو لوگ کہانیاں شروع کر دیتے ہیں اور پھر سچ بات ہے کہ ہم تو ابھی صرف عظمیٰ کا رشتہ کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد دوسری لڑکیوں کی باری آتی ہے۔'' راحیل احمد نے کہا۔

''آپ نے بالکل ٹھیک کہا بھائی صاحب۔ ہماری روایات یہی تھیں لیکن اس نئی نسل کا کیا کریں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''شرجیل نے کھلی زبان سے کہہ دیا ہے کہ امی اگر اس گھر میں رشتہ کرنا ہے تو راحیلہ کی بات کریں ورنہ.....''

''جی..... ورنہ.....'' راحیل احمد نے کہا۔

''ورنہ نہیں۔''

''اوہو..... اس حد تک بات ہے۔'' راحیل احمد بولے۔

''یہ بات کہتے ہوئے میں سخت شرمندہ ہوں بھائی صاحب، خدا کی قسم، مجھے وہ دونوں بچیاں بھی پسند ہیں اور آپ لوگ بھی بے پناہ اچھے لوگ ہیں۔ کاش ہمارے درمیان یہ مسئلہ طے ہو جائے مجھے دلی خوشی ہوگی۔ میرے دونوں بچے اس دور میں ہیرے ہیں۔ لوگ نجانے کیسا کیسا ملمع چڑھا کر آتے ہیں۔ باہر سے کچھ اندر سے کچھ۔ میں آپ سے خود ہی یہ درخواست کرتی ہوں کہ شمیل اور شرجیل کے بارے میں جس جگہ سے آپ کا دل چاہے بھرپور معلومات کرا سکتے ہیں۔ اُن بچوں میں کوئی کھوٹ نکلے تو آپ کہہ دیں کہ صوفیہ بیگم تم بھی ملمع چڑھا کر ہمارے سامنے آئیں۔ ہاتھ پکڑ کر نکال دیجئے گا، ہمیں گھر سے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہمارے گھر کے حالات بہت اچھے ہیں۔ وہ جس قدر پیاری بچی ہے اس کے شایان شان اس کا خیر مقدم کیا جائے گا۔''

بڑے متاثر کن الفاظ تھے، راحیل احمد صاحب سوچ میں ڈوب گئے، ان الفاظ نے انہیں موم کر دیا تھا بڑا ستھرا انداز تھا صوفیہ بیگم کا۔ تھوڑی دیر تک سوچتے رہے پھر بولے۔ ''صوفیہ بہن بہت عزت دی ہے آپ نے ہمیں۔ تھوڑا سا وقت اور دے دیجئے۔ اصل میں کچھ ایسی ذمہ داریاں ہیں جنہیں پورا کرنا ضروری ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ان ذمہ داریوں کے بعد پورے اعتماد کے ساتھ آپ سے بات کروں۔''

''آپ بے شک وقت لے لیجئے لیکن میں چاہتی ہوں کہ ہمارے اور آپ کے گھرانے میں یہ رشتہ ہو جائے ایک بار پھر درخواست کرتی ہوں کہ بُرا بالکل نہ مانئے۔''

''نہیں نہیں بیٹی والوں کو تو بُرا ماننا ہی نہیں چاہئے۔''

''میں بھی آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کی بہن کی طرح سے ہوں۔''

بہت سی باتیں ہوئیں۔ صوفیہ بیگم نے عظمیٰ اور صنوبر کو بہت پیار کیا، نجانے کیوں ان کے

دل میں ان بچیوں کے لئے بھی بڑی محبت جاگ اُٹھی تھی۔ راحیلہ کو بلایا تو اس نے آنے سے انکار کر دیا۔

''بھئی اپنے مہمانوں سے آپ لوگ خود نمٹیں، بلاوجہ زبردستی کوئی آ جائے، آپ ملئے ان سے، میں تو نہیں ملنا چاہتی تھی ان سے کوئی بھی ہو، آپ کوئی بہانہ بنا دیجئے۔''

اور بہانہ یہی بنایا گیا کہ وہ سو رہی ہے یا شاید سامنے آنے سے کترا رہی ہے، آخر لڑکیوں میں کوئی شرم وحیا بھی ہوتی ہے، بات ہموار ہوگئی تھی وہ لوگ چلے گئے تھے۔ راحیل احمد اور سعدیہ بیگم سوچ میں ڈوب گئے، راحیل احمد نے کہا۔

''بات وہی ہو جاتی ہے جو میں نے تم سے کہی۔ کوئی حرج نہیں ہے اس دور میں چھوٹی بڑی جیسی فضول باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔ سب کچھ ہوتا ہے، کوئی بھی لڑکی ٹھکانے لگ جائے کسی کو کیا معلوم کہ باپ کی کمر بیٹیوں کے بوجھ سے کس قدر جھکی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ جس کی قسمت کھول دے، لوگ واقعی اچھے ہیں میں بتا بھی چکا ہوں کہ میں نے اپنے کچھ ہمدردوں اور کچھ شناساؤں سے بات کر کے ان کا پتہ کرایا تھا۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر اب ہو کیا؟''

''صرف ایک ہی بات ہو سکتی ہے بڑے پیار، بڑی محبت سے راحیلہ کو اس رشتے کے لئے راضی کیا جائے۔''

❁......❁......❁

مظفر احمد اپنی آگ میں جُھلس رہے تھے۔ راحیلہ کے خلاف کوئی ثبوت تو نہیں رکھتے تھے لیکن بیٹے کی موت برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ کتنی ہی بار کالج کے پرنسپل سے ملاقات کر چکے تھے۔ طرح طرح کی دھمکیاں دیتے تھے۔ پرنسپل بری طرح عاجز آ گئے تھے۔ انہوں نے اپنے طور پر بھی تحقیقات شروع کر دی تھیں اور لڑکے لڑکیوں نے انہیں بتایا کہ راحیلہ ایک وحشیانہ فطرت رکھتی ہے۔ اس دن پکنک پر سب لڑکے اور لڑکیاں شرارتیں کر رہے تھے، راحیلہ کا انٹرویو لیا گیا تو اس نے عجیب وغریب باتیں کیں۔''

''مثلاً؟''

''اس نے کہا کہ مردوں کو مرد کی شکل میں نظر آنا چاہئے۔ لمبے لمبے بال، کمر کی لچک تو مرد کا شیوہ ہی نہیں ہے۔ گلے میں گٹار ڈال کر پھدکنا کیا مردوں کو زیب دیتا ہے۔ یہ بات سن کر تمام مرد پر جوش ہو گئے تھے اور اس کے بعد پنجہ کشی، رسہ کشی اور اسی طرح کے دوسرے کھیل کھیلے گئے تھے جن میں جھیل میں تیرنا بھی شامل تھا اور یہ راحیلہ ہی کے ایما پر ہوا تھا۔''

پرنسپل صاحب دانتوں میں انگلی دبا کر رہ گئے۔ پھر انہوں نے پوچھا۔ ''اور ظفر کو بھی راحیلہ ہی نے جھیل میں کودنے پر آمادہ کیا تھا؟''

''سر میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا ظفر تو ویسے بھی مرنجاں مرنج قسم کا لڑکا تھا وہ بھلا ایسے کاموں میں کیا دلچسپی لیتا، لیکن اچانک ہی پر جوش ہو کر وہ جھیل میں کود گیا تھا۔''

''راحیلہ نے اس سے کیا کہا تھا یہ کسی نے نہیں سنا؟'' پرنسپل نے پوچھا۔

''نہیں سر، سنا بالکل نہیں۔''

''اور سر وہ اپنے آپ کو واقعی قلوپطرہ، سیفا نجانے کیا کیا کہتی ہے، ہاں جھانسی کی رانی، اولمپیاس، اولمپیاس......'' لڑکے لڑکیاں یاد کر کے بتانے لگے۔

''مجھے یوں لگتا ہے جیسے مظفر احمد کوئی جرم کر ڈالیں گے، میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ جرم میرے کالج میں ہو، میرا خیال ہے مجھے راحیلہ کو کالج سے نکالنا پڑے گا۔''

راحیلہ کو طلب کر لیا گیا۔ پرنسپل صاحب نے بورڈ بٹھا کر میٹنگ کی تھی۔ تمام حقائق سامنے رکھنے کے بعد کالج کے اساتذہ اور ذمہ دار لوگوں نے یہی کہا تھا کہ کم از کم کالج کو کسی بدنامی کا نشانہ نہیں بننا چاہئے، چنانچہ راحیلہ کو طلب کر لیا گیا۔

''مس راحیلہ! آپ پر الزام ہے کہ آپ نے ظفر کو اُکسا کر جھیل میں کودنے پر مجبور کر دیا تھا۔ اس کے شواہد اور تحریری بیانات بھی مل گئے ہیں۔ آپ اگر یہ بیانات دیکھنا چاہیں تو ہم آپ کو اس کی اجازت نہیں دیں گے، آپ کو کالج سے نکالا جا رہا ہے۔''

راحیلہ نے میٹھی نگاہوں سے پرنسپل کو دیکھا اور بولی ''سر صرف ایک عرض کروں گی، کسی نے جو کچھ بھی کہا خدا جانے کیوں کہا۔ میں بھلا کسی کی جان لینے کی جرأت کیسے کر سکتی ہوں اور فرض کیجئے اگر میں نے ظفر سے پانی میں کودنے کے لئے کہہ بھی دیا سر تو تھوڑی سی زبان ہلا دینا

کیا کوئی جرم ہوسکتا ہے۔ سر آپ لوگ زیادتی کر رہے ہیں، میں جیسا آپ حکم دیں گے ویسا ہی کروں گی۔ ٹھیک ہے جیسا آپ کا حکم۔"

"اس کاغذ پر دستخط کر دیجئے۔" پرنسپل نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھایا۔

"نہیں سر! یہ میں نہیں کروں گی، جب جا ہی رہی ہوں اس کالج سے تو فضول باتوں میں کیوں پڑوں۔ کیا آپ مجھ سے میرے جرم کی تصدیق چاہتے ہیں۔"

"مس راحیلہ! آپ کو یہ دستخط کرنا ہوں گے۔"

"بھول جایئے سر بالکل بھول جایئے۔ آپ کیا میرا خیال ہے کوئی مجھ سے اس کاغذ پر دستخط نہیں کرا سکتا البتہ میں آپ سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کیا کہنا چاہتی ہیں؟"

"سر اگر کوئی بات تنہائی میں کہنے کی خواہش ہو تو کیا وہ اتنے لوگوں کے سامنے بتائی جاسکتی ہے؟"

پرنسپل نے وہاں موجود تمام افراد کو باہر بھیج دیا۔

راحیلہ نے کہا۔ "لایئے سر، آپ کا حکم ہے تو میں دستخط کئے دیتی ہوں، آپ نے مجبور کر دیا ہے اور ہوتا یہی ہے کہ وہ جنہیں چاہا جائے بڑے بے درد ہوتے ہیں۔"

"آپ کیا کہنا چاہتی ہیں مس راحیلہ؟"

"سر آج تک آپ کے سامنے نہ نگاہ اٹھانے کی ہمت ہوئی ہے نہ زبان کھولنے کی۔ لڑکے لڑکیاں صحیح کہتے ہیں۔ میں اپنے آپ کو نہ تو اولمپیاس محسوس کرتی ہوں نہ سیفا نہ قلوپطرہ البتہ سائیکی کا نام سنا ہے آپ نے۔"

"یونان کی دیوی، کیوپڈ کی محبوبہ۔"

"جی سر۔ سائیکی کی تاریخ آپ کو معلوم ہے؟"

"مجھ سے یہ سوال کر رہی ہو راحیلہ۔"

"نہیں سر، معذرت چاہتی ہوں، دل کی بات آپ سے کہہ کر جا رہی ہوں، سر مجھے کالج چھوڑنے کا افسوس نہیں ہے لیکن آپ سے دور ہو جانے کا دلی دکھ ہوگا۔ میرا مزاج سائیکی جیسا ہے بس آپ نے کبھی آئینے میں اپنے آپ پر غور نہیں کیا۔ ایک وقار ایک شخصیت ہے آپ کی

اور میں جانتی ہوں کہ آپ کیا ہیں اور میں کیا ہوں، سر آپ بھروسہ کر لیجئے میری زندگی کا مگر سوری سر، سوری......" راحیلہ نے دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے کچھ لمحوں کے بعد سامنے رکھے ہوئے فارم پر دستخط کئے اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

پرنسپل صاحب حیرت سے منہ پھاڑے اسے دیکھتے رہے۔ دستخط کئے ہوئے فارم کو دیکھا۔ راحیلہ کے الفاظ یاد کئے اچھی خاصی عمر کے مالک تھے لیکن راحیلہ کے الفاظ، اس کے تاثرات نے ان کے دل کی دھڑکنیں بڑھا دیں، انہوں نے حیرت سے احمقانہ انداز میں چاروں طرف دیکھا اور پھر بولے۔ "یہ یہ یہ...... یہ کیا ہوا؟"

راحیلہ اپنی فطرت کے مطابق ایک دھماکہ کر کے آ گئی تھی اور پرنسپل صاحب سوچ رہے تھے کہ کیا عجیب بات ہے، پھر انہوں نے خود پر نفرین کی۔ کالج کے بچے بچیاں تو ان کے اپنے بچے ہیں، یہ لڑکی اگر مجھ سے متاثر ہے تو کم از کم میں کوئی احمقانہ بات نہیں سوچ سکتا، ہونہہ...... انہوں نے سر کو جھٹکا لیکن پھر دیکھنے والوں نے دیکھا کہ وہ کاغذ قلم ہاتھ میں لئے بیٹھے کاغذ پر نجانے کیا گھورتے رہتے ہیں اور بار بار سر کو جھٹکتے ہیں۔

ادھر راحیلہ اپنے ذہن کو آنے والے مراحل کے لئے طے کرتی ہوئی گھر پہنچی تھی یہاں اسے ایک خوشی کا لمحہ ملا، ماموں احتشام الدین اور ممانی آئے ہوئے تھے، ماموں سعدیہ بیگم کے بڑے بھائی تھے بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ باپ کی جگہ تھے بے اولاد تھے، اس لئے بہن کے بچوں سے اور خاص طور سے راحیلہ سے دلی محبت رکھتے تھے اور یہ بھی حقیقت تھی کہ راحیلہ اگر اس کائنات میں کسی سے مخلص تھی تو وہ صرف ماموں احتشام الدین تھے، ماموں کو دیکھ کر خوشی سے دوڑی اور ان سے لپٹ گئی۔ ممانی اور ماموں نے خوب پیار کیا اور سعدیہ بیگم سے کہنے لگے۔ "یار سعدیہ کبھی ہمت نہیں پڑی کہ تم سے تمہاری بیٹی کو مانگ لوں۔ راحیل احمد بڑے سخت مزاج آدمی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس بچی کا پیار ہی مجھے بار بار یہاں کھینچ لاتا ہے۔"

"آپ ہی کی ہے بھائی جان، مانگنے کی کیا ضرورت ہے، جب دل چاہے لے جائیں۔"

"کیسا کالج چل رہا ہے راحیلہ بیٹا، چلو یار کچھ دن کے لئے ہمارے ساتھ چلو، چھوڑو کالج والج۔"

"ماموں جان مرد کی زبان ایک ہوتی ہے سوچ لیجئے۔"

"کیا مطلب؟" احتشام الدین نے راحیلہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کالج چھوڑ دوں تو آپ مجھے لے جائیں گے۔"

"نہیں بیٹا۔ پڑھائی تو سب سے اہم چیز ہوتی ہے۔"

"بھاگ گئے میدان چھوڑ کر، یہ ہے اس دور کی دنیا لیکن جناب میں کالج چھوڑ آئی ہوں۔"

"تعلیم بنیادی حیثیت رکھتی ہے بیٹے، اپنی تعلیم مکمل کرلو۔ باقی ساری باتیں اس کے بعد سوچیں گے۔"

"آپ میرے الفاظ کو مذاق سمجھ رہے ہیں شاید۔"

"کون سے الفاظ کو۔"

"چلئے اس میں تھوڑی سی ترمیم کر لیجئے۔ میں نے کالج نہیں چھوڑا بلکہ کالج نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔"

"کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔"

"خدا کی قسم سچ کہہ رہی ہوں، مجھے کالج سے نکال دیا گیا ہے۔" اس کے ان الفاظ پر راحیل احمد چونک پڑے تھے۔

"کیا مطلب......؟" راحیل احمد نے کہا۔

"ابو وہی صاحب جن کا بیٹا جھیل میں ڈوب کر مر گیا تھا، بڑی ہنگامہ آرائی کر رہے ہیں۔ پرنسپل صاحب کو مسلسل دھمکیاں دے رہے تھے آخر کار انہوں نے کچھ لڑکوں سے مل کر پرنسپل صاحب کو یقین دلایا کہ ظفر کو میں نے ہی اکسایا تھا کہ وہ جھیل میں ڈوب مرے چنانچہ پرنسپل صاحب نے مجھے کالج سے نکال دیا۔"

راحیل احمد سکتے میں رہ گئے تھے ماموں نے کہا۔ "کیا قصہ ہے بھئی، کچھ مجھے بھی بتاؤ۔"

"یہ وہ قصہ ہے ماموں جس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے، لیکن سارے الزامات مجھ پر ہی لگائے جاتے ہیں، کوئی مجھے قلوپطرہ کہتا ہے کوئی سیفا اور کوئی اولمپیاس۔"

"کیا بکواس ہے۔" احتشام الدین نے کہا۔

"یہ سارے نام تو اچھے کرداروں کے نہیں ہیں۔"

"کالج کے پروفیسر سمیت کئی افراد میرے لئے موت کا شکار ہو گئے ہیں۔ میرا خیال ہے میرا نام تو اب اخبارات میں آ جانا چاہئے۔"

"بکواس مت کرو، جو کچھ تم کہہ رہی ہو سچ ہے۔" راحیل احمد نے غضبناک لہجے میں کہا۔

راحیلہ ہنس پڑی "دیکھئے ماموں جان، ابو کی باتیں، بکواس کئے بغیر میں ان کی بات کا جواب کیسے دوں۔"

"جو کچھ تم کہہ رہی ہو وہ سچ ہے راحیلہ؟" ماموں نے پوچھا۔

"جی ماموں۔"

"دونوں کو دیکھ لوں گا۔ کیا سمجھا ہے انہوں نے مجھے۔ وہ پرنسپل کا بچہ بھی......" راحیل احمد نے طیش سے کہا۔

بعد میں ماموں کے استفسار پر راحیل احمد نے احتشام الدین کو کل حالات بتائے تو ماموں نے کہا "کچھ اور سوچو راحیل احمد، لوگ دیوانے ہوتے ہیں، بیٹیوں کا معاملہ بڑا نازک ہوتا ہے۔ اچھا ہو یا برا، رسوائی تو ہوتی ہے۔ کسی اور کالج میں کوشش کرو اس وقت تک پڑھاؤ جب تک کوئی اچھا رشتہ نہ مل جائے۔ اس کے بعد انہیں ان کا گھر دے دو۔"

"اس وقت آپ کی آمد میرے لئے بڑی تقویت بخش ہے، احتشام بھائی ایک رشتے کا مسئلہ چل رہا ہے۔"

"اچھا، کون لوگ ہیں......کیا ذات پات ہے۔"

"بہت اچھے لوگ ہیں۔ میں انہیں ہاتھ سے نہیں نکالنا چاہتا۔" راحیل احمد نے کہا اور پھر انہوں نے احتشام احمد کو پوری تفصیل بتا دی۔ احتشام احمد سوچ میں ڈوب گئے۔ راحیل احمد نے کہا۔

"آپ کو معلوم ہے کہ میں ملازمت پیشہ انسان ہوں۔ یہ حقیقت ہے کہ دو تین واقعات ایسے ہو چکے ہیں جن میں راحیلہ کی وجہ سے کچھ حادثات ہوئے ہیں۔ ایک سر پھرے پروفیسر جو میری عمر کے تھے راحیلہ کے امیدوار بن کر گھر تک آ گئے تھے اور بعد میں انہوں نے خودکشی کر لی۔ میں خود پریشان تھا اور سوچ رہا تھا کہ اس سے تو بہتر ہے کہ راحیلہ کو کالج سے اٹھا لوں۔"

یہ بات میرے حق میں جاتی کہ راحیلہ کو کالج سے نکال دیا گیا......اور اب سوچ رہا ہوں کہ عظیم احمد کے گھرانے کا راحیلہ کے بارے میں اصرار کرنا بھی میرے حق میں بہتر ہے۔''

''ہاں۔ان حالات میں تو سوچا جاسکتا ہے بلکہ یہ بہتر رہے گا۔ پھر......؟ ان لوگوں سے ہاں کہہ دیں۔''

''ایسے ہی کہہ دوں......!''

''کیا مطلب......؟''

''آپ راحیلہ کو نہیں جانتے۔''

''جانتا ہوں۔''

''اس سے پوچھے بغیر ہاں کیسے کہہ دوں۔''

''نہیں...... پوچھیں ضرور پوچھیں۔ یہ حق شرعی ہے۔ پوچھ لینا ضروری ہے۔''

''آپ بھی موجود ہیں۔ میری مدد ہو جائے گی۔ وہ آپ سے بہت محبت کرتی ہے کچھ حیل وحجت بھی کرے گی تو آپ اسے سنبھال لیں گے۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔'' ماموں نے بڑے اعتماد سے کہا۔

پھر اسی رات دوسری بہت سی باتوں کے بعد ماموں بولے۔''راحیلہ، اب تمہارا کیا ارادہ ہے۔ کسی دوسرے کالج میں داخلہ لوگی۔''

''میرا خیال ہے ماموں، اس کالج پر کیس کیا جائے۔ مجھے بتایا جائے کہ آخر میں نے کیا کیا ہے۔''

''بیٹے یہ کام تم خود تو نہیں کرسکتیں۔''

''کرسکتی ہوں ماموں، ابو میری مدد کریں گے۔''

''بیٹے ایک ملازمت پیشہ شخص کے پاس کتنا وقت ہوتا ہے تمہیں خود اس کا اندازہ ہے۔''

''مجھے ایک شکایت ہے ماموں۔''

''کس سے۔''

''دنیا سے۔ابو سے۔''

''کیا شکایت ہے۔''

''ہم لوگوں نے صنف پر ایک چھاپ لگا دی ہے۔صنف نازک صنف قوی۔ خدا کا شکر ہے اس خیال کے بادل چھٹ رہے ہیں، کچھ باہمت خواتین نے مردانہ شعبوں میں آ کر اپنے آپ کو منوایا ہے اور یہ تحریک پختہ ہوتی جا رہی ہے۔ میرا بھی موقف ہے کہ آپ کم از کم اپنی بیٹیوں کو خود آزمانے کا ایک موقع تو دیں۔ ہوسکتا ہے وہ آپ کی توقع کے برعکس نکلیں۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ ابو...... کالج پر کیس کریں یا پھر مجھے فری ہینڈ دیں کہ میں اپنے مستقبل کے لئے لڑوں۔''

''بیٹے ہر خاندان کا ایک ماحول ہوتا ہے۔ ہمارے خاندان میں یہ گنجائش کہاں ہے۔''

''کچھ کرنے کے لئے فضول قسم کے خول تو توڑنا ہی پڑتے ہیں ماموں!''

''ہم ایک اور موضوع پر تم سے بات کرنا چاہتے تھے۔''

''کہیئے۔''

''شاید تمہیں یہ بات معلوم ہو کہ کچھ لوگ ہمارے ہاں بچیوں کا رشتہ لے کر آئے تھے۔''

''جی نہیں۔ مجھے نہیں معلوم۔''

''وہ...... چونکہ کوئی پختہ بات نہیں ہوئی تھی اس لئے تم سے بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ کچھ دن پہلے جب تمہارے کالج میں ایک تقریب تھی۔ تم وہاں سے واپس آئی تھیں تو کچھ مہمان بیٹھے ہوئے تھے۔'' سعدیہ بیگم نے کہا۔

''جی جی...... ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ دو پوپو قسم کے میاں بیوی اور دو چلغوزے۔''

''بری بات بیٹے۔تم ان کا مذاق اڑا رہی ہو۔'' ممانی جان نے کہا۔

''جی...... پھر......؟''

''وہ رشتے کے لئے آئے تھے۔''

''کس کے رشتے کے لئے؟''

''جی ہماری تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کے لئے۔'' ماموں بولے۔

''مبارک...... پھر......؟''

''انہوں نے تمہیں پسند کیا ہے۔''

''ہاں اللہ، سچ......؟'' راحیلہ نے مسخرے پن سے کہا۔

"پھر مذاق......"

"میں، پھر کیا کروں، شرماؤں۔ منہ پر ہاتھ رکھ کر دہری ہو جاؤں۔"

"دیکھو، تمہارے رشتے کے لئے ہم بھی ان سے ہاں کہہ سکتے تھے لیکن راحیل احمد کا کہنا ہے کہ وہ شرعی تقاضے پورے کرنا چاہتے ہیں۔ تم سے پوچھے بغیر انہوں نے انہیں جواب نہیں دیا۔"

راحیلہ کسی سوچ میں گم ہو گئی تھی۔ کچھ لمحوں کے بعد اس نے کہا "تو مجھے اب کیا کرنا ہے ماموں۔"

"ہمیں جواب دینا ہے تم خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہو۔"

راحیلہ نے طنزیہ نظروں سے احتشام الدین کو دیکھا پھر بولی۔ "خدا کی قسم، یہی ہو رہا ہے اس وقت لڑکیوں کے ساتھ۔ شرع کے نام پر شرعی احکامات کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ ان شرعی قوانین کو اپنی آسانیوں کے مطابق ڈھال لیا جاتا ہے کچھ عرصہ قبل تو خیر ان شرعی احکامات کا اس قدر مذاق اڑایا جاتا تھا کہ الامان الحفیظ۔ ایجاب وقبول کی رسم کو ملیامیٹ کر کے رکھ دیا جاتا تھا لڑکیوں کے پاس بیٹھی کوئی خاتون زبردستی اس کی گردن میں ہاتھ ڈال کر جھٹکے دے دیتی تھی اور کہا جاتا تھا کہ لڑکی گردن ہلا کر "ہاں" کہہ رہی تھی، قریب بیٹھی کوئی خاتون خود ہی ہاں کہہ دیتیں اور اسے لڑکی کی آواز قرار دیا جاتا تھا کچھ جگہوں پر اس کے بدن میں چٹکی لے کر یا اس کا ہاتھ مروڑ اس کے منہ سے تکلیف سے نکلی آواز کو اس کے رشتہ قبول کرنے کا اقرار بتا دیا جاتا تھا۔"

"خدا کی پناہ...... تو چپ ہو گی یا بک بک کئے جائے گی۔ راحیل احمد کے اندر تو سو سال پرانی روح ہے۔ اسے یہ معلومات کہاں سے حاصل ہوئیں۔" ماموں نے حیرت سے کہا۔

"کام کی بات کیجئے بھائی صاحب۔ یہ کچھ زیادہ ہی چرب زبان ہو گئی ہے۔" راحیل احمد کو غصہ آنے لگا۔ ماموں بولے۔ "راحیلہ پلیز۔"

"کمال کرتے ہیں آپ...... کیا کہا تھا آپ نے مجھ سے۔ یہی نا کہ کیا میں خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہوں۔"

"ہاں یہی کہا تھا۔"

"امی آپ بتائیے جس دن یہ لوگ آئے تھے اور کمرے میں بیٹھے تھے اس دن میں وہاں

رہی تھی؟"

"نہیں، تم کہاں رکی تھیں۔" سعدیہ بیگم نے بادل ناخواستہ جواب دیا۔

"مجھے بعد میں بھی کبھی بتایا گیا کہ وہ لوگ کس لئے آئے تھے۔ ماموں جان خود فیصلہ کریں، اس کے بعد آپ مجھ سے میری خوشی پوچھ رہے ہیں۔ میں نے تو ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا اور آپ کچھ اجنبی لوگوں کو مجھ پر مسلط کرتے ہوئے پوچھ رہے ہیں کہ کیا میں خوشی سے اس رشتے کے لئے تیار ہوں۔ مجھے تو یہ بھی نہیں پتہ کہ رشتہ ان لڑکوں میں سے کسی سے ہو رہا ہے یا ان کے والد صاحب سے۔" سب سناٹے میں رہ گئے تھے۔

جو کچھ وہ کہہ رہی تھی وہ سچ تھا۔ ماموں ہی سنبھلے اور بولے "کیوں راحیل احمد، کیا کہتے ہو۔"

"ہاں، یہ سچ ہے۔"

"چلو کوئی بات نہیں۔ ان لوگوں کو بلالو۔ کہہ دو ماموں آئے ہیں، لڑکوں سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔"

"وہ لوگ شوق سے آجائیں گے۔" سعدیہ بیگم نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ راحیلہ بھی ان سے مل لے گی اس کے بعد ہم اس کا فیصلہ سن لیں گے۔"

"میں آج ہی اختیاری خالہ کے ہاتھ پیغام بھجواتی ہوں۔"

راحیلہ بالکل مطمئن تھی۔ وہ زندگی کے ہنگاموں کی قائل تھی، آج کا دن بڑی خصوصیت کا حامل تھا۔ بڑی انوکھی تبدیلیاں ہوئی تھیں۔ کالج اچانک چھوٹ گیا تھا۔ کوئی نئی دلچسپی پیدا نہ ہونے تک بوریت تو ہو گی، لیکن کچھ نئے معاملات پیدا کرنے کے لئے وقت بھی مل گیا تھا۔ ماموں بہت پیارے انسان تھے خاص طور سے راحیلہ اور ان کے درمیان مفاہمت تھی۔ راحیلہ انہیں آسانی سے اپنا ہم آواز بنا سکتی تھی لیکن یہ سلسلہ شروع ہوا تھا وہ اس میں اپنی پسند کی دلچسپیاں تلاش کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ان لوگوں کو طلب کر لیا تھا۔ اور اب وہ سوچ رہی تھی کہ انہیں ان کی اس جرأت کا مزہ کیسے چکھائے۔

نہ جانے کب تک وہ ان لوگوں کے بارے میں سوچتی رہی پھر اس کی ذہنی رو پرنسپل جواد رانا کی طرف مڑ گئی۔ اس سے قبل اس نے پرنسپل کو کبھی غور سے نہیں دیکھا تھا اس وقت اس نے

جوادرانا پر غور کیا اور اس کے ہونٹوں پر ایک شریری مسکراہٹ پھیل گئی۔

دوسرا دن اس نے ماموں اور ممانی سے باتیں کرتے گزارا تھا۔ دوپہر کو اس نے اچانک تیاری شروع کر دی۔

''کہیں جا رہی ہو۔''

''ہاں امی ذرا کالج جا رہی ہوں۔''

''کالج......؟''

''جی، نسرین سے مجھے کچھ کام ہے، میری دوست ہے اس سے مل کر ابھی آتی ہوں۔''

''ماموں کو ساتھ لے جاؤ۔''

''کیوں......'' اس نے اتنی ترش نگاہوں سے سعدیہ بیگم کو دیکھا کہ وہ بری طرح بوکھلا گئیں اور بولیں ''نہیں ایسے ہی کہہ رہی ہوں۔''

وہ خاموشی سے باہر چل پڑی۔ راحیل احمد آفس گئے ہوئے تھے۔ ماموں کمرے میں آرام کر رہے تھے وہ دوپہر کو سونے کے عادی تھے۔ وہ آرام سے باہر نکل گئی اور پھر ایک آٹو رکشہ نے اسے کالج کے گیٹ پر پہنچا دیا۔ لڑکے لڑکیاں باہر نکل رہے تھے۔ اس کے سیکشن کے لڑکے باہر نکلے تو انہوں نے اسے کالج کے گیٹ کے پاس کھڑے ہوئے دیکھا اور وہ سب اس کے قریب پہنچ گئے۔

ان میں سے ایک لڑکے نے کہا۔

''راحیلہ......اچھا ہوا تم آ گئیں۔ ہم سب تمہارے گھر آنے کا پروگرام بنا رہے تھے۔''

''اس وقت میں......صرف آپ لوگوں کو دُور سے دیکھنے کے لئے آئی تھی، دل بے چین ہو رہا تھا۔ بہت دنوں کا ساتھ ہے۔ آپ لوگ......آپ لوگ'' راحیلہ نے کہا اور کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہو گئی۔ پھر بولی 'خیر......کون کس کی آگ اوڑھتا ہے لیکن مجھے بتایئے......میرے ساتھ جو کچھ ہوا، کیا آپ کے خیال میں ٹھیک ہے۔ کیا آپ میں سے کسی نے مجھے ظفر کو دھکا دیتے ہوئے دیکھا تھا۔ کیا آپ نے سنا تھا کہ میں نے اسے جھیل میں کودنے کے لئے کہا۔''

''بالکل نہیں راحیلہ۔ ہم یہ ناانصافی نہیں ہونے دیں گے۔'' بہت سے لڑکے لڑکیوں نے پرجوش لہجے میں کہا اور راحیلہ دل ہی دل میں مسکرانے لگی۔ یہ ہوئی نا بات......اس نے سوچا۔

راحیلہ کے چہرے پر اس وقت کچھ ایسی مظلومیت نظر آ رہی تھی کہ خاص طور سے لڑکے اور زیادہ پرجوش ہو گئے اس نے کہا ''پرنسپل صاحب نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے اس طرح تو ہرا یرے غیرے کی شکایت پر کالج میں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ کسی بھی بے گناہ کو آسانی سے نقصان پہنچایا جا سکتا ہے یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، کالج کا کوئی وقار نہ ہوا، ہم لوگوں کا معیار نہ ہوا، آپ خود بتایئے، پرنسپل صاحب سے یہ بات پوچھئے کہ اس بات کی کس نے تصدیق کی کہ میں نے ظفر کو جھیل میں کودنے پر اُکسایا تھا۔''

''سب پتہ چل جائے گا راحیلہ صاحبہ، آپ بالکل فکر نہ کریں آپ کا کیس ہم نے اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔ پرنسپل صاحب کو اپنا فیصلہ واپس لینا پڑے گا۔ انہیں جھکنا پڑے گا، وہ سمجھتے کیا ہیں اپنے آپ کو، ارے واہ،......ہم طالب علموں کی تو جیسے کوئی عزت ہی نہ ہوئی، جس کا دل چاہے ہم پر الزام لگا کر نکلوا دے اور پھر ان لوگوں کو بھی دیکھ لوں گا میں، جنہوں نے آپ کی شکایت کی ہے، پتہ لگ جائے گا، ایسی بات نہیں ہے کہ پتہ ہی نہ لگے۔''

راحیلہ نے ایک کامیاب چال چلی تھی۔ یہاں آتے ہوئے اس کے ذہن میں کچھ اور ہی منصوبہ تھا اگر لڑکے لڑکیاں اسے نہ دیکھ لیتے تو شاید وہ اپنے دوسرے منصوبے پر عمل کرتی۔ وہ اصل میں پرنسپل صاحب سے ملاقات کرنے آئی تھی اور ان پر جال پھینکنا چاہتی تھی لیکن اس سے پہلے یہ لوگ آ گئے تو اس نے اپنا منصوبہ تبدیل کر دیا۔ لڑکوں کی اس یقین دہانی کے بعد کہ کل وہ اس سلسلے میں میٹنگ کریں گے اور اس کے بعد احتجاج کا پروگرام بنایا جائے گا۔

''مجھے آپ لوگوں پر بھروسہ ہے، آپ جو کچھ کریں گے وہ یقیناً میرے حق میں بہتر ہوگا۔'' راحیلہ نے اپنائیت سے کہا۔ بڑی قدرتی سی بات ہے کوئی حسین لڑکی یا کوئی بہت ہی خوبصورت چہرہ اگر دل پھینک نوجوانوں کو کسی کام پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے تو اس کام میں اسے کوئی دقت نہیں ہوتی۔ راحیلہ ایک کامیاب کھیل کھیل کر گھر واپس چل پڑی تھی۔

جو آگ وہ لگا کر گئی تھی۔ دوسرے دن بری طرح بھڑک اُٹھی۔ لڑکوں نے کالج آتے ہی ہنگامہ آرائی شروع کر دی تھی۔ لڑکیاں بھی اس میں شریک ہو گئی تھیں۔ پرنسپل کے خلاف نعرے لگائے جا رہے تھے وہ کہہ رہے تھے کہ راحیلہ کو کالج سے نکالنے کا فیصلہ واپس لیا جائے۔ یہ سب جھوٹ ہے، غلط ہے، پرنسپل صاحب بتائیں کہ کس نے یہ الزام لگایا ہے کہ راحیلہ نے ظفر کو جھیل

میں کودنے پر مجبور کیا۔

پرنسپل صاحب اپنے کمرے سے باہر نکل آئے اور لڑکوں کی اس ہنگامہ آرائی کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے انہیں اپنے پاس بلایا اور بولے۔

''کیا کر رہے ہیں آپ لوگ؟''

''سر آپ نے بالکل غلط فیصلہ کیا ہے۔ راحیلہ کا مستقبل آپ تباہ نہیں کر سکتے۔''

''اگر کالج کے مفاد میں، میں کچھ کروں تو آپ مجھے اس طرح روکیں گے۔''

''سر راحیلہ کو واپس بلائیے، اسے باعزت طریقے سے کالج میں دوبارہ داخل ہونے کا موقع دیجئے۔''

''آپ لوگوں کے کہنے سے، اس ہنگامہ آرائی سے ڈر کر؟''

''سر آپ نے غلط عمل کیا ہے، وہ کیا ہے جو آپ کو نہیں کرنا چاہئے تھا۔'' ایک بپھرے ہوئے نوجوان نے کہا۔

''کیا تم صحیح زبان استعمال کر رہے ہو؟''

''ہمیں بتائیے آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ظفر کے جھیل میں کودنے کے واقعے میں راحیلہ کا ہاتھ ہے۔''

''آپ ہی میں سے کچھ لوگوں نے مجھے بتایا ہے، سمجھے آپ؟''

''کون ہیں وہ؟''

''وہ دیکھ لیجئے جو ہیں۔'' پرنسپل صاحب نے نجانے کس جوش میں آ کر ان لڑکوں کی طرف اشارہ کر دیا جو پرنسپل صاحب کے ان الفاظ سے بری طرح گھبرا گئے تھے۔ یہ اسی سیکشن کے لڑکے تھے دوسرے لڑکوں نے انہیں پکڑ لیا اور انہیں مارنا شروع کر دیا۔ انہوں نے انہیں مار مار کر کافی زخمی کر دیا تو کالج کے عملے کو پولیس طلب کرنا پڑی۔

ہنگامہ آرائی جاری تھی کہ پولیس موبائل پہنچ گئی۔ لڑکے بپھرے ہوئے تھے۔ ان تین لڑکوں کی اچھی خاصی مرمت ہو چکی تھی۔ ان کے سر اور جسم کے مختلف حصوں سے خون بہہ رہا تھا۔ لباس پھٹ گئے تھے۔ مارنے والے اب بھی نہیں رُکے تھے پولیس والے انہیں پکڑ پکڑ کر کھینچنے لگے تو کسی ایک لڑکے نے پولیس والے پر بھی ہاتھ چھوڑ دیا اور بات بہت زیادہ بڑھ گئی۔

وائرلیس پر پولیس کی مزید نفری طلب کر لی گئی اور انہوں نے آتے ہی لاٹھی چارج شروع کر دیا۔ پولیس کی اس کارروائی پر کالج کے دوسرے لڑکے بھی بپھر گئے اور اس کے بعد بڑی ہنگامہ آرائی شروع ہو گئی۔ پولیس پر پتھراؤ کیا گیا۔ بہت سے پولیس والے زخمی ہو گئے اور بہت سے لڑکے، اس کے بعد ان لڑکوں کو گرفتار کر لیا گیا کسی نے کوئی کارروائی کر کے ریکارڈ روم میں آگ بھی لگا دی اور یہ آگ برق رفتاری سے پھیلنے لگی۔

ہنگامہ اتنا شدید ہوا کہ اس کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کالج کی عمارت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچ چکا تھا۔ بمشکل تمام اس ہنگامے کو ختم کیا گیا۔ لڑکوں کو ٹرکوں میں بھر بھر کر پولیس ہیڈ کوارٹر لے جایا گیا۔ اخباری رپورٹر بھی اس دوران آ گئے تھے اور تفصیلات معلوم کرتے پھر رہے تھے۔ بھلا تفصیلات کہاں چھپتی ہیں اور وہ بھی اخباری رپورٹروں سے، چنانچہ راحیلہ کا نام بھی درمیان میں آ گیا۔

اخباری رپورٹروں نے رپورٹیں تیار کیں اور کچھ لڑکوں نے راحیلہ کے بارے میں ساری تفصیلات بتا دیں۔ رپورٹروں کے لئے تو ایسی سنہری خبریں اہمیت کی حامل ہوتی ہیں، چنانچہ ایک طرف اخبارات میں راحیلہ کے بارے میں دلچسپ خبریں تیار ہونے لگیں دوسری طرف متعلقہ تھانے کے انچارج نے اپنے کچھ ماتحتوں کو راحیل احمد کے پاس بھیج دیا اور انہیں ہدایت کی کہ راحیلہ کو ساتھ لے کر آئیں تا کہ وہ اپنا بیان درج کرا سکے۔ پولیس جب راحیل احمد کے گھر پہنچی تو راحیل احمد کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، سب انسپکٹر نے راحیلہ کے بارے میں سوال کیا۔

''کیا مس راحیلہ یہیں رہتی ہیں؟''

''رر۔ ر...... راحیلہ...... ہاں فرمائیے۔''

''وہ ...... ان کی وجہ سے آج کالج میں زبردست ہنگامہ آرائی ہوئی ہے، انچارج صاحب نے بھیجا ہے کہ مس راحیلہ کو لے کر تھانے آ جائیں۔''

ماموں احتشام الدین نے تیوریاں چڑھا کر کہا ''کون ہے آپ کے تھانے کا انچارج۔ کیا راحیلہ کالج کی ہنگامہ آرائی میں شریک تھی؟''

''یہ میں نہیں جانتا جناب۔''

''تو پھر......''

"انچارج صاحب نے مس راحیلہ کو تھانے طلب کیا ہے۔"

"میں بات کرتا ہوں ان سے۔" ماموں احتشام الدین ایک اہم سیاسی آدمی تھے اور اپنے شہر میں بہت کچھ کرتے رہتے تھے، دو تین بار الیکشن بھی لڑا تھا اور کامیاب ہوئے تھے۔ بڑے زبردست تعلقات تھے ان کے۔ خاص طور سے ایک بہت بڑی سیاسی شخصیت سے ان کا گہرا تعلق تھا۔ یہ سیاسی شخصیت شمشیر احمد خاں کی تھی جو ملکی سیاست میں بہت بڑے حصے دار رہے تھے اور ان کے بارے میں یہ بات طے شدہ تھی کہ وہ جب بھی منظر عام پر آئے انہوں نے فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ وزیر بھی رہ چکے تھے اور حکومتوں کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ ان کا سیاسی میدان بھی چمکتا رہا تھا۔ وہ احتشام الدین پر بڑی پیار کی نگاہ رکھتے تھے اور احتشام الدین جانتے تھے کہ ان کا نام منظر عام پر آ جائے تو بھلا کس کی مجال ہے کہ وہ عمل کر سکے جو ان کے خلاف ہو۔

انہوں نے سب انسپکٹر سے کہا "آپ رُک جایئے میں آپ کے انچارج سے بات کرتا ہوں، بلکہ آیئے ذرا نمبر ملایئے اپنے تھانے کا" ایس آئی مرعوب ہو گیا تھا۔

ایس آئی نے نمبر ملایا اور اس کے بعد ماموں احتشام الدین ایس ایچ او سے بات کرنے لگے۔

"جناب میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں، جو لڑکی کالج کے ہنگاموں میں شریک ہی نہیں تھی، آپ اسے کیوں تھانے طلب کرنا چاہتے ہیں۔"

"صرف بیان لینے کے لئے کیونکہ ہنگامہ انہی کی وجہ سے ہوا ہے۔" تھانہ انچارج نے جواب دیا۔

"تو پھر آپ یوں کیجئے کہ یہاں آ کر اس کا بیان لے لیجئے میں آپ کو شمشیر احمد خاں صاحب کا حوالہ دے سکتا ہوں، اگر آپ چاہیں تو ان سے بات بھی کرا دیتا ہوں آپ کی۔"

"آپ کون صاحب بول رہے ہیں؟"

"میرا نام احتشام الدین ہے، سمجھے آپ، کئی بار الیکشن بھی جیت چکا ہوں اور اعلیٰ عہدوں پر رہ چکا ہوں۔"

"ٹھیک ہے، ہم گھر پر ہی آ کر بیان لے لیں گے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" تھانہ

انچارج نے شمشیر احمد خاں کا نام سن کر کہا اور احتشام الدین صاحب نے ایس آئی کو فون دے دیا۔ ایس آئی مطمئن ہو کر چلا گیا تھا، لیکن گھر میں شدید سنسنی پیدا ہو گئی تھی۔

پولیس کا کسی شریف آدمی کے گھر آ جانا بڑی دہشت کا سبب ہوتا ہے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ عظمٰی اور صنوبر بھی کالج سے واپس آ گئی تھیں، ان سے وہاں کے حالات کے بارے میں پوچھا گیا تو یہ بات کنفرم ہو گئی کہ راحیلہ کا وہاں کوئی نام ونشان نہیں تھا۔ لڑکوں نے خود ہی اس کے حق میں نعرے بازی شروع کی تھی۔

پولیس کو اپنا فرض پورا کرنا تھا۔ انسپکٹر نے بھرپور تعاون کیا تھا۔ شریف آدمی سادہ لباس میں اپنے عملے کے کچھ افراد کے ساتھ آیا تھا اور بڑے اخلاق سے ان لوگوں سے ملا تھا۔ یہ سب بھی بہت متاثر ہوئے تھے۔

"میرا نام اشرف خان ہے جناب، میں نے خود آپ کو چوہدری شمشیر احمد خاں کے پاس دیکھا ہے۔ ایک بار حویلی میں بھی آپ سے ملاقات ہوئی تھی۔" تھانہ انچارج نے کہا۔

"ہاں...... آپ کی شکل بھی مجھے کچھ جانی پہچانی سی لگ رہی ہے۔" ماموں احتشام نے بلاوجہ کہا۔

"وہ جناب، ہم تو چوہدری صاحب کی رعیت میں سے ہیں، انہی کی زمینوں پر رہنے والے ہیں، میرے دو بھائی بھی ان کے پاس کام کرتے ہیں۔"

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر، کوئی کام ہو تو مجھے بتایئے۔ آپ نے ہمارے ساتھ بہت مہربانی کی ہے۔" احتشام نے کہا۔

"خادم ہیں جناب آپ کے۔ کام بتانا ہے ہمیں لیکن پہلے آپ کی خدمت کر لیں، بی بی سے بات کرا دیجئے۔ ہم بیان لکھ لیتے ہیں۔"

راحیلہ کو کمرے میں بلا لیا گیا اور محرر بیان کا رجسٹر کھول کر قلم لے کر بیٹھ گیا۔ راحیلہ نے بیان دیا کہ سب لوگ پکنک پر گئے تھے۔ ظفر اس کے پاس کھڑا تھا اچانک وہ بھی دوسرے لڑکوں کو دیکھ کر پرجوش ہو گیا اور جھیل میں کود پڑا۔ اس نے بتایا کہ ظفر سے تو کبھی کالج میں بھی اس کی بات نہیں ہوتی تھی وہ بھلا کیسے اسے اکساتی۔ کچھ لڑکوں نے پرنسپل صاحب کو غلط اطلاع دی۔ یہ میرے ذاتی مخالف لڑکے تھے جس کے نتیجے میں پرنسپل صاحب نے بغیر کسی تحقیقات کے مجھے

کالج سے نکال دیا۔ میرے ساتھی لڑکے پرنسپل صاحب کی اس زیادتی پر مشتعل ہوئے جبکہ میں خود پرنسپل صاحب کے حکم کی تعمیل میں کالج چھوڑ کر گھر آ بیٹھی تھی۔''

''آپ ان لڑکوں کے نام بتائیں، میں انہیں دیکھ لوں گا۔'' انچارج نے کہا اور راحیلہ نے ان کے نام بتا دیئے۔

''اوہو...... یہ بڑے زخمی ہیں، خیر ٹھیک ہونے کے بعد انہیں دیکھ لوں گا۔''

''اس کے علاوہ میں مظفر صاحب کے بارے میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا ہوں انچارج صاحب۔'' راحیل احمد نے کہا۔

''یہ کون بزرگ ہیں؟''

''متوفی ظفر کے والد......''

''جی بتائیے۔''

''وہ دو بدمعاشوں کو لے کر میرے گھر آئے تھے اور مجھے دھمکیاں دے کر گئے تھے کہ وہ ہمیں دیکھ لیں گے۔ انہوں نے بھی میری بیٹی کو اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار قرار دیا تھا۔''

''دو بدمعاشوں کو لے کر آئے تھے یہاں آپ کے گھر......!''

''جی......!''

''فوراً پرچہ کرائیے۔ یہ تو سنگین جرم ہے۔''

''بس میں اس لئے خاموش ہو گیا کہ غمزدہ انسان ہے جوان بیٹے کی موت کا غم کھائے ہوئے ہے، غم میں بکواس کر رہا ہے۔''

''دوبارہ پھر کوئی بات کی۔''

''نہیں۔ پھر تو نہیں کی۔''

''ٹھیک ہے آپ ہمدردی میں خاموش رہنا چاہتے ہیں تو دوسری بات ہے ورنہ میں انہیں بھی ٹھیک کر دوں گا۔''

''آپ بہت مہربان افسر ہیں، اشرف خاں صاحب۔ ہاں ایک کام اور کر دیں اگر ممکن ہو سکے۔''

''حکم کریں جناب۔'' افسر نے کہا۔

''ہو سکے تو اخبار والوں کا منہ بند کرادیں۔ ہم شریف لوگ ہیں اور بات لڑکی ذات کی ہے لوگ انگلیاں اٹھانے لگیں گے۔''

''ہنگامے کی خبریں تو اخبار والے ضرور چھاپیں گے جن لوگوں سے میری دوستی ہے ان سے بات کروں گا کہ بی بی کا نام نہ چھاپیں۔ میں کوشش کروں گا۔''

انچارج نے واقعی کوشش بھرپور کی تھی جس کے نتیجے میں اخبار والوں نے [illegible]یلہ کو صرف ''ر'' لکھا تھا لیکن راحیلہ اس ''ر'' کو پڑھ کر بہت برافروختہ ہوئی تھی۔

''خدا غارت کرے ان پردہ پوشوں کو، آپ دیکھئے ناماموں جان، لکھنا تھا تو پورا نام لکھتے۔''

''کیوں۔ ایسا کیوں چاہتی ہو تم...... اس طرح نام اُچھلتا ہے بدنامی ہوتی ہے۔''

''یہی اختلاف ہے مجھے آپ لوگوں سے۔ ہم نئی نسل کے لوگ حقیقتوں کے پجاری ہیں۔ ہر سچ اور جھوٹ کو فیس کرنا چاہتے ہیں اور آپ مصلحتوں کے غلاف میں لئے دیئے کے شوقین ہیں۔ میرا کون سا قصور تھا جو میری بدنامی ہوتی۔''

''تم نہیں سمجھتی بیٹی۔ لوگ بڑے فتین ہوتے ہیں، بات کا بتنگڑ بنا دینا ان کی ہابی ہوتی ہے۔ خاص طور سے لڑکوں کے والدین۔ فی زمانہ کسی کی بیٹی کا رشتہ دینا گویا اس کے پورے خاندان پر احسان ہوتا ہے۔ کل ہی تمہارے رشتے کے سلسلے میں عظیم احمد آ رہے ہیں۔ اگر اخبار میں تمہارا نام چھپ جاتا اور وہ لوگ پڑھ لیتے تو پتہ نہیں کیا مین میخ نکالتے۔ تمہارا نام نہ چھپنا تو بہت اچھی بات ہوئی ہے۔''

''کل وہ لوگ آ رہے ہیں؟'' احتشام الدین نے راحیلہ کے لہجے میں چھپی ہوئی غراہٹ کو محسوس نہیں کیا تھا۔

دوسرے دن صبح ہی سے گھر کی صفائی ہونے لگی تھی۔ اختیاری خالہ پیغام لے کر آ گئی تھیں کہ وہ لوگ شام کو پانچ بجے آ رہے ہیں، اہتمام کر لیا جائے۔ راحیلہ کو خاص طور سے گھر پر رہنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ اس کے لئے لباس وغیرہ منتخب کئے گئے تھے۔ راحیلہ خاموشی سے سب کے احکامات کی تعمیل کر رہی تھی۔ بہرحال دن گزر گیا۔ راحیلہ کو خاصی بریفنگ دی گئی تھی۔ خاص طور سے ممانی جان نے اسے سمجھایا تھا۔

"دیکھو راحیلہ! تمہیں بہت اچھی طرح ان لوگوں سے پیش آنا ہے اب جب یہ بات طے ہوگئی ہے کہ تمہارا رشتہ کر دیا جائے تو بہتر یہ ہوگا کہ اپنے ماں باپ کی مدد کرو اور ان لوگوں کے دل میں اتر جاؤ۔"

"آپ بے فکر رہیں ممانی جان! میں اس طرح ان کے دل میں اتروں گی کہ ساری زندگی وہ میرے ہی گیت گاتے رہیں گے۔"

ممانی جان نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا "وہ تو مجھے اپنی بیٹی پر پورا یقین ہے اور پھر ان کی مجال کہ وہ کسی بات پر کوئی اعتراض کر سکیں، دیکھتے ہی تو لٹو ہو گئے تھے۔ ورنہ اصولی طور پر تو یہ رشتہ عظمیٰ کے لئے تھا۔"

ممانی جان نے باقی لوگوں کو بھی مطمئن کر دیا تھا۔ شام کے پانچ بجے جب عظیم احمد کی خوبصورت کار آ کر رکی تو استقبال کرنے والوں میں سبھی شامل تھے۔ عظمیٰ اور صنوبر بھی تھیں، راحیلہ بھی تھی، ماموں بھی تھے۔ عظیم احمد بڑے خلوص سے احتشام الدین سے ملے۔

"آپ تو بڑی معروف سیاسی شخصیت ہیں احتشام صاحب، آج کل کیا ہو رہا ہے؟"

"آیئے تشریف لایئے، آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہمیں، یہ بچے......؟"

"جی ہاں یہ میرا بیٹا شرجیل اور شمیل ہے، بس دو بیٹے ہیں۔ انہی سے زندگی کی ہر خوشی وابستہ ہے اور اب اپنی ان خوشیوں میں آپ کی شمولیت بھی چاہتے ہیں۔" عظیم احمد نے کہا۔

"کیوں نہیں۔ ہم آپ کو خوش آمدید کہتے ہیں۔"

ڈرائنگ روم میں داخل ہونے کے بعد سبھی بیٹھ گئے۔ عظمیٰ، صنوبر اور راحیلہ ایک صوفے پر تھیں لیکن بڑا نمایاں فرق تھا تینوں۔ میں شرجیل کئی بار چور نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھ چکا تھا۔ ماموں، ممانی، راحیل احمد، سعدیہ بیگم بڑی خوشگوار کیفیت میں ایک دوسرے سے بات چیت کر رہے تھے۔

ماموں احتشام نے کہا "بھئی بقیہ گفتگو کا سلسلہ کچھ چائے وغیرہ کے بعد شروع ہوگا۔ جاؤ عظمیٰ، صنوبر چائے کا انتظام کرو۔"

"میں بھی جاؤں۔" راحیلہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں بیٹا آپ بیٹھئے۔" عظیم احمد کی بیگم نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو راحیلہ بیٹھ گئی۔

"تو آپ کی سیاست کیسی جا رہی ہے؟"

"اصل میں، میں شمشیر احمد خاں صاحب کی پارٹی میں ہوں، اوپر سے جو احکامات ملتے ہیں بس انہی کی تعمیل کرتا ہوں، سچی بات ہے عمر کے اس حصے میں باقاعدہ کسی عہدے کا طلبگار نہیں ہوں۔ اللہ کا دیا سب کچھ ہے، ہاں خاں صاحب اگر کچھ کہیں تو دوسری بات ہے، آپ کو پتہ ہے کہ الیکشن آنے والے ہیں، خاں صاحب کا متحرک ہونا لازمی امر ہے ویسے بھی موجودہ حکومت کے کچھ ایسے معاملات چل رہے ہیں جن کی وجہ سے کچھ سیاسی پیچیدگیاں رونما ہونے کا خدشہ ہے۔"

"ایک بات بتایئے یہ شمشیر احمد خاں کوئی وزارت وغیرہ نہیں لیتے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ ایسی شخصیت کے مالک ہیں کہ انہیں بہترین عہدے دیئے جا سکتے ہیں لیکن وہ صرف ایک ہی بار وزیر اعلیٰ کے عہدے پر فائز رہے ہیں اور اس کے بعد عہدوں سے بچتے ہی رہے ہیں۔"

احتشام الدین نے فخریہ انداز میں گردن ہلائی اور بولے۔ "آپ کو ان کے خاندانی پس منظر کا علم ہے، اتنے بڑے زمیندار ہیں کہ ان کی ٹکر کے کچھ ہی لوگ نکلیں گے۔ زندہ دل اور باذوق آدمی ہیں، زندگی میں بھرپور دلچسپی لیتے ہیں سمجھ لیجئے کہ وہ بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہ گر ہیں۔"

"کیا بات ہے شمشیر صاحب کی!"

ناشتے کا بندوبست کیا گیا۔ آج فیصلہ کن بات ہی ہونی تھی۔ چنانچہ راحیل احمد نے کافی تکلف کیا تھا۔ ماموں بھی موجود تھے انہوں نے بھی خاطر مدارت کے انتظام میں کافی دلچسپی لی تھی۔ ناشتے کی میز پر عظیم احمد مسلسل کہتے رہے۔ "بھئی آپ نے زیر بار کر دیا ہے، یہ کیا بات ہوئی، اتنا تکلف؟"

"نہیں بھائی آپ کی محبت ہے، آپ یہاں تشریف لائے۔"

"کب تک قیام ہے آپ کا یہاں پر؟" عظیم احمد نے پوچھا۔

"ہوں ابھی ایک آدھ ہفتے، اس کے بعد ذرا مصروفیت ہو جائے گی الیکشن کی وجہ سے، چنانچہ آنا مشکل ہوگا یہ ہماری اکلوتی بہن ہیں جنہیں اگر ایک دو مہینے نہ دیکھا جائے تو بس یوں سمجھ لیجئے کہ طبیعت پر بوجھ سوار ہو جاتا ہے اور یہ عزیزہ بس یہ تو ہماری زندگی کی طرح سے ہیں۔ سب کچھ ہیں یہ ہماری۔" احتشام الدین نے راحیلہ کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ عظمیٰ اور صنوبر

وغیرہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔

ناشتے سے فراغت ہوئی تو عظیم صاحب نے کہا ''ہاں بھئی میرا خیال ہے اب کچھ کام کی باتیں ہوجائیں۔''

''بے شک......لیکن میں چاہ رہا ہوں کہ دقیانوسیت نہ اختیار کی جائے بچیوں کے سامنے ہی بات کرلی جائے۔''

''آپ لوگ مناسب سمجھتے ہیں تو ہمیں کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔'' عظیم احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں بھئی! تھوڑی سی آزادی تو بچیوں کو بھی ہونی چاہئے جو بہت سے گھرانوں میں نہیں ہے۔''

''جی جی۔'' بڑا خوشگوار ماحول تھا۔ شمیل اور شرجیل بھی بہت دلچسپی لے رہے تھے۔ عظیم احمد نے نیاز مندی سے کہا: ''ہم نے اپنی درخواست آپ تک پہنچا دی تھی، وہ اصل میں بس راحیلہ بیٹی دل کو بھا گئی۔ بچیاں ماشاءاللہ سبھی اپنی ہیں بہت پیاری ہیں لیکن اب جب آپ نے اتنا موقعہ دیا ہے تو یہ کہنے میں عار نہیں ہے کہ شرجیل بھی راحیلہ کے حق میں ہیں۔ ہم آپ سے یہ درخواست کرنا چاہتے ہیں کہ راحیلہ بیٹی کے لئے شرجیل کا رشتہ منظور کرلیں، ہم بہت شکر گزار ہوں گے۔''

''اصل میں بھائی صاحب کچھ ریت رواج ہوتے ہیں، جب بچیوں کی شادی کا سلسلہ آتا ہے تو بڑی سے آغاز ہوتا ہے بعد میں چھوٹیوں کا نمبر آتا ہے، عظمیٰ سب سے بڑی بیٹی ہے اور......''

''بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ بہن لیکن میں سمجھتا ہوں کہ وقت کا یہی تقاضا ہے کہ دقیانوسیت چھوڑی جائے۔ اب دیکھئے آپ نے کتنا بڑا قدم اٹھایا ہے، بچیوں کو سامنے بٹھا کر بات ہورہی ہے، کم از کم ہم ان کے خیالات سے بھی واقف ہوسکتے ہیں۔''

''ہاں وہ تو ٹھیک ہے ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہے، راحیلہ کو بھی اسی لئے سامنے بٹھایا گیا ہے۔''

''یہ بہت اچھی بات ہے کہ بچے اور بچیوں نے ایک دوسرے کو دیکھ لیا۔ راحیلہ بیٹے!

تمہیں یہاں جس قدر آزادی ملی ہے اس سے کہیں زیادہ آزادی ہمارے گھر میں ہوگی۔ تم بتاؤ کیا ہم لوگ تمہیں قبول ہیں؟''

''کیا مجھے بات کرنے کی اجازت ہے ماموں جان؟'' راحیلہ نے اپنے گھر والوں سے پوچھنے کے بجائے احتشام الدین سے پوچھا اور وہ چونک پڑے۔

''ہاں ہاں۔ راحیل احمد نے بھی یہ بات قبول کی ہے کہ سامنے بٹھا کر بات کرلی جائے تو پھر جو کچھ تمہارے دل میں ہے میرے خیال میں بولنا زیادہ مناسب ہے۔''

''یہ شرجیل ہیں۔'' راحیلہ نے شرجیل کی جانب انگلی اٹھا کر کہا، اس کا لہجہ ہی ان لوگوں کو چونکانے کے لئے کافی تھا، بڑی پختگی اور بڑا عزم تھا اس لہجے میں۔

''ہاں یہ شرجیل ہے اور یہ شمیل۔''

''شرجیل صاحب! کیا میری دونوں بہنیں بدشکل ہیں؟'' راحیلہ نے سوال کیا۔

شرجیل بغلیں جھانکنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔

''نہیں۔''

''آپ رشتہ کرنے نکلے ہیں یا بھیڑ بکریاں دیکھنے کے کون سی بھیڑ خوبصورت ہے اور کون سی بدصورت۔ میرے ماں باپ نے آپ کو موجودہ وقت کی اُلجھن بتائی اور کہا کہ ہمارے معاشرے میں بڑی بیٹی یا بڑے بیٹے سے رشتے کا آغاز ہوتا ہے اور اس طرح ترتیب سے بیٹے اور بیٹیوں کے رشتے کئے جاتے ہیں۔ کیا آپ کو اس بات کا اندازہ ہے کہ بڑی بہنوں سے پہلے میری شادی ہوگئی تو لوگ میری بہنوں کے بارے میں کیا سوچیں گے۔'' پھر وہ والدین سے مخاطب ہوکر بولی ''عظیم احمد صاحب اور محترمہ آپ کیا مجھے بتانا پسند کریں گے کہ میرے لئے آپ اپنے بیٹے کا رشتہ کیوں چاہتے ہیں؟'' کوئی کیا بتاتا جس طرح گفتگو کا آغاز ہوا تھا اس نے سب کو ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے پر مجبور کردیا تھا۔ عظیم احمد تو بغلیں جھانکنے کے سوا کچھ نہ کرسکے۔ صوفیہ بیگم نے بولنے کی کوشش کی۔ ''بیٹی، پسند کی کوئی خاص وجہ تو نہیں ہوتی۔''

''جھوٹ بول رہی ہیں آپ، وجہ ہوتی ہے خیر...... آپ لوگوں نے میری بہن کو نظر انداز کرکے مجھے پسند کیا۔ آپ کو احساس ہے کہ میری بہن کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس نے خود کو کیا سمجھا ہوگا۔ کیا آپ نے اس کا احساس کیا؟''

''میں نے کہا نا...... یہ تو پسند کی بات ہے۔''

''جو لوگ کسی کے جذبات، کسی کے احساسات کا خیال نہ رکھیں، کیا ہم انہیں اچھا کہہ سکتے ہیں۔ شرجیل صاحب آپ کی مالی حیثیت کیا ہے؟''

شرجیل اس سوال پر کچھ دیر تو بھونچکا رہا، پھر اٹکتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''اللہ کا شکر ہے، میرا ذاتی بینک بیلنس ہی پچاس لاکھ ہے۔''

''صرف......؟''

''جی...... جی ہاں اور کاروبار بھی ہے۔''

''پچاس لاکھ تو اس دور میں کچھ نہیں ہوتے، میں بس یہی جاننا چاہتی تھی کہ آپ میں کون سے سرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جن کی بناء پر آپ کی پسند کی کوئی اہمیت ہو، سنئے میں اپنے لئے تو کیا آپ کو اپنی بہن کے لئے بھی ناپسند کرتی ہوں۔ آپ جیسے گھٹیا لوگوں کی میرے گھرانے میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

''جیتی رہو بیٹی، شکر یہ راحیل صاحب۔ یہ سب پری پلاننگ تھا یا صرف صاحبزادی کے خیالات ہیں؟'' عظیم احمد نے راحیل احمد سے کہا۔

''راحیلہ۔ کیا بدتمیزی کر رہی ہو، دماغ خراب ہو گیا ہے کیا۔ معافی مانگو ان لوگوں سے۔''

''دماغ آپ لوگوں کا خراب ہو گیا ہے میری بہن کی توہین کی گئی ہے اور میں ان لوگوں سے تمیز سے بات کروں۔ تھوکتی ہوں میں ان لوگوں پر......'' راحیلہ تیز تیز قدموں سے باہر نکل گئی۔ اندر سکوت طاری ہو گیا تھا۔

''اب آپ کہئے اے مغرور حسینہ تیرا غرور نہ توڑا تو شرجیل نام نہیں ہے۔'' شمیل نے شرجیل کے کان میں سرگوشی کی۔

''یار کمال کی لڑکی ہے۔'' شرجیل آہستہ سے بولا۔

یہ لوگ اس طرح کی باتیں کر رہے تھے، ادھر راحیل احمد غصے سے کانپ رہے تھے۔ سعدیہ بیگم کی سٹی گم تھی، صوفیہ بیگم اور عظیم احمد کی کیفیت کا اندازہ نہیں ہو رہا تھا، احتشام الدین اور ان کی مسز تشویش کا شکار تھے۔

عظیم احمد نے کہا ''ہم آپ کے خاندان میں شامل ہونا چاہتے تھے، آپ یقین کریں

آپ کی دونوں بڑی بچیاں بھی ہمیں پسند تھیں بس یہ بچی اچھی لگی تھی لیکن اب ہمیں اجازت دیجئے۔ آپ کے گھر میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا۔''

''مجھے افسوس ہے۔ کسی جگہ اگر میرے ساتھ بھی ایسا ہوا ہوتا تو میرا بھی یہی ردعمل ہوتا۔ میں آپ سے شرمندہ اور معذرت خواہ ہوں۔''

''ہونا پڑتا ہے۔ اگر شروع ہی سے اولاد کی صحیح تربیت کر لی جائے تو یہ دن نہیں دیکھنا پڑتا۔'' عظیم احمد نے کہا اور بیوی اور بیٹوں کے ساتھ اُٹھ گئے۔ جب وہ چلے گئے تو راحیل احمد غصے سے آگ بگولا اُٹھے، صحن میں جا کر ایک رسی تلاش کی اور راحیلہ کے کمرے کی طرف چل پڑے۔ ان کا چہرہ انگارہ ہو رہا تھا۔

''ہوش میں آؤ راحیل احمد، کیا جوان بیٹی پر ہاتھ اٹھاؤ گے۔''

''ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا، آج اس کے غرور کو ہمیشہ کے لئے خاک میں ملا دوں گا، پوری زندگی اذیت میں گزاری ہے اس کی وجہ سے، آج فیصلہ کر دوں گا۔''

''پاگل ہو گئے ہو کیا؟''

''یہی سمجھ لیجئے بھائی صاحب۔ خدا کے لئے اس وقت مجھے معاف کر دیجئے۔ آپ نے زیادہ مداخلت کی تو میں آپ کا احترام نہیں کروں گا۔''

راحیل احمد راحیلہ کے کمرے کے دروازے پر پہنچ گئے۔ دروازہ مضبوط اور اندر سے بند تھا۔ ہاں اس کے قریب کی کھڑکی کھلی ہوئی تھی جس سے اندر دیکھا جا سکتا تھا۔ راحیلہ مصروف تھی۔ وزنی بیڈ، گدا، اندر رکھی ہوئی میز کرسی، غرض کمرے میں جو وزنی چیز تھی وہ دروازے کے سامنے ڈھیر کر دی گئی تھی۔ یہ منظر کھڑکی سے دیکھا گیا۔ راحیل احمد نے پہلے دروازے پر زور آزمائی کی پھر بولے۔ ''راحیلہ دروازہ کھول۔''

''سوری پیارے ابو...... زندگی اللہ کی امانت ہے اس کی حفاظت کرنا انسان کا فرض ہے۔''

''میں کہتا ہوں دروازہ کھول، ورنہ میں اسے توڑ دوں گا۔''

''میں نے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگا لیا ہے ابو...... اور پھر آپ اس کے سامنے اشیاء کے انبار دیکھ رہے ہیں یہ آسانی سے نہیں ٹوٹے گا۔ سوائے اس کے کہ آپ خود کو زخمی کر لیں۔''

”میں تجھے جان سے ماردوں گا۔“ راحیل احمد دھاڑے۔

”مجھے پتہ تھا کہ آپ اتنے ہی ناراض ہو جائیں گے۔ چنانچہ میں نے اپنی جان بچانے کے انتظام کر لئے ہیں۔ کھانے پینے کی جتنی اشیاء لاسکتی تھی لے آئی ہوں پانی کا ذخیرہ بھی کر لیا ہے۔ یہ دیکھئے چائے کے لئے چولہا، پتی اور خشک دودھ، چینی سب جمع کر لیا ہے۔ میں نے، باتھ روم اٹیچ ہے ہی۔“

یہ تمام باتیں سچ تھیں، کھڑکی کے اندر سے دیکھا جاسکتا تھا۔ راحیلہ نے حد کر دی تھی۔ دوسرے لوگوں کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ قہقہے لگائیں یا سنجیدہ رہیں۔

”اس سے کہو کہ دروازہ کھولے سعدیہ...... ورنہ...... میں خودکشی کرلوں گا۔“ راحیل احمد نے سعدیہ بیگم سے کہا۔

”راحیلہ...... دروازہ کھول دے، کیوں گھر کی بربادی پر تلی ہوئی ہے۔“

”اے سنگدل ماں، اپنا سہاگ بچانے کے لئے اولاد کو قربان کرنا چاہتی ہو۔ ایسا نہ کرو، ماتا کی تاریخ میں انقلاب آ جائے گا......!“ راحیلہ نے کہا اور اس بار بے اختیار احتشام الدین کی ہنسی نکل گئی۔ انہوں نے راحیل احمد کا ہاتھ پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے کہا۔ ”آؤ راحیل احمد غصے پر قابو پاؤ تمہیں پتہ ہے کہ غصہ حرام ہوتا ہے۔“

”ہاتھ چھوڑیئے میرا۔ میں اسے......“ راحیل احمد نے اس زور سے ہاتھ جھٹکا دیا کہ احتشام الدین توازن قائم نہ رکھ سکے اور زمین پر گر پڑے۔ اب صورتحال بدل گئی۔ راحیل احمد بہرحال احتشام الدین کا بے حد احترام کرتے تھے۔ سب لوگ احتشام الدین کی طرف دوڑ پڑے۔

احتشام الدین نے سنبھل کر اٹھتے ہوئے کہا۔

”اتفاق ہے۔ اتفاق سے میرا پاؤں پھسل گیا۔ میں بالکل ٹھیک ہوں تم آؤ میرے ساتھ۔“ انہوں نے اب بھی راحیل احمد کا سہارا لیا ہوا تھا۔ راحیل احمد سخت شرمندہ ہو گئے تھے۔ خاموشی سے وہاں سے چل پڑے۔ کچھ عجیب سی فضا ہو گئی تھی۔

”مجھے بتایئے احتشام بھائی، میں کیا کروں۔“

”بس شدت پسند نہ بنو، اخبارات میں خبریں پڑھتے رہتے ہو گے۔ والدین کی ڈانٹ

ڈپٹ سے غصے میں آ کر خودکشی کر لی۔ یہ سب اسی طرح ہوتا ہے۔“

”یہ تو بلیک میلنگ ہو گئی۔“

”ہاں ہے۔ جدید دور میں یہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہ عیش زدہ بچے ماں باپ کے ساتھ یہ سلوک نہ کریں تو کیا کریں۔“

”میں تو بالکل معتدل رہا ہوں بھائی صاحب۔ ہمیشہ چادر دیکھ کر پاؤں پھیلائے ہیں۔ وہ ہے ہی الگ مزاج، الگ فطرت کی مالک، طرح طرح کی کہانیاں سننے کو ملتی رہی ہیں اس کے بارے میں۔“

”مثلاً......؟“ ماموں احتشام بولے۔

”کیا بتاؤں آپ کو۔ کالج میں جو کچھ ہوا آپ کو پتہ چل گیا ہے، مجھے تو خطرہ ہے کہ کوئی حادثہ نہ ہو جائے اس کی وجہ سے۔“

”کیسا حادثہ......“

”بھائی صاحب! مظفر صاحب بیٹے سے محروم ہو گئے ہیں۔ دو اور نوجوان ایک دوسرے سے لڑ مرے ہیں۔ کسی کا دماغ گھوم گیا تو جانے کیا کر ڈالے۔“

احتشام الدین سوچ میں ڈوب گئے تھے۔ پھر انہوں نے کہا ”ہاں، صورت حال سنگین تو ہے۔“

”آپ دیکھ لیجئے اور سنگین ہوتی چلی جائے گی۔ میں تو اب ہر قیمت پر اس کی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔ ان لوگوں کو تو اس نے ہاتھ سے نکال دیا ہے، کچھ اور کرنا پڑے گا۔“

”اس کے لئے ایک کام کرنا ضروری ہے۔ وہ یہ کہ اس سے اس بارے میں پوچھا جائے۔“

”مذاق میں اُڑا دے گی۔“ راحیل احمد بولے۔

”میں کوشش کروں گا کہ وہ سنجیدگی سے اپنا موقف بتائے۔“

”ٹھیک ہے۔ آپ کوشش کر لیں۔ میرا خیال ہے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔“

”زبردستی بھی تو نہیں کر سکتے، کوئی بھی خطرناک صورتحال ہو سکتی ہے۔ اب یوں کرو، اپنا رویہ بدل لو، ٹھنڈے ہو جاؤ۔“

"اس نے بڑی توہین کی ہے عظیم احمد کی۔"

"اپنا موقف بھی تو بیان کیا ہے۔ اس نے کچھ محسوس ہی کیا ہوگا۔ واقعی ہم انسانوں کو شو کیس میں رکھی ٹائی تو نہیں قرار دے سکتے کہ یہ نہیں وہ پسند آئی، خرید لی۔"

احتشام الدین ہی تھے جنہوں نے راحیلہ کو دلاسے دے کر کمرے سے باہر نکال لیا تھا۔

"میں تو خیر کسی نہ کسی طرح اپنا دفاع کر ہی لوں گی ماموں جان لیکن اگر ابو کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی تو ہمارے، میرا مطلب ہے کہ آپ کے اور میرے درمیان سے اعتماد کا رشتہ ختم ہو جائے گا۔"

"ٹھیک ہے، زیادہ بقراط بننے کی کوشش مت کرو۔"

راحیل احمد غصہ ور انسان تھے لیکن انہوں نے خود کو بڑی مشکل سے سنبھالا تھا۔ احتشام الدین کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا اس پر وہ سخت شرمندہ تھے۔ بہر حال راحیلہ سے سوال کیا گیا۔

"تم نے کالج چھوڑ دیا ہے، اب کیا کرو گی۔"

"بہت سے کالج ہیں ماموں جان۔"

"بہت سے دشمن بھی ہیں۔"

"آپ لوگوں کو ابھی اپنی راحیلہ کی بہادری کے بارے میں ہی تو معلوم نہیں ہے۔ دوستوں کے درمیان تو سبھی جی لیتے ہیں۔ دشمنوں میں جینا ہی تو زندگی ہے۔"

"یہ پھر فضول باتیں کر رہی ہے بھائی صاحب......" راحیل احمد بے قابو ہو کر بولے۔

"راحیل احمد تھوڑی دیر خاموش رہو گے۔" احتشام الدین نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"آپ پوچھئے اس سے، یہ گھر سے کالج گئی اور راستے میں اسے غنڈے مل گئے تو یہ کیا کرے گی؟" راحیل احمد نے کہا۔

"ملنے تو دیجئے ابو، اب پہلے سے کیا بتاؤں، اصل میں ذہین انسان وہی ہوتا ہے جو موقع پر سوچے اور کر ڈالے۔"

"اصل میں ہمارا ارادہ ہے کہ تمہاری شادی کر دیں راحیلہ، صورتحال کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ ہمیں تمہاری شادی عظمیٰ اور صنوبر سے پہلے کرنا ہوگی۔"

"تو کر دیجئے میں کب انکار کر رہی ہوں؟"

راحیلہ کے الفاظ نے ایک بار پھر سب کو حیران کر دیا تھا۔ انہوں نے ایک دوسرے کی شکلیں دیکھیں پھر ماموں احتشام نے کہا "راحیلہ! کچھ ایسی صورت حال ہوگئی ہے کہ ہمیں وہ باتیں کرنی پڑ رہی ہیں جو نہیں کرنی چاہئیں۔ تم یہ بتاؤ کیا تمہارے اپنے ذہن میں کوئی ایسا شخص ہے جس سے تم شادی کرنا چاہتی ہو؟"

راحیلہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے چہرے پر ہلکی ہلکی شرارت کے آثار تھے، کچھ لمحوں تک خاموش رہی اور اس کے بعد بولی "ہاں، میرے ذہن میں ہے۔"

راحیل احمد نے ہونقوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھا اور منہ کھول کر خاموش ہو گئے۔

"میرے ذہن میں ایک ایسا شخص ہے میں آپ کو بتاؤں کیسا ہے وہ، کسی بہت ہی عالیشان حویلی میں رہنے والا، جس کے چاروں طرف ملازموں کی فوج گردش کرتی ہو، جس گھر میں جاؤں وہاں میرے احکامات ماننے والے ہاتھ باندھے کھڑے ہوں، اعلیٰ سے اعلیٰ درجے کی گاڑیاں میرے انتظار میں دروازہ کھولے موجود ہوں۔ باوردی ڈرائیور میرے ان گاڑیوں کی طرف آنے کا انتظار کر رہے ہوں۔ اس حویلی یا گھر میں بہت اعلیٰ درجے کا سوئمنگ پول ہو۔ پارک ہو جس میں سرسبز و شاداب گھاس ہو، سمجھ رہے ہیں نا آپ اور اس گھر کے مالک کی حیثیت سے کوئی بھی بے وقوف میرے سامنے کھڑا ہو، مجھے اس پر اعتراض نہیں ہے۔"

راحیل احمد نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "ہاں مہارانی پیدا ہوئی ہے نا تو۔"

راحیلہ نے یہ الفاظ سن کر آنکھیں کھول دیں اور کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ "پیدا نہیں ہوئی ہوں ابو، بننا چاہتی ہوں، ماموں جان آپ میری حفاظت کی ذمے داری لے کر مجھے باہر لائے ہیں، سوچ لیجئے ایک بار پھر اعتماد ٹوٹا تو پھر کبھی قائم نہیں ہوگا۔"

"آہم...... راحیل احمد اس کی نہیں ہو رہی ہے بھئی۔" پھر انہوں نے راحیلہ سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ کوئی ایسا شخص تمہارے سامنے نہیں ہے۔"

"اگر آپ یہ سوچ رہے ہیں ماموں جان کہ میں نے کالج کے کسی گدھے سے دل لگایا ہے یا اور کوئی بے وقوف اس لڑکے جیسا جو منہ کھول کر اور دانت نکال کر کہہ دیتا ہے کہ جی مجھے عظمیٰ یا صنوبر نہیں راحیلہ پسند ہے، ایسا کوئی گدھا میرے ذہن میں جگہ نہیں پا سکتا میں اپنی زندگی انتہائی خوشگوار حیثیت سے گزارنا چاہتی ہوں، دولت کی ریل پیل چاہتی ہوں کسی ایسے بھاڑ میں جا کر

چولہا نہیں جھونکنا چاہتی جہاں مرد صبح کو گھر سے باہر نکلے اور رات کو محنت مزدوری کر کے تھکا ہارا آئے اور مجھ سے دو باتیں کرنے کے بجائے منہ میں کھانا ٹھونسے اور بستر پر لیٹ کر سو جائے۔ میں اپنی ناز برداری چاہتی ہوں، میرا موقف سمجھ لیا آپ نے۔"

"ان لوگوں نے سمجھا ہو یا نہ سمجھا ہو، میں نے سمجھ لیا ہے اور یہ پیش گوئی کر رہا ہوں کہ کسی مذبح خانے میں بکری کی طرح ذبح کردی جائے گی تو، تیرا اور کوئی مستقبل نہیں ہے۔"

راحیل احمد نے کہا۔

"دیکھئے ابو، آپ خود ہی کتنی بار کہہ چکے ہیں کہ تقدیر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں۔ ماموں جان نے میرا نظریہ پوچھا، میری خواہش پوچھی میں نے بتادی۔ اب کس کو کیا ملتا ہے یہ تو اللہ ہی جانتا ہے، آپ لوگ ایک بات ذہن نشین کر لیجئے کہ شادی اگر کی تو قاعدے ہی سے کروں گی۔ انتہائی کوشش کروں گی کہ مجھے میرے خوابوں کی تعبیر مل جائے ورنہ میں شادی نہیں کروں گی۔ اگر آپ لوگ واقعی میری شادی کرنا چاہتے ہیں عظمٰی اور صنوبر سے پہلے، جیسا کہ آپ نے کہا کہ حالات پیدا ہوگئے ہیں تو آپ میرے لئے وہ شخص تلاش کردیجئے یہاں کسی کی دال گلنا مشکل ہے، اوکے۔"

راحیل احمد نے بعد میں احتشام الدین سے کہا۔

"بھائی صاحب! یہ میرے بدن کا ناسور ہے، جو کچھ بکواس کر رہی ہے، آپ سوچ لیجئے میں جس حیثیت کا آدمی ہوں، کیا اس کی اس خواہش کو پورا کرسکتا ہوں؟"

"بھئی صورت حال بڑی اُلجھ گئی ہے، ایک کام کرو اگر مناسب سمجھو۔"

"خدا کے لئے کوئی فیصلہ کریں ورنہ اس لڑکی کی وجہ سے اسے تو نہیں مجھے خودکشی کرنا پڑے گی۔ میں ایک سیدھا سادھا ملازمت پیشہ آدمی ہوں، دماغی کام کرتا ہوں، کوئی گڑبڑ ہو جائے گی اس کی وجہ سے، کہیں حساب میں گڑبڑ ہوئی تو میری زندگی جیل میں گزرے گی، عذاب بن چکی ہے یہ میرے لئے۔ اب واقعی عذاب بن چکی ہے۔"

"اجازت ہو تو میں اسے اپنے ساتھ لے جاؤں، وہاں رکھوں گا، میری بیوی اسے دن رات سمجھائے گی، ماحول بھی تبدیل ہوجائے گا۔"

"اجازت کی ضرورت ہے بھائی صاحب، یہ تو آپ میری بہت بڑی مشکل حل کریں

گے۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ خدا اگر آپ اس کی کھوپڑی مین کوئی صحیح بات بٹھاسکیں تو اس کا رشتہ کر کے اسے دفع کردیجئے، خدا کی قسم مجھے ذرہ برابر اعتراض نہیں ہوگا۔ کیا سمجھے آپ؟"

"ہاں دیکھ لیں گے بعد میں سوچیں گے۔ میں اسے اپنے ساتھ چلنے پر راضی کرتا ہوں۔"

احتشام الدین نے کہا۔

راحیلہ ایک لمحے میں تیار ہوگئی تھی لیکن سعدیہ بیگم افسردہ ہوگئی تھیں۔

"میں نے اسے کبھی تنہا کہیں نہیں بھیجا، بھائی جان کے ہاں بھی گئی تو میرے ساتھ ہی گئی اور ساتھ ہی واپس آ گئی۔"

"خدا کے لئے، میرے اوپر رحم کریں آپ، وہ جس قدر سرکش ہوچکی ہے اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں، میں اس گھر کو چھوڑ کر چیختا ہوا کہیں باہر نکل جاؤں یا پھر آپ جلدی سے اس کے بارے میں فیصلہ کرلیں، دماغ ہوا میں اڑتا رہتا ہے ہر وقت۔ ارے خدا کی پناہ بتایئے کیا نہیں ہوا۔ وہ صاحب آئے دندناتے ہوئے اور اسے اپنے بیٹے کی موت کا ذمہ دار قرار دے دیا، مجال ہوسکتی ہے کسی کی کہ کسی کی بیٹی پر یہ الزام لگانے چلا آئے۔ خون خرابے ہوجاتے ہیں۔ میں اکیلا آدمی، کوئی بیٹا بھی نہیں ہے۔ طیش میں آ کر کسی کو ہلاک کردوں تو پھانسی کے تختے پر جانا پڑے گا اور پھر مرنے کے بعد بھی یہ احساس رہے گا کہ اپنی بیٹیوں کی کوئی خدمت نہیں کرسکا۔ بیچاری صنوبر اور عظمٰی کا کیا قصور ہے۔ ایسا لگتا ہے جیسے اس گھر میں ان کا تو کوئی وجود ہی نہیں ہے۔ کان دبائے وقت گزار رہی ہیں۔ کیسے کھیل ہو رہے ہیں۔ پولیس گھر تک پہنچ گئی۔ وہ تو اللہ بھلا کرے بھائی صاحب کا، ہم تو مذاق ہی اُڑاتے رہے ہیں ان کی سیاست دانی کا کہ جی بڑے سیاست دان بنے پھرتے ہیں مگر تم بتاؤ وہ نہ ہوتے تو کیا ہوتا، کس مشکل کا شکار ہوجاتے ہم لوگ، بیٹی تھانے جاتی بیان لکھوانے کے لئے اور پھر یہ بھی ہوسکتا تھا کہ مظفر صاحب کچھ کھلا پلا کر ہمارے خلاف کوئی خطرناک چکر چلوادیتے۔ میں تو بے موت مارا جاتا۔ لوگ انگلیاں اٹھا کر نجانے کیا کیا کہتے۔ ارے بابا اس کو جانے دو، اولاد ہے میری، میں بھی اسے اتنا ہی چاہتا ہوں مگر جو اولاد زندگی کا روگ بن جائے تم بتاؤ اس کے لئے اللہ سے کیا دعا کی جائے؟"

سعدیہ بیگم کو خود بھی ان تمام چیزوں کا احساس تھا، شوہر بیچارے مرنجاں مرنج، کبھی انہوں نے تھانے کچہری کا منہ نہیں دیکھا۔ اکاؤنٹس کے شعبے سے متعلق تھے لیکن اپنا ایک مقام رکھا

زندگی میں اور نیک نام ہی کہلائے۔ ایسا آدمی واقعی بچے تو خوشی سے پال سکتا ہے محنت مزدوری کر کے لیکن باقی جھگڑے اس کے بس کی بات نہیں ہوتے۔ بہرحال راحیلہ خوشی سے ماموں احتشام کے ساتھ چلنے کو تیار ہوگئی۔ ویسے بھی بڑی ہم آہنگی تھی پھر سب سے بڑی بات یہ کہ ماموں کا اپنے علاقے میں بڑا اچھا مقام تھا۔ جب بھی کبھی وہ ماں کے ساتھ ننھیال گئی ایک خوشگوار کیفیت محسوس کی اس نے۔ گھر بھی شہر اور دیہات کا ملا جلا نمونہ تھا۔ سامنے ہی تاحد نگاہ کھیت پھیلے ہوئے تھے جن میں مختلف چیزیں اگائی جاتی تھیں۔ زمینیں بے شک ماموں کی نہیں تھیں لیکن جن کی تھیں وہ ماموں کے آدمیوں میں سے تھے۔ ہر چیز گھر میں آتی تھی۔ سبزی، دودھ، موسم کی چیزیں، ایک الگ سا ماحول تھا جو راحیلہ کو ہمیشہ پسند آتا تھا تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد مکمل شہری زندگی ملتی تھی۔ آب و ہوا بھی بے مثال تھی۔ پھر سب سے بڑی بات یہ تھی کہ ماموں جان کی اپنی کوئی اولاد نہیں تھی۔ راحیلہ سے چونکہ بہت زیادہ محبت تھی اس لئے وہاں اس کا راج ہی ہوتا تھا۔

اس بار وہ تنہا ان کے ساتھ آئی تھی اور اپنے آپ پر ایک خوشگوار کیفیت طاری محسوس کرتی تھی۔ کالج سے ایک طرح سے چھٹکارا مل گیا تھا، یہ بھی اسے بُرا نہیں لگا تھا، زندگی میں تبدیلیوں سے پیار کرتی تھی۔

یہ انتہائی خوشگوار دن تھے اس کی زندگی کے، وہ کھیتوں میں نکل جاتی اور ہرنی کی طرح چوکڑیاں بھرتی پھرتی۔ ماموں بہت خوش تھے ابھی تک انہوں نے اس کی تربیت کا آغاز نہیں کیا تھا البتہ ممانی کے ساتھ مل کر وہ یہ سوچتے تھے کہ واقعی راحیلہ کے سلسلے میں کوئی اچھا قدم اٹھایا جائے۔

''میں اسے بڑے اعتماد کے ساتھ یہاں لایا ہوں تو کوئی ایسا ہی کارنامہ کر کے دکھانا چاہتا ہوں جو یادگار رہے۔''

''مثلاً'' ممانی پوچھتیں۔

''اب یار مثال کیا دوں۔ بس انسان کے اندر خواہشیں ہوتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کبھی میرے اندر کی خواہشیں پوری ہونے کا وقت بھی آ جائے۔''

''خواہشیں کیا ہیں؟''

''بس یہی کہ اسے یہاں لایا ہوں تو...... اسے کوئی، اچھا گھر دے دوں، میرا اس دنیا میں اور کون ہے۔'' یہ کہتے ہوئے احتشام الدین کی آواز بھرا گئی تھی۔

راحیلہ کو یہ ماحول بے حد پسند آیا تھا، قرب و جوار میں بہت سے گھر تھے جہاں ہر طرح کے لوگ رہتے تھے ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو ان زمینوں پر کام کرتے تھے جو احتشام الدین کے گھر کے سامنے تھیں، ایک طرح سے یہ احتشام الدین کی رعایا تھے۔ ان کے چھوٹے بڑے کام احتشام کراتے رہتے تھے۔ ان لوگوں کی بیٹیاں وغیرہ احتشام کے گھر آتی رہتی تھیں، جن میں سے کچھ راحیلہ کو پسند آئی تھیں اور وہ ان سے باتیں کیا کرتی تھی، یہاں بھی اس کی انا کو تسکین ملتی تھی کیونکہ یہ لڑکیاں راحیلہ کو آسمان سے اتری ہوئی کوئی حور سمجھتی تھیں اور اس سے اسی طرح پیش آتی تھیں۔

رحمت بی بی نے ایک دن راحیلہ کو بڑی عقیدت سے ایک جوڑا پیش کیا۔ یہ خالص دیہاتی طرز کا لہنگا چولی تھا۔

''بہت خوبصورت ہے، مگر یہ تو بہت مہنگا بنا ہوگا۔''

''سچ بتاؤں بی بی جان، میں نے خواب میں آپ کو اسی طرح کے جوڑے میں دیکھا تھا۔ میں نے بابا سے ضد کی کہ مجھے ایسا جوڑا بنانا ہے۔ بس اس نے میری مان لی۔''

''بہت پیارا ہے یہ۔'' راحیلہ نے کہا۔

''آپ مجھے اس کی قیمت دے دیں۔''

رحمت بی بی کے ان الفاظ پر راحیلہ کو حیرانی ہوئی لیکن اس نے جلدی سے کہا ''ہاں ہاں، ٹھیک ہے۔ میں خود تجھ سے یہی پوچھنا چاہتی تھی کہ کتنے پیسے لگ گئے اس میں۔ میں تجھے......''

''پیسے کی بات نہیں کر رہی بی بی جان۔''

''پھر......؟''

''ذرا باہر نکل کر دیکھئے، آسمان کالا ہو رہا ہے۔''

''تو پھر......؟''

''ہم سب نیلم باغ میں جمع ہو رہے ہیں، سدو کے کاکا نے درختوں میں جھولے ڈال دیئے ہیں، آپ بی بی جان یہ کپڑے پہن کر ہمارے ساتھ جھولا جھولیں۔ بس یہی اس کی

قیمت ہے۔''

راحیلہ نے حیرانی سے رحمت بی بی کو دیکھا۔ بہت سی فلموں کے سین اس کی آنکھوں میں گھوم گئے۔ وہ ہنس دی پھر بولی۔ ''ٹھیک ہے، کب چلنا ہے۔''

''بس آپ کو لینے آئی ہوں۔ بہت سی لڑکیاں نیلم باغ پہنچ چکی ہیں، میں آپ کے ساتھ جاؤں گی۔''

''چل مجھے اس کے پہننے کا طریقہ بتا۔'' راحیلہ نے کہا اور رحمت کو لے کر بیڈ روم میں آ گئی لباس پہن کر وہ خوش خوش باہر آئی ممانی جان کے سامنے پہنچی تو وہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔

''ارے یہ کپڑے کہاں سے آئے تمہارے پاس۔''

''رحمت نے گفٹ کئے ہیں۔''

''ٹیکہ لگا دوں۔ نظر لگ جائے گی۔'' ممانی جان نے کاجل لا کر اس کے رخسار پر تل لگا دیا۔

ممانی جان کو بتا کر وہ رحمت کے ساتھ نیلم باغ چل پڑی۔ یہ سب کچھ آئیڈیل تھا۔ کالج کے ماحول سے بالکل مختلف لیکن اس میں بھی اس کی پذیرائی کا پہلو تھا جو اسے مطمئن کرنے کے لئے کافی تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ خوب چہلیں رہیں، جھولا جھولا گیا، چھپن چھپائی کھیلی گئی، پھر جب شام جھلکنے لگی تو لڑکیوں نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔

''بہت اچھی جگہ ہے۔ ہم یہاں چاندنی راتوں میں بھی آ سکتے ہیں۔''

''نا بابا نا...... چاندنی میں یہاں روحوں کا بسیرا ہوتا ہے۔''

''ارے واہ۔ پھر تو میں ضرور آؤں گی۔ میں نے کبھی روحیں نہیں دیکھیں۔''

''اللہ نہ دکھائے، سایہ ہو جاتا ہے۔''

لڑکیاں واپس چل پڑیں۔ رحمت بی بی اور دوسری لڑکیاں راحیلہ کو گھر چھوڑنے آئیں۔ راحیلہ گھر کے گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو پورچ میں ایک انتہائی شاندار پجیرو کھڑی نظر آئی جس کے پیچھے والے دروازے کو باوردی ڈرائیور کھولے کھڑا تھا۔ پھر اس سے ایک پروقار شخص نیچے اترا، شارک اسکن سوٹ میں ملبوس ایک شاندار شخص، اس نے گردن گھما کر لڑکیوں کے اس غول

کو دیکھا......!

لڑکیاں تھوڑی سی جھجک گئی تھیں، لیکن راحیلہ نے گہری نگاہوں سے سفید سوٹ میں ملبوس اس شخص کو دیکھا۔ اس کی عمر پچاس کے لگ بھگ ہوگی۔ ہوسکتا ہے اس سے زیادہ ہو لیکن اس کی شاندار شخصیت نے عمر کو چھپا لیا تھا۔ وہ ایک محویت کے عالم میں ان لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا، شاید اس کی نگاہ راحیلہ پر جم گئی تھی۔ راحیلہ کے اندر ایسے لمحات میں جو تمکنت پیدا ہو جاتی تھی وہ اس وقت بھی پیدا ہو گئی تھی۔ اس نے نخوت سے اس شخص کو دیکھا اور پھر گردن گھما کر بولی ''تم لوگ اندر آ ؤ گی، آ جاؤ، بیٹھو کچھ دیر۔''

''نہیں بی بی جان، ابھی کچھ لمحوں میں رات ہو جائے گی، بس اتنے ہی وقت کی اجازت ہے، ورنہ پھر گھر والے ناراض ہوں گے اور پھر کبھی نہیں آنے دیں گے ہم چلتے ہیں۔''

لڑکیاں واپسی کے لئے مڑ گئیں۔ راحیلہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی اندر کی جانب چل پڑی۔ صدر دروازے پر رک کر اس نے پجیرو سے اترنے والے اس شخص کو دیکھا جو اب بھی وہیں محویت کے عالم میں کھڑا ہوا تھا۔ راحیلہ اندر داخل ہوگئی۔ راہداری میں جا رہی تھی کہ احتشام الدین نظر آ گئے۔ راحیلہ کو دیکھ کر بڑی محبت سے مسکرائے پھر گردن جھٹک کر بولے۔

''اللہ تجھے ہمیشہ بری نگاہوں سے بچائے، کہو کیسا وقت گزرا؟''

''میرا وقت تو جیسا بھی گزرا ماموں جان مگر باہر شاید آپ کے کچھ بن بلائے مہمان آئے ہیں جن کے بارے میں آپ کو علم نہیں ہے۔ ایک پجیرو باہر کھڑی ہے اور اس سے ایک صاحب سفید سوٹ پہنے نیچے اترے ہیں۔''

''ایں......'' احتشام الدین چونکے اور پھر بغیر کچھ کہے باہر کی جانب بھاگے۔ ادھر سفید سوٹ میں ملبوس شخص بھی دروازے کی طرف بڑھا تھا۔ احتشام الدین کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ارے خان صاحب آپ! اس طرح غریب خانے پر۔''

''یار غریبی اور امیری کی بات مت کرو، چلو اندر چلو۔''

''تشریف لائیے، تشریف لائیے۔'' احتشام الدین نے کہا اور جس شخص کو خاں صاحب کہہ کر مخاطب کیا گیا تھا وہ احتشام الدین کے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

''آپ یقین کیجئے آنکھوں کو یقین نہیں آ رہا۔''

''بھائی تمہارے سامنے موجود ہوں۔ اپنی آنکھوں کو یقین دلاؤ۔'' خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک صوفے پر بیٹھ گئے، پھر بولے ۔

''بہت ہی ٹھنڈا پانی پلواؤ۔''

''جی جی......'' احتشام الدین خود ہی اندر دوڑ گئے تھے، ملازموں کے بجائے بیوی سے کہا۔ ''پانی پانی......شمشیر احمد خاں صاحب آئے ہیں۔''

''ہمارے ہاں......؟''

''ہاں، ڈرائنگ روم میں بیٹھے ہوئے ہیں، ذرا صاف سے برتنوں میں پانی کا بندوبست کرو۔''

''آپ چلیں میں بھیجتی ہوں۔''

''نہیں خود لے کر جاؤں گا، میں دنگ رہ گیا ہوں۔ کیسی عجیب بات ہے، بھئی کمال ہے۔''

بیوی نے خود اپنے ہاتھوں سے انتہائی خوبصورت واٹر سیٹ میں یخ ٹھنڈا پانی بھرا اور احتشام الدین ٹرے ہاتھوں میں سنبھالے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

''ارے......بھئی احتشام الدین شرمندہ کرنا تو کوئی تم سے سیکھے، گھر میں نوکر نہیں ہیں کیا؟''

''خاں صاحب آپ کا نوکر ہی پانی لایا ہے میرے لئے تو اس وقت انتہائی خوشگوار لمحات ہیں، آپ اس طرح......''

''بیٹھو اور کسی ملازم کو بلاؤ اور کہو عمدہ سی چائے بنائے، ویسے بھابھی کے ہاتھ کی چائے ایک بار پہلے بھی پی چکا ہوں، بہت اچھی چائے بناتی ہیں ان سے کہو کہ چائے کے ساتھ بھی کچھ دیں بھوک لگ رہی ہے۔''

احتشام الدین اندر کی طرف بھاگنے لگے تو شمشیر احمد خاں نے کہا ''بھئی، ملازم کو بلاؤ اور اسے ہدایت کرو۔''

احتشام الدین خجل ہو کر رُک گئے تھے۔ پھر انہوں نے اپنے ملازم کو بلایا اور اسے ہدایت

دی۔ ملازم ادب سے گردن خم کر کے چلا گیا تھا۔

شمشیر احمد خان کہنے لگے ''اصل میں تمہارے پاس میری آمد ضروری تھی، کچھ ایسی ہی خفیہ اور ضروری باتیں کرنی ہیں تم سے۔''

''میں حاضر ہوں۔''

''اس بار کچھ ایسے معاملات ہیں جن میں تمہیں میرا ایک فریق بننا پڑے گا۔''

''آپ کا فریق اور میں......''

''سنتے رہو یار۔ تم یہ بات جانتے ہو کہ مجھے الیکشن میں اپنی پارٹی کے لئے بھرپور کام کرنا پڑے گا۔''

''وہ تو ظاہر ہے۔'' احتشام الدین صاحب نے کہا۔

''اور تمہیں میرے مخالف کا ساتھ دینا پڑے گا۔''

''جی؟''

''حیران نہ ہو، پوری بات سن لو اس کے بعد حیرانی کا جتنا دل چاہے اظہار کر لینا۔'' شمشیر احمد خاں نے ہاتھ اٹھا کر کہا۔ ''راؤ افتخار احمد میرے علاقے سے الیکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں۔''

''جی مجھے معلوم ہے، پرانا فیصلہ یہی تھا۔''

''اس کے مدمقابل ایک اور شخص رانا جبار کھڑا ہو رہا ہے۔''

''رانا جبار وہ......''

''ہاں وہی رانا جبار، اکیلا رانا جبار ہی تو ہے جو راؤ افتخار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کھڑا ہو سکتا ہے۔ ورنہ کسی اور کی مجال کہاں۔''

''آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے سے کیا ہوتا ہے خاں صاحب، بھلا کہاں رانا جبار اور کہاں راؤ افتخار اور پھر ہماری......''

''رانا جبار ہماری مخالف پارٹی کا بندہ ہے، لیکن راؤ افتخار احمد کے مقابلے میں اسے کامیاب ہونا چاہئے۔''

شمشیر احمد خاں کی بات سن کر احتشام الدین کا منہ پھر حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔

"ہاں، ایسا ہی ہونا ہے، اب تم کہو؟"

"لیکن سر راؤ افتخار احمد تو ہماری پارٹی کے آدمی ہیں اور انہیں برسراقتدار لانا ہماری ذمے داری ہے۔ پارٹی کی حیثیت سے بھی اور......"

"کہہ چکے، اب سنو، دیکھو یہ دنیا ہے اور یہ سیاست ہے، راؤ افتخار احمد خود کو بہت آگے کی چیز سمجھ چکا ہے، بعض معاملات میں وہ میرے سامنے بھی تن کر کھڑا ہو جاتا ہے اور تم یہ بات جانتے ہو کہ مجھے تنے ہوئے لوگ پسند نہیں ہیں۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس علاقے میں اس کے بغیر پارٹی بالکل ناکارہ ہے لیکن تم یہ سمجھ لو کہ ایسی بات نہیں ہے، ان علاقوں میں صرف شمشیر احمد خاں کی حکومت ہے اور لوگ شمشیر احمد خاں کو بلاوجہ ہی بادشاہ گر نہیں کہتے، رانا جبار الیکشن جیتے گا، راؤ افتخار کو شکست ہوگی، اس کے کئی غلط کام ہیں جن کا نوٹس لے لیا گیا ہے اور اس سلسلے میں اسے شوکاز بھی دیا گیا ہے لیکن کئی ایسے معاملات ہیں جن کا اس نے جواب بھی دینا پسند نہیں کیا، اسے پارٹی سے نکال دیا جائے گا۔ بے شک وہ اپوزیشن کی گود میں جا بیٹھے گا لیکن اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اپنے علاقوں میں، میں اسے بالکل ہی دوکوڑی کا کر کے رکھ دوں گا، رانا جبار جو ہمار پارٹی کا سخت ترین مخالف ہے میرے اشارے پر یہ الیکشن جیتے گا جبکہ اسے بھی اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ راؤ افتخار کے مقابلے میں جیتنے کے دس فیصد چانس بھی نہیں ہیں لیکن وہ جیتے گا اور پھر جب میں اسے اپنی پارٹی کے حق میں آواز اٹھانے پر مجبور کر دوں گا تو پارٹی میں میری عزت اور وقعت اور بڑھ جائے گی، ایک مخالف کو آسانی سے پارٹی میں لے آنا آسان بات نہیں ہوتی، رانا جبار آئے گا، کیا سمجھے۔ اس طرح ایک تیر سے دو شکار ہو جائیں گے۔ اب تم رانا جبار کو پوری طرح سپورٹ کرو گے، تمہارا جو حلقہ عمل ہے وہ تمہاری ہدایت پر کام کرے گا، ان میں سے پانچ افراد کو اصل بات بتا دینا، باقی کو نہیں۔ ان پانچوں کے نام میں تمہیں دیئے دیتا ہوں، یہ پانچوں قابل اعتماد ہیں اور ان کی ذمے داری میں قبول کرتا ہوں حالانکہ آدمی تمہارے ہیں۔" شمشیر احمد خاں نے کہا۔

احتشام الدین سیاست دان ضرور تھے لیکن بدکردار نہیں تھے۔ اس طرح کی اٹھا پٹخ انہوں نے کبھی نہیں کی تھی۔ خود بھی کئی بار الیکشن جیتے تھے، اچھے اچھے عہدوں کی انہیں پیشکش کی گئی تھی لیکن وہ صرف الیکشن لڑنے کے شوقین تھے عہدے انہوں نے قبول نہیں کئے تھے لیکن اس کے

باوجود انتہائی عزت اور نیک نامی ان کے حصے میں آئی تھی اور وہ ایک معتبر شخصیت سمجھے جاتے تھے۔ بہرحال یہ جوڑ توڑ تو سیاست کا حصہ ہوتے ہیں، شمشیر احمد خاں انہیں تمام تر فارمولا سمجھاتے رہے اس دوران چائے آ گئی تھی۔ چائے کی چسکیاں بھی چل رہی تھیں۔

جب گفتگو ختم ہوگئی تو احتشام الدین نے نیاز مندی سے کہا "کھانے کی تیاری کا کہے دیتا ہوں، آپ کل صبح ہی یہاں سے روانہ ہوں، رات ہو چکی ہے۔"

"کہاں کی بات کر رہے ہو دوست، بھلا ہم جیسے مصروف لوگوں کو ایک رات بے مقصد گزارنے کی مہلت کہاں ہوتی ہے؟"

"مجھے خوشی ہوتی۔"

"چلو پھر کبھی خوش ہو لینا، ذرا ان ہنگاموں سے نمٹ لیں، اس کے بعد چار پانچ سال کی آزادی ہوتی ہے، اصل میں بات وہی ہے ہمارے بندے ہماری ضرورت کی جگہیں سنبھالے رہیں، ہمیں کیا ضرورت ان ہنگامہ آرائیوں میں پڑنے کی، ہمارے مہرے لڑتے ہیں بس اتنا ہی کافی ہوتا ہے ہمارے لئے۔ مہرے سمجھتے ہو نا مہرے کون ہوتے ہیں اور بساط کسے کہتے ہیں، میں تمہیں بساط کا بندہ سمجھتا ہوں مہرہ نہیں، بات سمجھ میں آئی ہے۔"

احتشام الدین نے نیاز مندی سے گردن جھکاتے ہوئے کہا۔ "سمجھتا ہوں خاں صاحب اور اس بات پر فخر کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے بڑا مقام بخشا ہوا ہے اپنے انتہائی ذاتی معاملات تک میں مجھے شریک کر لیتے ہیں۔"

"ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا ارے ہاں، ابھی میں آ رہا تھا تو مزارعوں کی بچیوں کا ایک غول یہاں داخل ہوا تھا، غالباً برسات منا کر آ رہی تھیں کہیں سے، بھیگی بھیگی سی لگ رہی تھیں، انہیں میں سے ایک لڑکی یہاں تمہاری حویلی میں داخل ہوئی اور میرا خیال ہے جب تک میں اندر آیا تھا وہ یہاں سے باہر نہیں نکلی تھی۔"

"وہ اسی نے تو مجھے آپ کی آمد کی اطلاع دی۔"

"اچھا! کیا کہا تھا؟"

"بس یہ کہا تھا کہ کوئی مہمان آئے ہوئے ہیں باہر۔"

"کون ہے وہ؟ کیا تمہارے کسی مزارعے کی بیٹی؟"

"نہیں خاں صاحب وہ میری بھانجی ہے۔" احتشام الدین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اچھا..... تم نے کبھی تذکرہ نہیں کیا، کیا تمہاری بہن کسی دیہات میں رہتی ہیں، کتنی بہنیں ہیں تمہاری؟"

"نہیں خاں صاحب میری ایک ہی بہن ہے، اس بچی کو آپ نے دیہاتی لباس میں دیکھا ہوگا بس ساون کا شوق اور پھر مقامی سہیلیوں کا ساتھ وہ تو گریجویشن کر کے آئی ہے، فائنل ایئر کا امتحان دیا ہے اس نے۔"

"بھئی کمال ہے، اگر وہی بچی ہے تو بہت ہی خوبصورت لگ رہی تھی، ایک بار پھر دیکھنا چاہتا ہوں میں اسے۔"

"میں بلاتا ہوں۔" احتشام الدین نے بڑے خلوص سے کہا اور اس کے بعد خود ہی اندر چلے گئے۔

راحیلہ ممانی سے بیٹھی چہلیں کر رہی تھی۔ آج کا دن اسے بڑا بھایا تھا۔ ساون کے بارے میں وہ کہہ رہی تھی کہ افسانوں اور داستانوں میں ساون کی امنگوں بھری کہانیاں ضرور پڑھی اور سُنی تھیں لیکن ان پر اس طرح غور نہیں کیا تھا یہ نہیں سوچا تھا کہ واقعی ساون اتنا خوبصورت ہوتا ہے۔ ممانی اسے بتا رہی تھیں کہ ساون سے سینکڑوں داستانیں منسوب ہیں یہ حسین مہینہ ہندی لوک داستانوں میں الگ حیثیت رکھتا ہے، ساون کو بھائی اور بھادوں کو بہن کہا جاتا ہے، ہندی لوک داستانوں میں ان بہن بھائیوں کے ملاپ کی بڑی بڑی عجیب کہانیاں بکھری ہوئی ہیں، ساون رخصت ہوتا ہے، بھادوں آتی ہے تو بہن بھائی خوب گلے ملتے ہیں اور یہ دن موسم کی تاریخ کا سب سے خوبصورت دن ہوتا ہے بارش کی رم جھم پانی کی جل تھل، پپیہوں کی کوک، باغوں کے جھولے، آسمان پر دوڑتی ہوئی گھٹائیں اور پھر زمین پر پانی کے بلبلے، سینکڑوں داستانیں ان دنوں سے منسوب ہیں۔ یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ احتشام الدین کمرے میں پہنچ گئے۔

"واقعی ماشاءاللہ، حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے میری بیٹی کو بڑا حُسن، بڑی تمکنت دی ہے، ذرا آؤ تو میرے ساتھ راحیلہ۔"

"کہاں ماموں جان؟"

"شمشیر احمد خاں کا تذکرہ کیا تھا میں نے تم سے؟"

"ہاں ممانی بتا رہی ہیں کہ وہی آئے ہیں۔"

"تم نے انہیں دیکھا بھی تھا پجیرو سے اترتے ہوئے۔"

"بالکل دیکھا تھا۔"

"انہوں نے بھی تمہیں دیکھا تھا، کہہ رہے تھے یہ آسمان سے اُتری ہوئی حور کون ہے۔ میں نے کہا ابھی ملاتا ہوں میں آپ کو اس سے، آؤ ذرا میرے ساتھ" راحیلہ ہنس کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا کہ اس کے حُسن کی تعریف کی جائے، اس کے لئے دلوں میں ہوک اور آنکھوں میں اُداسی پیدا ہو جائے۔ ابھی تک وہ اسی دیہاتی خوبصورت لباس میں تھی جو اس کی سہیلیوں نے اسے پیش کیا تھا، اس لباس میں وہ ایک بار پھر ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی اور شمشیر احمد خاں رعب حُسن سے مسحور ہو کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ یہ وہ شخصیت تھی جس کے سامنے بڑے بڑے بیٹھنے کی جرأت نہیں کر پاتے تھے لیکن قدرت کے عطا کئے ہوئے اس عطیے نے راحیلہ کو ان سے بھی بڑا بنا دیا تھا۔

شمشیر احمد خاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آیئے۔ ارے ہاں احتشام صاحب آپ نے ہمیں ان خاتون کا نام نہیں بتایا۔"

"راحیلہ۔" احتشام الدین نے کہا۔

"سبحان اللہ...... بیٹھئے مس راحیلہ، میں نے آپ کو باہر دیکھا تھا تو میں نے احتشام سے کہا کہ یہ خاتون جو اندر گئی ہیں کون ہیں، پتہ چلا کہ بھانجی ہیں۔ میں نے کہا یقین نہیں آتا، ذرا بلا کر ہم سے ملایئے، بھئی کمال ہے، خاص طور سے مس راحیلہ یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ آپ پڑھی لکھی خاتون ہیں۔"

"شکریہ جناب، اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ میرے ماموں جان کسی دیوتا کی طرح آپ کی پوجا کرتے ہیں تو غلط نہیں ہوگا، یہ ان کا آپ سے لگاؤ اور آپ کی عقیدت ہے کہ بغیر دیکھے میں آپ سے پوری طرح واقف ہوں، ماموں جان نے اپنی محبت میں بہت پہلے آپ کا تعارف کرا دیا تھا۔"

''احتشام الدین میرے لئے بھائیوں سے زیادہ بڑھ کر ہیں۔ بذات خود یہ بہت اچھے آدمی ہیں، مس راحیلہ آپ کے کیا مشاغل ہیں؟''

''کچھ بھی نہیں۔ اب ایک طویل عرصے کے لئے ماموں جان کے پاس ہوں۔''

''مزید خوشی ہوئی، بھئی احتشام الدین، انہیں ہمارے ہاں کب لا رہے ہیں؟''

''جب حکم ہو۔''

''یہ بڑے اچھے مہینے چل رہے ہیں، میرا مطلب ہے اگست شروع ہوا ہے، آگے اچھے اچھے موسم ہیں۔ آپ کسی وقت انہیں لے آیئے۔ ہماری زمینوں کی سیر بھی کر لیں گی۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ ان کے قدم ہماری زمینوں پر پڑے تو ہماری فصلیں شاندار ہو جائیں گی۔''

احتشام الدین ہنسنے لگے۔ راحیلہ مسکرا کر بولی۔

''کانٹوں میں نہ گھسیٹئے شمشیر صاحب، آپ خود اتنے اچھے انسان ہیں کہ دیکھنے والا ایک بار آپ کو دیکھ کر بار بار دیکھنے پر مجبور ہو جاتا ہے، ایسی شخصیتیں ایسی شاندار پرسنالٹی ہر ایک کو تو نہیں ملتی۔''

''شکریہ۔ اچھا تو احتشام صاحب اب یہ بات آپ کی ڈیوٹی میں شامل ہوگئی کہ آپ بی بی کو ہمارے گھر لائیں گے، ہمیں ذرا پہلے سے اطلاع کر دیجئے تاکہ اپنے آپ کو مصروفیتوں سے باز رکھیں۔''

''آپ جب حکم دیں گے ہم حاضر ہو جائیں گے۔'' احتشام صاحب نے پرمسرت لہجے میں کہا۔ ایک اور خیال ان کے ذہن میں سرائیت کر گیا تھا۔

''دل تو یہ چاہتا ہے کہ ان خاتون سے بہت سی باتیں کی جائیں، اصل میں احتشام صاحب بات کرنا بھی ایک فن ہوتا ہے ہم کسی ایسی الہڑ دیہاتی اور معصوم سی لڑکی کا تصور کرتے ہیں جو ایک انتہائی خوبصورت پریوں جیسے لباس میں ملبوس ہمارے سامنے آئے تو ہم اس بات کی توقع رکھتے ہیں کہ وہ ہم سے باتیں ایسی نہیں کر سکے گی۔ جیسا اس کا حُسن و جمال ہے لیکن اگر ہمیں لبوں کی پاکیزگی سے ذہانت کے چشمے پھوٹتے ہوئے نظر آئیں تو ہماری حیرت قدرتی چیز ہے اور ان خاتون میں یہ صفت ہے، چلتے ہیں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے راحیلہ اور یہ خوشی انشاءاللہ تعالیٰ یہیں محدود نہیں ہو جائے گی بلکہ آپ کو ہماری زمینوں پر آنا ہے۔''

راحیلہ نے بڑی ادا کے ساتھ آنکھیں بند کر کے گردن خم کی تھی اور شمشیر احمد خاں کھوئے کھوئے سے باہر نکل گئے تھے۔ راحیلہ کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی اور پھر یہ مسکراہٹ ایک ہلکی سی کھنک دار ہنسی میں تبدیل ہوگئی لیکن اس ہنسی کو کوئی غور سے سنتا، اس چہرے کو کوئی غور سے دیکھتا تو سو فیصد اسے یہی اندازہ ہوتا کہ ایک سنہری ناگن نے اپنی دوشاخی زبان باہر نکالی ہے۔

احتشام الدین البتہ نجانے کن احساسات کا شکار ہوگئے تھے۔ اسی رات اپنی بیوی سے کہنے لگے ''لگن اگر سچی ہو تو اللہ تعالیٰ شکر خورے کو ضرور شکر دیتا ہے، آج ایک ایسی بات ہوئی ہے جس نے میرے دل و دماغ خوشی سے بھر دیئے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک مفروضہ ہے لیکن کہا جاتا ہے ناکہ تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔''

''خیر تو ہے کیا شمشیر احمد خاں وزارت دینے کی خوشخبری سنا گئے؟''

''توبہ کرو جی توبہ، وزارت اور میں بابا، وہ جو کہتے ہیں نا کیا کہتے ہیں پتہ نہیں بات اتنی ہے کہ میرے آگے پیچھے کون ہے، نہ کوئی اولاد نہ اور کوئی رشتے ناتے دار، بہن کو بھی اللہ نے بیٹیاں ہی بیٹیاں دی ہیں رخصت ہو کر اپنے گھروں کو چلی جائیں گی اور پھر سچی بات یہ ہے کہ ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے میں کتنی ہی محبت کر لوں ان لڑکیوں سے بیٹیاں تو وہ راحیل احمد ہی کی کہلائیں گی۔ میرا مطلب یہ تھا کہ وزارت کا مجھے کیا کرنا ہے، ویسے ہی میری اپنی مملکت میں بڑی مصروفیت رہتی ہے۔'' انہوں نے مسکرا کر بیوی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''اچھا جی اور جیسے ہم کچھ کرتے ہی نہیں ہیں۔''

''بابا جو کچھ کرتی ہیں آپ ہی کرتی ہیں، ہم تو بس نگاہ لطف کے امیدوار رہتے ہیں۔''

''بڑے موڈ میں ہیں بات کیا ہے؟''

''یار میں نے کہا نا ایک مفروضہ ہے، وقت سے پہلے زبان کھولنا حماقت، لیکن آپ کے سامنے کوئی حرج نہیں ہے۔ شمشیر احمد خاں صاحب جو بات کرنے آئے وہ تو بڑی سنسنی خیز تھی لیکن بہرحال وہ ایک خالص سیاسی معاملہ ہے اور سیاست ہمیشہ معنی خیز ہی ہوتی ہے لیکن ایک اور عمل بڑا دلچسپ رہا۔''

''بابا کچھ بتائیں تو سہی۔'' بیوی نے اس تمہید سے اُلجھ کر کہا۔

"محترمہ! شمشیر احمد خاں کو ہماری راحیلہ بہت پسند آئی ہے۔ مجھ سے کہہ کر گئے ہیں کہ بھئی راحیلہ کو کبھی زمینوں پر لے کر آؤ، اس سے پہلے انہوں نے مجھے تک نہیں بلایا، کسی کام سے جانا ہوا تو دوسری بات ہے۔ شمشیر صاحب کی زمینوں کے بارے میں تو تم جانتی ہی ہو، اپنے علاقے کی خوبصورت اور زرخیز ترین زمینیں ہیں اور پھر ان کے باغات روایتی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک خاص علاقے میں، انہوں نے یہ سمجھ لو اپنی زمین کو جنت نظیر بنا ڈالا ہے۔"

"ارے آپ تو قصیدہ کہنے بیٹھ گئے، اصل بات تو بتایئے۔"

"ان کی نگاہ لطف تو کچھ اور کہانی سنا گئی، بیٹا یاد نہیں ہے تمہیں ان کا احمد یار خاں، نیویارک میں ایک بہت بڑی فیکٹری کا چیف آفیسر ہے حالانکہ یہاں سب کچھ ہے شمشیر صاحب کے پاس لیکن اپنے بچوں کو انہوں نے ہر طرح کی سیاست سے الگ رکھا ہے۔ احمد یار خاں کی والدہ چونکہ فوت ہو چکی ہیں، وہ مستقل نیویارک میں ہی رہتا ہے اور لازمی بات ہے کہ شمشیر خاں کو اپنے بیٹے کی شادی کی فکر ہوگی اور وہ شایان شان رشتے کی تلاش میں ہوں گے، شایان شان سے مراد یہ ہے کہ ان کے معیار کی کوئی شخصیت اور راحیلہ کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت سے نوازا ہے، آہ اگر شمشیر صاحب کی اس طرح اس پر نظر ہو جائے تو سمجھ لو میری آرزو پوری ہو جائے، جو میں نے راحیلہ کے بارے میں سوچا ہے یعنی یہ کہ راحیل احمد کو اس کے لئے ایک گھر تلاش کرنے کی اطلاع دوں اور گھر بھی ایسا جسے سن کر ہی لوگوں کے منہ میں پانی آ جائے۔"

"اللہ کی پناہ...... آپ نے تو شیخ چلی کو بھی مات کر دیا۔"

"کیوں......؟"

"اتنے اُونچے اُونچے ہوائی قلعے بنا ڈالے۔"

"بے وقوف ہو تم...... گھر میں بیٹھ کر روٹی ہانڈی پکاؤ۔ ہماری نگاہ کا پیچھا کہاں کر سکتی ہو۔"

"آپ کی نگاہ۔"

"تو اور کیا۔ ہوا دیکھی تو ہوائی قلعے بنائے ہیں، آخر دنیا دیکھی ہے۔"

"چلئے ٹھیک ہے۔ اللہ آپ کی خواہشوں کو پورا کرے۔"

کچھ وقت گزر گیا۔ احتشام الدین کا دل چاہتا تھا کہ جتنی جلدی ممکن ہو راحیلہ کو لے کر

شمشیر صاحب کی حویلی پہنچ جائیں لیکن کچھ اقدار مانع تھے وہ شمشیر احمد خاں کی دعوت کا انتظار کرتے رہے۔ پھر ان کی طرف سے طلبی ہوئی، یہ الیکشن کے سلسلے میں تھی۔ جب وہ شمشیر گڑھ پہنچے تو راؤ افتخار نے ان کا استقبال کیا۔

"ارے راؤ صاحب آپ؟"

"ہاں...... خان صاحب نے بھیجا ہے آیئے، گاڑی حاضر ہے!"

راستے میں راؤ افتخار نے کہا۔ "خاں صاحب کا خیال ہے کہ اب کام شروع کر دیا جائے۔ اصل میں اس بار رانا جبار کچھ نئے ہتھکنڈے استعمال کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔" احتشام الدین چونکے، پھر خود کو سنبھال کر بولے۔ "کس طرح کے، کچھ پتہ چلا اس بارے میں؟"

"یہی تو نہیں پتہ چل سکا ابھی تک۔"

"اطلاع کیسے ملی۔"

"بس یوں سمجھ لیجئے کچھ بندے ہیں میرے پاس، جو اس کی مخبری کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ رانا بڑے فخر سے کہتا ہے کہ اس بار راؤ کو ناکوں چنے نہ چبوا دیئے تو رانا نام نہیں۔ ایسی پالیسی تیار کی ہے کہ راؤ بھی زندگی بھر یاد رکھے گا۔"

"ہوں...... آخر الیکشن لڑ رہا ہے، کبڈی نہیں کھیل رہا۔"

"آپ نے یہ بات خاں صاحب کو بتائی۔"

"نہیں۔"

"ارے کیوں......؟"

"خان صاحب کا مزاج جانتے ہیں آپ۔ میری تشویش کو اپنی توہین سمجھیں گے ناراض ہو جائیں گے اور وہ ناراض ہو گئے تو سمجھئے لٹیا ڈوب گئی۔"

"میں تذکرہ کر دوں۔"

"جیسا مناسب سمجھیں۔ میں نے بات کان میں ڈال دی ہے۔"

"ٹھیک ہے، میں دیکھوں گا۔"

شمشیر احمد خاں معمول کے مطابق احتشام الدین سے ملے تھے لیکن احتشام الدین نے صاف محسوس کیا تھا کہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے خاں صاحب کی نگاہیں ان کے عقب میں

اُٹھی تھیں جیسے توقع کر رہے ہوں کہ احتشام الدین کے پیچھے کوئی اور بھی ہوگا اور کوئی اور راحیلہ کے سوا بھلا کون ہوسکتا تھا لیکن زیرک آدمی تھے لمحوں میں خود سنبھل گئے اور مسکراتے ہوئے بولے۔''آیئے احتشام صاحب کیسے مزاج ہیں آپ کے، اہل خانہ تو خیریت سے ہیں نا؟''

''آپ کی دعاؤں کا سایہ ہے، اللہ کا فضل ہے، سب ٹھیک ٹھاک ہے۔''

''یہ راؤ صاحب تو بڑی عقیدت رکھتے ہیں آپ سے، کہتے ہیں کہ احتشام الدین بڑی برکتوں والے انسان ہیں، کسی مسئلے میں ان کی شمولیت ہو جاتی ہے تو سمجھ لیں کہ بیڑا پار ہو جاتا ہے۔''

''میں کیا عرض کرسکتا ہوں، یہ ان کی اچھائی ہے کہ معمولی سے لوگوں کو بہت کچھ سمجھ لیتے ہیں۔''

''نہیں جناب، آپ کی ذہانت بے مثال ہے، ہم یہ بات جانتے ہیں کہ اگر آپ اقتدار میں آجائیں تو اچھے اچھوں کے کان کتر دیں۔'' راؤ افتخار نے کہا اور اس کے بعد الیکشن کے معاملات نمٹانے کے سلسلے میں باتیں ہونے لگیں۔

شمشیر احمد خاں نے کہا''اب تھوڑے دن کے بعد آپ کو رابطہ مہم شروع کر دینی ہے، ہم نے کچھ لوگوں کی فہرست بنائی ہے احتشام صاحب، آپ کو ان لوگوں کو آمادہ کرنا ہے کہ الیکشن میں ہمارا ساتھ دیں، ان کے لئے ہم نے کچھ مراعاتی پیکج بھی تیار کئے ہیں اور یہ بات آپ جانتے ہیں کہ ہم جس سے جو وعدہ کرتے ہیں وہ پورا ضرور کر دیتے ہیں، ہمارا پچھلا ریکارڈ بڑا بے داغ ہے۔''

''یہ آپ ہم سے کہہ رہے ہیں خاں صاحب، ہم جو آپ کے حکم کے غلام ہیں، ہمارے ہی ذریعے سب کچھ ہوتا ہے۔''

''ان لوگوں کی فہرست میں آپ کے حوالے کر دوں گا، راؤ افتخار کی خواہش ہے کہ رابطہ مہم پندرہ دن کے بعد شروع کر دی جائے۔''

''جیسا آپ کا حکم ہو، ویسے اگر یہ مہینہ نکل جاتا تو زیادہ اچھا تھا، سخت مہینہ ہے۔''

''یہی میں نے راؤ صاحب سے کہا تھا، راؤ صاحب کہنے لگے کہ جیسا احتشام صاحب کہیں، انہیں یہاں بلا کر ایک میٹنگ کر لی جائے۔''

پھر کافی دیر تک یہ باتیں ہوتی رہیں۔ کچھ دیر تک کھانے پینے کا سلسلہ بھی چلا اور اس کے بعد شمشیر احمد خاں نے راؤ افتخار کو بھگانے کا نوٹس دے دیا انہوں نے کہا''ٹھیک ہے راؤ صاحب، میرا خیال ہے تمام امور طے ہوگئے اب آپ آرام کریں، جو جو باتیں ہوئی ہیں ان کی تفصیل اپنے سیکرٹری کو بتائیں، باقی کام احتشام صاحب شروع کر دیں گے۔''

راؤ افتخار احمد سمجھدار تھے فوراً کھڑے ہوگئے اجازت لی اور سلام دعا کر کے نکل گئے۔ شمشیر احمد خاں نے گھنٹی بجا کر ایک ملازم کو بلایا اور ملازم کے آنے پر بولے۔''راؤ صاحب کو احترام کے ساتھ باہر گاڑی تک پہنچاؤ۔''

''حکم عالی۔'' ملازم نے گردن خم کر کے کہا اور باہر نکل گیا۔

''جی احتشام صاحب کہئے کیسی رہی یہ میٹنگ۔''

''نہایت مناسب۔''

''ویسے خاں صاحب، کچھ لوگ ایسے ہیں جو رانا جبار کی در پردہ راؤ افتخار کے لئے مخبری کرتے ہیں۔''

''اچھا کون ہیں وہ۔''

''راؤ افتخار سے یہ بات معلوم کرنا ہوگی وہ مجھے بتا رہے تھے۔''

احتشام الدین نے راؤ افتخار کی راستے میں کی ہوئی باتیں خاں صاحب کو بتائیں تو انہوں نے کہا۔''فکر نہ کریں آپ، مجھے پتہ ہے کہ وہ آدمی کون ہیں، وہ اُٹھوا لئے جائیں گے اور انہیں میں اپنی ذاتی جیل میں قید کر دوں گا، آپ بالکل بےفکر رہیں اور کچھ.....''

''نہیں بس، محبت آپ کی دعائیں۔''

''ارے ہاں اپنی بھانجی کو نہیں لائے آپ، میں تو سوچ رہا تھا کہ آپ انہیں ساتھ ہی لائیں گے۔''

''آپ کا حکم ملا کہ میں فوراً پہنچ جاؤں میں نے تعمیل حکم کی اور حاضر ہوگیا، آپ جب حکم دیں دوبارہ حاضر ہو جاؤں۔''

''ہاں میں سوچ رہا تھا انہیں اپنی زمینوں کی سیر کراؤں، آج کل موسم بھی بڑا اچھا چل رہا ہے، بادلوں بھرا موسم ہے ایسا کریں میں گاڑی بھیج دوں گا، آپ لوگ آجائیں، اپنی مسز کو بھی

ساتھ لے آئیں کیونکہ اس کے بعد الیکشن کے ہنگامے شروع ہو جائیں گے اور ہم لوگ مصروف ہو جائیں گے۔"

"آپ جیسا حکم دیں۔"

احتشام الدین واپس آ گئے، خوشیاں ساتھ لائے تھے، الیکشن کے ہنگامے تو اپنی جگہ جو کچھ انہیں کرنا تھا وہ تھوڑا سا اُلجھانے والا مسئلہ ضرور تھا لیکن مشکل نہ تھا۔ انہوں نے شمشیر احمد خاں کا جو لگاؤ راحیلہ کی طرف دیکھا تھا وہ ان کے لئے بہت ہی دل خوش کن تھا، آتے ہی بیوی کو خوشخبری سنائی۔

"تیار ہو جاؤ بھئی۔ ہم بھی طفیلی بن گئے ہیں، شمشیر صاحب نے کہا ہے کہ گاڑی بھیجیں گے ہم تینوں کو جانا ہے ان کی زمینوں پر۔"

"بیٹا تو ہے نہیں یہاں، کیا وہ اتنا ہی سعادت مند ہوگا کہ خاں صاحب جو کہیں گے مان لے گا۔"

"نہیں میرا خیال ہے بیرون ملک رہتا ہے، اسے بلائیں گے جب فیصلہ کرلیں گے۔ بہر حال ہمیں اتنی گہرائیوں میں نہیں جانا چاہئے، انہوں نے اس بار بھی بڑی چاہت سے کہا ہے کہ اپنی بھانجی کو لے کر آئیں، بس تیار ہو جاؤ۔"

راحیلہ کو یہ بات بتائی گئی تو راحیلہ معنی خیز انداز میں مسکرا دی، پھر سنبھل کر بولی۔ "آپ جیسا پسند کریں ممانی جان۔ میں تو یہاں آ کر بہت خوش ہوں۔ آپ دیکھئے میری کتنی ساری سہیلیاں بن گئی ہیں، وہاں کالج کی لڑکیاں تھیں آفت کی پرکالہ، ایک سے ایک سیانی اور گن والی، یہاں کی سادہ لوح لڑکیاں ہر قسم کے چھل فریب سے پاک۔ بھئی سچی بات ہے مجھے تو یہ سب کچھ بہت پسند ہے۔"

"شمشیر صاحب کی زمینیں دیکھو گی تو دنگ رہ جاؤ گی۔ میں نے آج تک سنا ہی سنا ہے، ان کے باغات وغیرہ دیکھے نہیں ہیں لیکن تمہارے ماموں بتاتے ہیں دیکھنے کی چیز ہیں وہ جگہیں، خاں صاحب خود بھی ایک خوش ذوق انسان ہیں۔ ایک سے ایک حسین لباس پہنتے ہیں، حالانکہ عمر رسیدہ ہیں، لیکن سچی بات یہ ہے کہ جوانوں پر بھاری ہیں۔"

"کیا بات ہے ممانی جان، کچھ زیادہ تعریفیں نہیں ہو رہیں شمشیر احمد خاں صاحب کی۔"

"مطلب کیا ہے تمہارا۔ تعریفیں ہو رہی ہیں لیکن اس کی کوئی خاص وجہ تھوڑی ہے۔" ممانی جان نے جلدی سے کہا اور راحیلہ نے خوب قہقہے لگائے۔

وہ شاندار پجیرو جسے پہلی بار پکنک والے دن راحیلہ نے احتشام کے گھر کے احاطے میں دیکھا تھا اسے لینے کے لئے آ گئی۔ اس شاندار پجیرو میں بیٹھ کر اسے بہت اچھا لگا۔ اتنی خوبصورت گاڑی میں وہ کبھی نہیں بیٹھی تھی، باوردی ڈرائیور گاڑی ڈرائیو کر رہا تھا اور ممانی جان اور ماموں احتشام کے چہروں پر مسرت کھیل رہی تھی۔

سفر خاصا طویل تھا، ایک دو جگہ ڈرائیور سے گاڑی رکوا کر چائے وغیرہ پی گئی۔ یہ بھی ایک دلچسپ عمل تھا۔ جھونپڑا ہوٹلوں میں سامنے پڑی بنچیں اور چارپائیاں، ان پر بیٹھ کر تازہ بنی ہوئی دودھ پتی کا مزہ ہی کچھ اور تھا۔ اس طرح یہ سفر ختم ہوا۔

جہاں سے شمشیر احمد خاں کی زمینیں شروع ہوتی تھیں وہاں ان کے نام کے بورڈ لگے ہوئے تھے اور احتشام الدین بیوی اور بھانجی کو بتاتے جا رہے تھے کہ دیکھو ان زمینوں کی شان ہی نرالی ہے۔ پھر ایک چھوٹا باغ نظر آیا جس میں امرود اور ناشپاتیاں لگی ہوئی تھیں، خاں صاحب کی پجیرو کو بھلا کون نہیں پہچانتا تھا، راحیلہ کی فرمائش پر گاڑی باغ میں داخل کر دی گئی اور سارے محافظ دوڑ پڑے۔ راحیلہ کو تازہ تازہ امرود توڑ کر پیش کئے گئے اور راحیلہ نے کچے پکے امرود بڑے شوق سے کھائے۔

پھر جب یہ لوگ یہاں سے آگے بڑھے تو راحیلہ نے کہا۔ "حقیقت یہ ہے کہ اس زندگی کی کوئی مثال ہی نہیں ہے، انسان کتنا ہی مصنوعی ہو جائے اور اپنے آپ کو دنیا بھر کی آسائشوں سے مالا مال کرلے لیکن باغ کی کچی زمین پر کھڑے ہو کر اوپر سے توڑا ہوا امرود کھانے کا مزہ ہی اور ہے۔"

کافی دیر تک راحیلہ اس ماحول سے لطف اندوز ہوتی رہی۔ پھر اس کے بعد پجیرو وہاں سے آگے بڑھ گئی اور آخر کار سفر ختم ہو گیا۔ یہ دیکھ کر احتشام الدین خوشی سے باغ باغ ہو گئے کہ خود شمشیر احمد خاں ان لوگوں کے استقبال کے لئے موجود تھے اور انہوں نے بڑے پر محبت انداز میں سب کو خوش آمدید کہا۔ اس وقت وہ سلک کا ایک خوبصورت شلوار قمیض سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ شخصیت تو ویسے ہی شاندار تھی۔ کچھ ایسا بناؤ سنگھار کیا تھا انہوں نے اس وقت کہ بہت ہی

اعلیٰ لگ رہے تھے۔ بہر حال سب کو حویلی میں لے گئے اور یہاں موجود لوگوں سے تعارف کرانے لگے، ان میں ان کی تیسری بیگم جہاں آراء بھی تھیں، جنہوں نے بڑے محبت بھرے انداز میں احتشام الدین کی بیگم اور راحیلہ کا استقبال کیا تھا۔

''یہ تو بہت خوبصورت ہیں، کیا نام ہے ان کا؟'' جہاں آراء نے راحیلہ کو پیار سے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

''راحیلہ''

''واقعی، راحیلہ اور نایاب، آیئے آپ لوگ۔''

بڑا اہتمام کیا گیا تھا ان لوگوں کے اعزاز میں۔ وہ لوگ کافی محبت بھرا سلوک کر رہے تھے ان کے ساتھ۔

پھر دوسری تفریحات کا آغاز ہو گیا۔ خاں صاحب نے باقاعدہ پروگرام ترتیب دیئے تھے اور خود ان لوگوں کے ساتھ ساتھ پھر رہے تھے۔

پھر اس دن انہوں نے کہا' راحیلہ ! آپ نے اب تک اپنی کسی خواہش کا اظہار نہیں کیا، میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں ایک یادگار وقت گزاریں بس میرا دل چاہتا ہے کہ آپ کو بہت زیادہ خوش کر کے یہاں سے بھیجوں۔''

''میں تو آپ کی نظرِ عنایت ہی سے بہت زیادہ خوش ہوں خاں صاحب، کتنا بڑا اعزاز دیا ہے آپ نے ہمیں۔''

''نہیں راحیلہ ایسی بات نہیں ہے، آپ اس کی قائل ہوں یا نہ ہوں میں اس بات کو دل سے مانتا ہوں کہ انسان اپنی شخصیت کے مطابق اپنی جگہ خود بنالیتا ہے۔ شاید آپ میری بات پر یقین کریں کہ آپ کی جگہ تو اسی وقت بن گئی تھی جب آپ دیہاتی لباس میں مجھے پہلی بار نظر آئی تھیں۔ خیر چھوڑیئے، میں آپ کو اپنی زمینوں کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔''

''میں خوشی سے آپ کی یہ پیشکش قبول کرتی ہوں۔''

خاں صاحب شاید کچھ اور کہنا چاہتے تھے، لیکن ایسا لگتا تھا جیسے ہمت نہ کر پا رہے ہوں۔ راحیلہ مسکراتی رہی تھی۔

خاں صاحب نے احتشام الدین سے کہا۔

''آپ ایسا کریں کہ نیاز علی کے پاس چلے جائیں، نیاز علی اس وقت آپ کی ضرورت محسوس کر رہا ہے، آپ سمجھ رہے ہیں نا میری بات؟''

''جی خاں صاحب آپ مجھے بتایئے کیا کہنا ہے اس سے؟''

''کہنا سننا کچھ نہیں ہے، ہم اپنے پروگرام پر بتدریج عمل کرنا چاہتے ہیں، آپ نیاز علی کو پوری بریفنگ دے دیں اور اس سے کہہ دیں کہ بس وقت آ گیا ہے اپنے کام کا آغاز کر دے۔''

''بہت مناسب۔''

''پجیرو لے جایئے، میں دوسری گاڑی استعمال کروں گا۔''

''جیسا آپ کا حکم ہو۔'' احتشام الدین نے بیگم سے کہا کہ وہ خاں صاحب کے ضروری کام سے جا رہے ہیں۔ یہاں تھوڑا سا وقت آرام سے گزاریں۔ کسی چیز کی پروا نہ کریں۔

ادھر جہاں آراء بیگم بڑی محبت اور خوشدلی سے مہمانوں کو اٹینڈ کر رہی تھیں۔ احتشام الدین چلے گئے تو شمشیر احمد خاں نے بیوی اور احتشام الدین کی بیگم کے سامنے کہا۔ ''راحیلہ! آپ سات بجے تیار ہو جانا ہم لوگ زمینوں پر چل رہے ہیں۔''

راحیلہ نے چونک کر دیکھا تو خاں صاحب نے کہا ''اگر تمہیں اعتراض نہ ہو تو......اصل میں احتشام الدین تو مصروف ہو گئے ہیں، میں نے البتہ تھوڑا سا وقت نکال لیا ہے اور جہاں آراء آپ بھابھی صاحبہ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی یا تکلیف نہ ہونے دیں۔''

جہاں آراء نے گہری نگاہوں سے شوہر کو دیکھا، غالباً پہلی بار یہ احساس ہوا کہ یہ ذرا معیوب سی بات ہے، زمینوں پر جانا ہی تھا تو تینوں خواتین کو ایک ساتھ لے جایا جاتا۔ راحیلہ کو تنہا ساتھ چلنے کی پیشکش عجیب سی بات تھی۔

ادھر راحیلہ نے خوشدلی سے یہ پیشکش قبول کر لی تھی، خاں صاحب جو بات چاہیں بھلا اس میں ترمیم کی گنجائش کہاں نکلتی ہے، چنانچہ تیاریاں مکمل ہو گئیں اور خاں صاحب اپنی ایک اور شاندار پجیرو میں راحیلہ کو لے کر اپنی عظیم الشان زمینوں پر چل پڑے۔

موسم تو تھا ہی حسین، گھر سے باہر نکلے ہی تھے کہ رم جھم شروع ہو گئی۔ اوّل تو اس قیمتی اور شاندار گاڑی میں بیٹھ کر ہی راحیلہ کو بہت لطف آ رہا تھا لیکن خاں صاحب کی قربت نے نجانے اس کے ذہن میں کیسے کیسے احساسات جگا دیئے تھے اور وہ بہت زیادہ مسحور تھی اور اپنی اس خوشی کا

[illegible] پورے سلیقے سے کر رہی تھی۔

زمینوں پر بہت دور تک آنے کے بعد خاں صاحب نے راحیلہ سے کہا۔ ''پیچھے ہمارے محافظ چلے آ رہے ہیں، یہاں اس علاقے میں شکار ملتا ہے، لیکن میرا خیال ہے تم شکار پسند نہیں کرتی ہوگی۔''

''کیوں؟'' راحیلہ نے کہا۔

''بھئی نرم و نازک مزاج کی لڑکیاں اور پھر خاص طور سے تم جیسی خوبصورت لڑکیاں بھلا جانوروں کا بہتا ہوا خون کہاں پسند کرتی ہیں۔''

''نہیں جناب ایسی بات نہیں ہے آپ مجھے عام لڑکیوں میں شمار نہ کریں۔ میں نے بے شک کبھی بندوق نہیں چلائی لیکن اگر آپ شکار کریں گے تو مجھے اچھا لگے گا۔''

''ارے واہ ہم ذوق ہو تو ایسا، راحیلہ آپ تو اپنی ہر ادا کے ساتھ میرے دل میں اُترتی جا رہی ہیں۔''

''کاش! میں آپ کے دل کی گہرائیوں کے آخر حصے تک پہنچ سکوں۔'' راحیلہ کے اس جملے نے سارے مدارج طے کرا دیئے۔ خاں صاحب جیسی شخصیت ان جملوں کے سحر میں کھو گئی تھی۔

خاں صاحب اسے لے کر عظیم باغ پہنچ گئے۔ یہ عظیم باغ ایک روایتی حیثیت رکھتا تھا اور یہاں پھلوں کے انبار لگے ہوئے تھے، خاں صاحب نے پہلے ہی تمام انتظامات کر رکھے تھے اور پھر آس پاس کی زمینوں پر شکار کھیلا گیا۔ درختوں پر جھولے لٹکا دیئے گئے اور راحیلہ خاں صاحب کے ساتھ خوب سیر و سیاحت کرتی رہی۔ خاں صاحب کو احتشام الدین کے بارے میں پتہ تھا کہ کم از کم دو دن رکیں گے۔ کام ہی ایسا منتخب کیا تھا انہوں نے کہ احتشام الدین کو خاصا وقت لگ جائے۔ البتہ خاں صاحب نے کسی ہلکے پن کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ ایک سمت تو خاں صاحب اپنی دانست میں شکار پر جال ڈال رہے تھے اور دوسری طرف راحیلہ خاں صاحب کو اس طرح شیشے میں اتار رہی تھی کہ اب اگر وہ خود بھی بھاگنے کی کوشش کریں تو ان کے لئے راہ فرار ممکن نہ ہو، البتہ جہاں آراء بیگم ان دو دنوں میں کافی تشویش کا شکار ہو گئی تھیں۔

شوہر کے مزاج اور عادت سے واقف تھیں۔ خود بھی خاں صاحب کی تیسری بیگم تھیں۔

خاں صاحب کی حُسن پرستی کو اچھی طرح جانتی اور سمجھتی تھیں اور انہیں ایک نگاہ میں ہی خدشہ لاحق ہو گیا تھا کہ کہیں راحیلہ ان کے لئے کوئی خطرناک کردار نہ بن جائے۔

بہرحال دو دن تک زمینوں کی یادگار سیر اور خاں صاحب کی قربت کے بعد راحیلہ ان کے گھر واپس آ گئی۔ جہاں آراء بیگم کی گہری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا۔

احتشام الدین کی بیگم بہت زیادہ ذہین نہیں تھیں۔ احتشام الدین نے جو الفاظ ان سے کہے تھے وہ انہی کی روشنی میں سب کچھ دیکھ رہی تھیں اور سو فیصد ان کا یہی خیال تھا کہ خاں صاحب نے راحیلہ کو اپنی بہو بنانے کے لئے پسند کیا ہے۔

جہاں آراء بیگم نے کسی طرح کے خدشے کا کوئی اظہار نہیں ہونے دیا تھا بلکہ احتشام الدین کی بیگم سے وہ بہت اچھی طرح پیش آئی تھیں۔ بہرحال یہ لوگ یہاں سے سرشار اور خوش و خرم واپس لوٹے، خاں صاحب نے خصوصی توجہ کے ساتھ راحیلہ کو رخصت کیا تھا اور رخصت کرتے وقت احتشام الدین سے کہا تھا ''احتشام الدین! اس وقت تو بس یوں سمجھ لو کہ ایک رسمی سی ملاقات رہی، لیکن ذرا الیکشن کے ہنگامے ختم ہو جائیں تو پھر کچھ وقت ساتھ گزاریں گے، کچھ نئی باتیں کریں گے، کیا خیال ہے؟''

''جو حکم حضور، بندہ حکم کا غلام ہے۔'' احتشام الدین نے کہا۔

خاں صاحب نے راحیلہ کو کافی تحائف بھی دیئے تھے اور اس کے بعد احتشام الدین خوشی خوشی گھر لوٹ گئے۔

راحیلہ کے ذہن میں نجانے کیا کیا خیالات تھے۔ الیکشن کے ہنگامے شروع ہو چکے تھے خاں صاحب اس دوران چار بار آئے تھے جبکہ اس سے پہلے شاید ایک آدھ بار ہی وہ احتشام الدین کے گھر آئے ہوں، ضرورت پڑنے پر احتشام الدین خود ان کے گھر جایا کرتے تھے۔ خاں صاحب کی آمد کو بھی احتشام الدین نے اسی نظر سے دیکھا جو ان کے اپنے ذہن میں تھی اور پھر اس وقت تو وہ بالکل ہی مطمئن ہو گئے جب انہیں اطلاع ملی کہ ان کا بیٹا احمد یار خاں ایک ہفتے کے اندر آنے والا ہے۔

خاں صاحب جب بھی آتے تھے خاص طور سے راحیلہ سے ملاقات ضرور کرتے تھے، اس کے علاوہ وہ راحیلہ کے لئے انتہائی قیمتی تحائف بھی لاتے تھے۔ اس بار وہ ہیروں کا انتہائی

خوبصورت ہار راحیلہ کے لئے لائے تو احتشام الدین نے دبی زبان سے کہا ''یہ بے حد قیمتی ہے خاں صاحب۔ آپ اسے ویسے ہی بہت کچھ دے چکے ہیں۔''

''تو پھر.....؟'' خاں صاحب نے بھنویں چڑھا کر پوچھا۔

''نہیں۔ میرا مطلب ہے''

''ہم جو کچھ اسے دے رہے ہیں اپنی حیثیت کے مطابق ہی دے رہے ہیں، آپ کے خیال میں ہم کسی کو اتنا قیمتی ہار نہیں دے سکتے۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''احتشام الدین، کسی سے ہمارا براہ راست واسطہ ہو جائے تو ہم کسی دوسرے کی نکتہ چینی پسند نہیں کرتے۔''

''جی۔'' احتشام الدین نے گردن جھکا دی۔ خاں صاحب تو چلے گئے لیکن نجانے کیوں آج احتشام الدین کے دل میں بے چینی کی ایک لہر سی تھی، رات کو انہوں نے بیگم سے کہا ''آپ دیکھ رہی ہیں، خاں صاحب نے ہم پر عنایتوں کے انبار لا دیئے ہیں۔''

''ہاں واقعی آج انہوں نے جو ہار دیا ہے وہ بہت ہی قیمتی ہے لیکن ظاہر ہے ہم انہیں بھلا ان کی عنایتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں اور پھر احمد یار خاں تو ان کے سب سے بڑے بیٹے ہیں، سب سے پہلی بیگم کی یادگار، باقی دو بیویوں سے بھی شمشیر احمد خاں کی اولادیں ہیں غالباً تین بیٹیاں اور دو بیٹے۔''

''ہاں، مگر صرف ایک بیٹی اور ایک بیٹے کو انہوں نے قبول کیا ہے، باقی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ان کی مائیں لے کر چلی گئی ہیں اور خاں صاحب نے انہیں اپنی خوشی سے ان کے حوالے کیا ہے، خاصی دولت اور جائیدادیں دی ہیں انہیں۔ احمد یار خاں کے علاوہ بس ایک بیٹا اور بیٹی ہے جو لندن میں زیر تعلیم ہیں۔ ان تیسری بیگم سے ابھی تک ان کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے۔ ظاہر ہے بڑے بیٹے کی حیثیت سے وہ احمد یار خاں کو بڑی اہمیت دیتے ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں بڑے بیٹے کی خوشی کے لئے ہی کر رہے ہیں۔''

احتشام الدین اپنی اس بے چینی کو الفاظ نہیں دے سکتے تھے جو ان کے دل میں پیدا ہو گئی تھی، چنانچہ خاموش ہی رہے۔

پھر الیکشن کے دن قریب آ گئے۔ احتشام الدین کو شمشیر احمد خاں کے حوالے سے جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا حقیقت یہ تھی کہ ان کے لئے بڑے ہی الجھاوے کا باعث تھا۔ منافقت ان کی فطرت میں نہیں تھی لیکن منافقت کرنا پڑ رہی تھی۔ انہیں شمشیر احمد خاں کی دہری پالیسی پر چلنا پڑ رہا تھا، راؤ افتخار یہ سمجھتا تھا کہ سب کچھ اس کے قبضے میں ہے۔ ویسے اس میں کوئی شک نہیں کہ راؤ افتخار کے اندر سرکشی پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے معاملات میں اس نے احتشام الدین سے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ شمشیر احمد خاں کی یہ پالیسی غلط ہے، وہ ان کی ہدایت پر عمل نہیں کرے گا اور واقعی اس نے ایسا ہی کیا تھا لیکن اس بات سے خود احتشام الدین بھی واقف نہیں تھے کہ اسے ایسا کرنے کے لئے کس طرح مجبور کر دیا گیا تھا۔ یہ شمشیر احمد خاں صاحب کی پالیسی تھی تاکہ کسی بھی لمحے وہ کہہ سکیں کہ راؤ افتخار اپنی خودسری کا شکار ہو گیا۔ الیکشن کے ان ہنگاموں کے دوران خاں صاحب کی عنایتیں بھی جاری رہیں تھیں اور احتشام الدین ہر بات پر پریشان ہو جاتے تھے، اس رات انہوں نے کہا ''احمد یار خاں، باقاعدہ باپ کے ساتھ مصروف عمل ہے اور غالباً الیکشن ہی کی وجہ سے خاں صاحب نے اسے بلایا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں کہ الیکشن کے فوراً بعد اس کی دعوت کروں اور اس دوران راحیل احمد اور سعدیہ کو بھی بلا لوں۔ اصل میں کچھ عجیب سے مخمصے میں پھنس گیا ہوں، اگر راحیل احمد اور سعدیہ بیگم کو یہ بات بتاتا ہوں کہ شمشیر احمد خاں صاحب نے کس طرح راحیلہ پر اپنی عنایتوں کی بارش کر رکھی ہے اور اس بات کے امکانات ہیں کہ شاید وہ اپنے بیٹے کا رشتہ راحیلہ کے لئے مانگیں تو پتہ نہیں راحیل بھائی کا کیا ردعمل ہو۔''

''ردعمل کیا ہو گا۔ بھائی صاحب خواب میں بھی ایسے رشتے کے بارے میں نہیں سوچ سکتے۔''

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن وہی عظمیٰ اور صنوبر کا معاملہ..... پھر وہی پیچ نہ سامنے آ جائے۔''

''آنی تو نہیں چاہیے۔''

''شمشیر احمد خاں سے اگر کوئی بات ہو گئی تو اس سے پلٹنا مشکل ہو گا۔ تعلقات خراب ہو جائیں گے۔ دریا اور مگرمچھ والی بات ہو جائے گی۔ میں بھلا ان سے منحرف کیسے ہو سکتا ہوں۔''

''تب پھر ایک کام کریں۔''

''ہاں بولو۔''

''بھائی صاحب اور بھابھی جان کو کچھ دن کے لئے یہاں بلالیں۔ اس کے بعد کوئی فیصلہ کریں۔''

احتشام الدین سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

بہت دیر تک وہ خیالات میں کھوئے رہے۔ ذراسی الجھن تھی ذہن میں، بردبار آدمی تھے جو کام بھی کرتے ٹھوس بنیادوں پر کرتے۔ کسی ایسے کچے کام میں ہاتھ نہیں ڈالتے تھے جو اعتماد کے ساتھ نہ ہو۔ شمشیر احمد خاں فطرتاً کچھ بھی تھے ہر بڑے آدمی کے نام کے ساتھ بہت سی کہانیاں یونہی وابستہ ہوجاتی ہیں، شمشیر احمد خاں کے بارے میں بھی ان کے دشمن اور خاص طور سے اخبارات نئی نئی داستانیں گھڑتے رہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ شمشیر احمد خاں آزاد خیال انسان تھے، پہلی بیگم کا تو سچ مچ انتقال ہوا تھا۔ اس کے بعد دوسری شادی کی۔ ان بیگم سے زیادہ عرصے نہیں بن سکی تو تیسری شادی کی لیکن ان کی زندگی کی کوئی رنگین داستان کبھی منظر عام پرنہیں آئی۔ البتہ ان کے سیاسی جوڑ توڑ کی کہانیاں اکثر منظر عام پر آتی رہتی تھیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ملک کی سیاست اور حکومتوں کی تبدیلی میں وہ پیش پیش نظر آتے تھے۔ اتنی بڑی شخصیت کی نگاہ کسی معمولی گھرانے پر ہوجائے تو بہت بڑی بات تھی۔ احتشام الدین شمشیر احمد خاں کے لئے طویل عرصے سے کام کر رہے تھے اور شمشیر احمد خاں انہیں اپنے خاص آدمیوں میں گردانتے تھے۔ اس بات کے بھی امکانات تھے کہ شمشیر احمد خان صرف ازراہ محبت راحیلہ کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہوں۔ ویسے بھی راحیلہ کی شخصیت میں ایک ایسی دلکشی تھی کہ ہر شخص اس سے متاثر ہوجاتا تھا۔ بچپن سے ہی راحیلہ کو ایک منفرد مقام حاصل رہا تھا جس کے بارے میں احتشام الدین بخوبی جانتے تھے۔ اب وہ یہ سوچ رہے تھے کہ اگر بہن اور بہنوئی کو یہ کہیں کہ شمشیر احمد خاں نے اپنے بیٹے کے لئے راحیلہ کا انتخاب کرلیا ہے تو کہیں یہ کوئی مفروضہ ہی نہ ثابت ہو اور خواہ مخواہ شرمندگی اٹھانی پڑے۔

بے شک الیکشن کا دور تھا۔ وہ خود اور شمشیر احمد خاں بھی بے پناہ مصروف تھے۔ یہاں تک کہ انہوں نے امریکہ سے احمد یار خاں کو بھی بلالیا تھا۔ اس بات کا امکان بھی تھا کہ وہ احمد یار خاں کو راحیلہ سے ملانا چاہتے ہیں اور اس کے بارے میں اس کی رائے لینا چاہتے ہوں۔ بہت غور وخوض کے بعد انہوں نے اپنی بیگم سے کہا۔ ''نہیں بیگم! ابھی کوئی بات کرنا غیر مناسب ہوگا۔

خدانخواستہ اگر میرا خیال غلط نکلتا ہے تو میری سبکی ہوگی جو میں نہیں چاہتا۔ میرا خیال ہے الیکشن گزر جانے دو، جب تک خاں صاحب اپنی زبان سے کچھ نہیں کہیں گے تب تک خاموشی اختیار کرنا ہوگی۔ ظاہر ہے ہم خود تو کچھ کہہ نہیں سکتے۔''

''ٹھیک ہے، آپ ٹھیک کہتے ہیں۔'' بیگم نے شوہر سے اتفاق کیا تھا۔

پھر چند ہی روز کے اندر اندر الیکشن کے ہنگامے بہت زیادہ بڑھ گئے اور احتشام الدین بھی سخت مصروف ہوگئے۔ اس بار انہیں جو کچھ کرنا پڑ رہا تھا وہ پہلے کے کاموں سے بہت مختلف تھا ان کے ساتھی رانا جبار کے کام میں مصروف ہوگئے تھے، احتشام الدین انہیں باقاعدہ مدد دے رہے تھے ایسی باتیں چھپتی کہاں ہیں۔ اخبارات حاشیہ آرائی کرنے لگے۔ اس بات پر حیرت کا اظہار کیا جارہا تھا کہ ہمیشہ شمشیر احمد خاں کے قدموں سے قدم ملا کر چلنے والے احتشام الدین اس بار شمشیر احمد خاں سے کچھ کھنچے کھنچے نظر آتے ہیں اور یوں لگتا ہے جیسے ان کا جھکاؤ رانا جبار کی طرف ہو۔ خود راؤ افتخار بھی اب یہ بات اچھی طرح محسوس کر چکا تھا۔ اس نے شمشیر احمد خاں سے کہا ''خاں صاحب، یہ احتشام الدین کو کیا ہوگیا، مجھے ان کے تیور کچھ بدلے بدلے سے نظر آتے ہیں۔''

''بھائی انسان کا اپنا عمل ہوتا ہے، ہم کسی کی گردن پر چھری تو نہیں رکھ سکتے۔''

''لیکن وہ تو آپ کے اشاروں پر چلنے والے شخص ہیں۔''

''آج کل کوئی کسی کے اشاروں پر نہیں چلتا، سب اپنے اپنے مفادات دیکھتے ہیں۔ اب تم ہی دیکھ لو، میں نے تم سے جام گڑھی کی کچھ زمینیں رائے محمود کو دینے کے لئے کہا تھا اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ وہ اس کی پشتی زمینیں تھیں۔ بندہ کوئی بھی ہو میری فطرت کا ایک حصہ ہے کہ جب کوئی میرے پاس اپنا دکھ لے کر آتا ہے تو میں اسے سنتا ضرور ہوں اور کوشش بھی کرتا ہوں کہ اس کا دکھ دور کردیا جائے تم نے معذوری کا اظہار کردیا، میں خاموش ہوگیا۔''

''مگر خاں صاحب، رائے محمود کے ہی بزرگوں میں سے کسی نے وہ زمینیں میرے سسر کو فروخت کی تھیں اور میرے سسر نے انہیں اپنے بیٹے کے نام کردیا تھا۔ وہ میری نہیں میرے سالے کی ملکیت تھیں، میں انہیں کیسے.....''

''اماں چھوڑو راؤ افتخار، کسی کی بات رکھنے کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاسکتا۔ جتنی قیمت

میں وہ زمینیں تمہارے سالے کے باپ نے خریدی ہوں گی تم وہ قیمت ادا کر کے وہ زمینیں رائے محمود کو دے سکتے تھے مگر بھائی کون کسی کے لئے کچھ خرچ کرتا ہے خیر تم احتشام الدین کی بات کر رہے تھے نا تو میں نے تمہیں یہ مثال دی کہ آج کل کون کسی کی مانتا ہے، پھر بھی میں اس سے بات کروں گا کہ کیا بات ہے، کیا افتخار کا کہنا ٹھیک ہے۔‘‘

’’خاں صاحب میری تو زندگی ہی ختم ہو جائے گی۔ پارٹی کی طرف سے بھی کوئی بھرپور مدد نہیں مل رہی۔ کچھ عجیب سی کیفیت ہو گئی ہے۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں بات کرتا ہوں۔‘‘ خاں صاحب نے کہا۔ احمد یار خاں راؤ افتخار کا پرانا دوست تھا۔ عمروں میں فرق تھا مگر اتنا زیادہ نہیں۔ احمد یار خاں سے امریکہ سے آنے کے بعد دو ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ احمد یار خاں کو بھی شمشیر احمد خاں نے الیکشن کی کچھ ذمہ داریاں سونپ دی تھیں۔ راؤ افتخار کو خاں صاحب کے روّیے سے یہ انداز ہو گیا تھا کہ خاں صاحب بھی کھنچے کھنچے سے ہیں۔ اسے ایک دم سے اس خوف کا احساس ہوا کہ خاں صاحب بظاہر پارٹی کے لئے کام کر رہے ہیں لیکن اس جوش و خروش سے نہیں جس کا اظہار وہ کرتے تھے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ احتشام الدین بھی خاں صاحب ہی کے اشارے پر عمل کر رہے ہوں، اگر ایسا ہوا تو یقینی طور پر راؤ افتخار بے موت مارا جائے گا۔ خصوصاً احمد یار خاں سے ملاقات کی، چالاک آدمی تھا بیٹے سے باپ کے خلاف کوئی بات کہنا زبردست حماقت تھی۔ اس لئے بڑی چالاکی سے احمد یار خاں سے بات کی اور بولا

’’چھوٹے خان، یار ایک گڑبڑ ہے تمہاری مدد چاہتا ہوں۔‘‘

’’ہاں ہاں کہو۔‘‘

’’احتشام الدین کو تو جانتے ہو نا؟‘‘

’’چچا کہتا ہوں انہیں، تم جاننے کی بات کر رہے ہو۔‘‘

’’یار ذرا ان کے پاس چلنا ہے تمہیں میرے ساتھ۔‘‘

’’کوئی کام ہے؟‘‘

’’ہاں، بس انکار نہیں سنوں گا، چلو میرے ساتھ۔‘‘

احمد یار خاں ہنس دیا پھر بولا۔ ’’انکار کیا کس نے ہے بھائی، کام کیا ہے؟‘‘

’’تم چلو تو سہی میں بتا دوں گا۔‘‘

جیپ میں فاصلہ طے کرتے ہوئے راؤ افتخار نے گول مول انداز میں کہا۔

’’اس بار احتشام الدین کچھ جھٹکے جھٹکے سے ہیں۔‘‘

’’کیا مطلب؟‘‘

’’مطلب یہ کہ مجھے باوثوق ذرائع سے یہ اطلاع ملی ہے کہ وہ رانا جبار کی طرف جھکے ہوئے ہیں۔‘‘

’’ایسا نہیں ہو سکتا، پاپا کی مرضی کے بغیر تو وہ کچھ بھی نہیں کرتے۔‘‘ راؤ افتخار کہنا تو چاہتا تھا کہ یہ بات میں جانتا ہوں، لیکن بیٹے سے باپ کے خلاف کوئی بات تو نہیں کی جا سکتی۔

اس نے کہا۔ ’’اصل میں تمہارے جذبات ان کے بارے میں جیسے بھی ہوں یہ سیاست ہے بھائی، سیاسی جوڑ توڑ کے بارے میں تم نہیں جانتے تم نے بڑا اچھا روّیہ اختیار کیا کہ یہاں سے نکل گئے۔ پھنسے ہوئے ہم لوگ ہیں، بس یوں سمجھ لو سیاست بھی حلق کی ہڈی ہوتی ہے، نگلی جائے نہ اگلی جائے۔ اگر سیاسی میدان خالی چھوڑتے ہیں تو سمجھ لو کہ دشمنوں کی بن آتی ہے سب کیا دھرا مٹی میں مل جاتا ہے۔ تمہارے سامنے ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، خاں صاحب کو تو ہم سچی بات ہے کہ سیاست کا بادشاہ سمجھتے ہیں۔ خود کبھی چکر میں نہیں پڑے، دوسروں کو بادشاہ بناتے رہے، بہرحال میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ احتشام الدین خاں صاحب سے منحرف ہو کر کچھ کر سکتے ہیں لیکن پھر بھی ذرا سی بات چیت ان سے ہو جائے اور تم ساتھ ہو تو کم از کم مجھے ڈھارس ہو جائے گی۔‘‘

’’چلو اتنی تمہید کی کیا ضرورت ہے۔ اب چل ہی رہے ہیں ان کے پاس جو پوچھنا چاہو میرے سامنے پوچھ لینا۔‘‘ احمد یار خاں نے کہا۔

بہرحال یہ سفر طے کر کے وہ احتشام الدین کی رہائش گاہ پر پہنچ گئے۔ احتشام الدین نے اپنی رہائش گاہ ہی کے ایک حصے میں الیکشن آفس بنا رکھا تھا اور اس آفس کی ذمے داری احیلہ نے سنبھال رکھی تھی۔ اس وقت بھی وہ کاغذات پر جھکی کچھ کام کر رہی تھی کہ یہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔ دوسرے چند افراد بھی کام کر رہے تھے البتہ احتشام الدین موجود نہیں تھے۔

’’احتشام الدین صاحب کہاں ہیں؟‘‘ راؤ افتخار نے ایک شخص سے پوچھا۔

"پتہ نہیں جناب، میڈم سے پوچھ لیں۔" یہ شخص راؤ افتخار یا احمد یار خاں کو پہچانتا نہیں تھا دونوں راحیلہ کے سامنے پہنچ گئے۔

راحیلہ نے کسی کو سامنے محسوس کر کے گردن اٹھائی تو اس کا چہرہ ان دونوں کے سامنے آیا۔ یہی راحیلہ کی خوبی تھی کہ ایک نگاہ اسے دیکھنے والا کچھ لمحوں کے لئے گم ضرور ہو جاتا تھا۔ صحیح معنوں میں یہ کیفیت ہی راحیلہ کو سکون اور خوشی دیتی تھی۔ اس کی روشن آنکھوں میں حسین چمک لہرا گئی۔ راؤ افتخار اور احمد یار خاں گم صم کھڑے تھے۔ راحیلہ نے کہا

"فرمایئے۔"

تب دونوں چونکے احمد یار خاں نے راؤ کو دیکھا اور راؤ گڑبڑا کر بولا۔ "جی ہاں، جی ہاں۔"

راحیلہ انتہائی دلآویز انداز میں مسکرادی پھر بولی "آپ کچھ نئی اردو بول رہے ہیں، میں نے آپ سے سوال کیا تھا کہ فرمایئے اور آپ جواب دے رہے ہیں جی ہاں جی ہاں۔"

اس دوران راؤ افتخار نے خود کو سنبھال لیا تھا جبکہ احمد یار خاں ابھی تک کھویا ہُوا تھا، راؤ افتخار مسکرادیا پھر بولا۔ "آپ کون ہیں؟"

"لیجئے، دوسرا انوکھا سوال، اگر میں آپ سے کہتی ہوں کہ انسان ہوں تو دروغ گوئی ہو جائے گی، کیونکہ مفکروں کے خیال میں آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا...... بس ہوں۔"

"نہیں میرا مطلب ہے آپ یہاں احتشام الدین کے ساتھ کام کر رہی ہیں؟"

"نہیں فی الحال تو میں تنہا ہوں۔" راحیلہ بولی۔

راؤ افتخار ہنس دیا۔ احمد یار خاں بدستور راحیلہ میں کھویا ہوا تھا، راؤ افتخار نے کہا۔ "بہر حال آپ جو کچھ بھی ہیں یا جو کوئی بھی ہیں، آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے، میں احتشام الدین صاحب سے ملنا چاہتا تھا۔"

"پلیز مجھے اپنا نام بتایئے؟"

م راؤ افتخار احمد ہے اور یہ شمشیر احمد خاں صاحب کے صاحبزادے احمد یار خاں ہیں۔

"اوہو، آپ تو بہت بڑے لوگ ہیں، معافی چاہتی ہوں میں نے آپ سے بے تکلفی

سے گفتگو کی۔ میں اطلاع دیتی ہوں۔" اس نے جلدی سے، انٹرکام اٹھالیا۔

راؤ افتخار احمد اور احمد یار خاں اسے دیکھ رہے تھے حقیقتاً ان کے خیال میں اس دفتر میں قیامت برپا تھی۔

"راؤ صاحب اور احمد یار خان صاحب آپ سے ملاقات کے لئے آئے ہیں۔" راحیلہ نے اطلاع دی۔

"تم انہیں اندر لے آؤ۔ سمجھ تو رہی ہونا کہ کون لوگ ہیں وہ۔"

"جی۔" اس نے انٹرکام بند کیا اور بولی "آیئے۔"

راؤ افتخار احمد اور احمد یار خاں اس کے ساتھ چل پڑے۔ اس کے پورے وجود کی دلکشی نے ان دونوں کو حقیقت سے بہت دور کر دیا تھا اور کچھ لمحوں کے لئے وہ بالکل بھول گئے تھے کہ وہ یہاں کس لئے آئے ہیں۔ بہر طور انہیں اندر ڈرائنگ روم میں پہنچا دیا گیا جہاں احتشام الدین نے ان کا بڑا پرتپاک خیر مقدم کیا، پھر کہنے لگے "ٹھیک ہے راحیلہ بہت شکریہ، تم اپنا کام کرو۔"

دونوں کا دل چاہا کہ ان کا کام ہو یا نہ ہو، اس ملکہ حُسن کو ڈرائنگ روم سے باہر نہ بھیجا جائے لیکن احتشام الدین دونوں کے لئے قابل احترام تھے اور ان بزرگ سے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی جا سکتی تھی۔ چنانچہ دونوں نے خود کو سنبھال لیا۔ احتشام الدین راؤ افتخار اور احمد یار خاں کو یکجا دیکھ کر چونکے تو تھے لیکن سنبھلے رہے تھے۔

"احتشام الدین صاحب! آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ احمد یار خاں میرے دیرینہ دوست ہیں۔"

"مجھے نہیں معلوم تھا۔" احتشام الدین نے کہا۔

"خیر، میں آپ کو بتا دوں کہ سارے معاملات سے ہٹ کر ہماری دوستی بہت قدیم ہے، بے شک انہوں نے امریکہ آباد کر لیا لیکن ہمارے درمیان مسلسل رابطے رہتے ہیں۔ احتشام الدین صاحب میں اِدھر اُدھر کی باتیں نہیں کروں گا۔ براہ راست آپ سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔"

"جی جی فرمایئے۔"

"کیا، خاں صاحب مجھ سے ناراض ہیں؟"

احتشام الدین نے چہرے پر اس قدر شائستگی کے آثار پیدا کئے اور بولے ''آپ کے خیال میں اس سوال کا جواب میرے پاس ہوسکتا ہے؟''

''جی میرے خیال میں آپ کے پاس ہوسکتا ہے۔''

''تو حضور آپ کا یہ خیال غلط ہے، میں تو ان کے ورکروں میں سے ہوں اور ورکروں کو مالکوں کے دل کی بات تو نہیں معلوم ہوتی۔''

''احتشام الدین صاحب، خدا کے لئے مجھے بتایئے، مجھ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا پھر آپ کو مجھ سے کوئی پرخاش ہے۔''

''لیجئے، ارے بھائی دنیا آپ کو اپنی دشمن کیوں نظر آنے لگی؟''

''اس لئے کہ مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے اس بار آپ لوگ میری کامیابی نہیں چاہتے۔''

''اس خیال کی وجوہات کیا ہیں؟''

''بس جس طرح اس بار الیکشن مہم میں آپ مجھے نظر انداز کررہے ہیں اس سے یہ احساس ہوا ہے۔''

''دیکھئے میں ایک بات عرض کردوں آپ سے، میرا ہر قدم خاں صاحب کے اشارے پر اٹھتا ہے اور میرے علم میں یہ بات بالکل نہیں ہے کہ خاں صاحب آپ سے ناراض ہیں، مجھے جو حکم مل رہا ہے میں وہ کر رہا ہوں لیکن خود میرے خیال میں بھی ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے آپ کو صرف غلط فہمی ہوئی ہو۔''

''کاش ایسا ہی ہو، خاں صاحب تو ہمارے سرپرست ہیں، ان کے بغیر بھلا ہم کیسے چل سکتے ہیں؟''

''آپ نے انہی سے یہ سوال کیا ہوتا؟''

''کہیں سے کوئی جواب نہیں مل رہا، احمد یار خاں! ابھی تو کچھ بولو۔''

''احتشام صاحب کہتے ہیں کہ ایسی کوئی بات ان کے علم میں نہیں ہے تو ظاہر ہے یہی سچ ہوگا۔''

''آپ یہ بتایئے میں آپ کی کیا خاطر مدارات کروں، خاص طور سے احمد یار خاں صاحب، ظاہر ہے آپ میرے لئے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، آپ سے اپنے طور پر بھی کچھ

بات چیت کرنا چاہتا تھا۔''

''راؤ افتخار صاحب مجھے آپ کے پاس لے کر آئے تھے، بہرحال جس طرح ہمارے اور آپ کے گھرانے میں تعلق ہے اس کے تحت میں آپ کا بے حد احترام کرتا ہوں۔''

''آپ کچھ وقت دے سکیں گے مجھے؟''

''ہاں ہاں کیوں نہیں۔''

''ایک منٹ، میں کچھ بندوبست کرکے آتا ہوں۔''

''ارے نہیں آپ رکئے تو سہی۔'' راؤ افتخار نے کہا۔

''راؤ صاحب سچ کہہ رہا ہوں کوئی ایسا عمل میرے علم میں نہیں ہے جو آپ کے خلاف ہو، اصل میں ایسے لمحات میں انسان کو لاتعداد وسوسے گھیر لیتے ہیں لیکن میرے خیال میں ایسی کوئی وجہ ہے نہیں، میں حاضر ہوا۔''

احتشام الدین بھی زیرک انسان تھے۔ احمد یار خاں کو روک کر راحیلہ سے تعارف کرانا چاہتے تھے۔ اسی لئے موقع دیا تھا کہ فیصلہ ہوجائے اور ان کا خیال بالکل ٹھیک نکلا۔

''کیا کہتے ہیں راؤ صاحب؟'' احمد یار خاں نے کہا۔

''کیا مطلب؟''

''میرا خیال ہے آپ جایئے، میں بعد میں آجاؤں گا، اگر آپ کے خیال میں کچھ ہورہا ہے تو آپ کے سامنے اس کا اعتراف تو نہیں کیا جائے گا نا، میں انہیں شیشے میں اتارتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے۔''

''یار تمہارا بے حد شکریہ، احتشام الدین کو ٹٹولو، شمشیر احمد خاں صاحب کے جتنے راز ہوتے ہیں، احتشام الدین ان رازوں کی تجوری ہیں وہ آجائیں تو میں نکل جاؤں گا، تمہیں......''

''نہیں مجھے آنے میں کوئی دقت نہیں ہوگی۔ کوئی نہ کوئی بندوبست کرلوں گا۔ ویسے تم سیدھے شمشیر احمد خاں صاحب کے پاس مت پہنچ جانا، نہ ہی انہیں یہ خبر دینا کہ میں یہاں رُک گیا ہوں یا موجود ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔''

احتشام الدین اپنے ساتھ ملازم کو لائے تھے جس نے ایک ٹرالی میں کچھ اشیاء سجائی ہوئی

نہیں۔

کھانے پینے کی اشیاء سرو ہوئیں اور اس کے بعد راؤ افتخار نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
''احمد یار خاں آپ کے پاس رُک رہے ہیں، میں آخری استدعا کر کے جا رہا ہوں، اگر خاں صاحب کسی وجہ سے مجھ سے ناراض ہیں تو خدارا آپ وہ وجہ معلوم کر کے مجھے بتائیں، میں خاں صاحب کے پاؤں پکڑ لوں گا۔''

''میرے علم میں ایسی کوئی بات نہیں ہے تاہم آپ کی خواہش پر میں خاں صاحب کو ٹٹول لوں گا۔'' احتشام الدین نے کہا، پھر احمد یار خاں کے ساتھ راؤ افتخار احمد کو باہر تک چھوڑنے آئے۔ جب راؤ افتخار احمد چلے گئے تو احتشام الدین نے کہا ''ایک عجیب سی غلط فہمی ہے میری سمجھ میں واقعی کچھ نہیں آیا، آیئے۔'' وہ دوبارہ ڈرائنگ روم میں جا کر بیٹھ گئے۔

''آپ خیریت سے تو ہیں، اصولی طور پر مجھے آپ سے آپ کے بارے میں پوچھنا چاہئے تھا لیکن راؤ افتخار بھی کمال کی شخصیت ہیں، میں آپ سے ملے بغیر تو نہ جاتا کیونکہ بہرحال یہ بات میں جانتا ہوں کہ آپ کے پاپا سے کتنے گہرے تعلقات ہیں لیکن میں نے سوچا تھا کہ الیکشن کے بعد آپ کی خدمت میں حاضری دے کر کچھ وقت آپ کے پاس گزاروں گا۔ آپ مجھے بتایئے سب خیریت تو ہے نا؟''

''ہاں بہت مہربانی ہے، آپ سنائیں احمد یار خاں، امریکہ میں کیسی گزر رہی ہے؟''

''بہت خوش اور مطمئن ہوں وہاں، حقیقت یہ ہے کہ یہاں کی زندگی میرے آباؤ اجداد کی زندگی ہے لیکن کچھ ایسی گڑبڑ ہوگئی ہے کہ طبیعت پر اکتاہٹ سوار ہو جاتی ہے۔ خیر سیاسی طور پر تو ہر جگہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسے یہاں ہو رہا ہے۔''

''یعنی رانا جبار اور راؤ افتخار کے بارے میں یہ بات کہہ رہے ہیں آپ احمد یار خاں؟''

''نہیں، الیکشن صرف اسی علاقے میں تو نہیں ہو رہا، یہ سیاسی جوڑ توڑ تو ہر جگہ ہوتے ہیں۔''

''مگر یہاں کچھ نہیں ہو رہا، سیدھا سیدھا کام ہے، راؤ افتخار ہماری پارٹی کے ہیں اور رانا جبار آزاد امیدوار ہیں۔ پہلے تو کبھی وہ کامیاب نہیں ہوئے کیونکہ اس علاقے کے لوگ جانتے ہیں کہ خاں صاحب کا ہاتھ راؤ افتخار کی پشت پر ہے، میں آپ کو تفصیلات بتاتا ہوں۔'' احتشام

الدین نے کہا اور انٹرکام پر راحیلہ کو مخاطب کر کے بولے۔

''راحیلہ! فائل نمبر دو تین اور چائے لے کر آ جاؤ۔''

یہ کہہ کر انہوں نے انٹرکام بند کر دیا۔ پورا منصوبہ ذہن میں تھا۔

راحیلہ تھوڑی ہی دیر کے بعد فائل لے کر آ گئی تو احتشام الدین نے ایک فائل کھول کر سامنے کر لی پھر بولے ''یہ دیکھئے، خاں صاحب کی تمام تر ہدایات راؤ افتخار احمد کے حق میں ہیں۔''

احمد یار خاں سب کچھ بھول گیا، بس اسے اس حسین و جمیل لڑکی کی قربت کا احساس تھا۔ وہ نگاہ بھر کر اس کی طرف دیکھ بھی نہیں پا رہا تھا۔ اسی وقت احتشام الدین کے فون کی گھنٹی بجی اور انہوں نے ریسیور کان سے لگا لیا۔ یہ بھی منصوبے کا ایک حصہ تھا۔ اندر گئے تھے تو بیگم کو ہدایت کر کے آ گئے تھے یہ فون بیگم نے ہی کیا تھا احتشام الدین بولے ''ہاں کہئے کیا بات ہے، اوہو اچھا میں ابھی آیا'' وہ اپنی جگہ سے اٹھے اور راحیلہ سے بولے ''راحیلہ! آپ ذرا احمد یار خاں کو ان فائلوں کی تفصیلات بتایئے۔'' راحیلہ نے مسکرا کر گردن ہلائی اور احتشام الدین اندر چلے گئے۔

احمد یار خاں کو تو غیر متوقع طور پر یہ موقع ملا تھا، راحیلہ نے فائل کھولی تو احمد یار خاں نے ہمت کر کے ہاتھ آگے بڑھایا اور فائل بند کر دی۔

''نہیں مس راحیلہ! میرا آپ کا تعارف یقیناً نہیں ہے۔ میں شمشیر احمد خاں کا بیٹا ہوں۔ امریکہ میں رہتا ہوں اور پاپا نے یہاں صرف ضرورتاً مجھے بلا لیا ہے، میں انجینئر ہوں اور سیاست سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے، آپ پلیز مجھے اس بارے میں کچھ نہ بتائیں۔ احتشام الدین صاحب کا تو میں احترام کرتا ہوں اس لئے جو کچھ وہ کہیں گے میں سن لوں گا جبکہ وہ سب کچھ میرے لئے غیر دلچسپ ہوگا۔ میرے لئے اس سے کہیں زیادہ دلچسپ آپ کی شخصیت ہے۔ آپ کون ہیں، خدا کے لئے وہ الفاظ دوبارہ نہ دہرائیں جو آپ نے اپنے آفس میں کہے تھے، میں آپ کی گفتگو کا مقابلہ نہیں کر سکوں گا، میں تو آپ سے صرف تعارف چاہتا ہوں۔''

''آپ نے میرا نام لیا ہے اس کا مطلب ہے کہ کم از کم نام کی حد تک تو آپ کو میرے بارے میں علم ہو چکا ہے۔ مزید یہ کہ احتشام الدین صاحب کی بھانجی ہوں، ان کے ساتھ ہی رہتی ہوں۔ میرے والدین یہاں نہیں ہوتے، دو بہنیں اور ہیں، ماں باپ ہیں۔ احتشام الدین

میرے اکلوتے ماموں ہیں۔ مجھے بے پناہ چاہتے ہیں، میں بھی سیاست وریاست سے کوئی دلچسپی رکھتی ہوں نہ مجھے اس کے بارے میں معلومات حاصل ہیں، بس ماموں جان کا ہاتھ بٹانے کے لئے ان کی سیکرٹری بن بیٹھی ہوں۔''

احمد یار خاں کے دل میں پھول ہی پھول کھل رہے تھے۔ ایک کردار سامنے آیا تھا جو ایسا تھا کہ اگر اس کے حصول کی کوشش کی جاتی تو شاید اس میں ناکامی نہ ہوتی۔ شریف النفس آدمی تھا جو کچھ کرنا چاہتا تھا اپنے باپ کے ذریعے ہی کرنا چاہتا تھا۔ راحیلہ اس کے دل میں اتر گئی تھی۔ جاتے ہوئے باپ سے اس موضوع پر بات کرے گا، ہوسکتا ہے شمشیر احمد خاں اپنے دوست یا کارکن کی بھانجی سے شادی پر اعتراض کریں لیکن بہرحال کسی نہ کسی طرح میں انہیں منا ہی لوں گا۔ احمد یار خاں اپنی دانست میں ایک حسین زندگی کا آغاز کر چکا تھا، کچھ دیر کے بعد احتشام الدین صاحب واپس آ گئے، انہوں نے کہا۔ ''ہاں راحیلہ، تم نے احمد یار خاں صاحب کو مطمئن کر دیا؟''

''انہیں تو سیاست سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، ہم دونوں ایک جیسے ہی ہیں، کورے کے کورے۔''

کافی دیر احمد یار خاں یہاں رکا، راحیلہ کی اپنی فطرت کی مکمل تسکین ہو رہی تھی۔ وہ اس شخص کی آنکھوں میں محبت کی پیاس دیکھ چکی تھی، بہرحال یہ اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ کسی کو زخمی کر دینا اور پھر اس کے تڑپنے کا تماشا دیکھنا۔ احمد یار خاں بحالت مجبوری ہی یہاں سے چلا گیا تھا۔ کیونکہ اسے پتہ تھا کہ باپ انتظار کر رہا ہوگا۔ بہرحال دل میں ایک خلش لے کر گیا تھا۔

ادھر احتشام الدین ان دونوں کو ملاقات کا موقع دے کر خاصے مطمئن تھے اور سوچ رہے تھے کہ بات یقیناً آگے بڑھے گی۔ احمد یار خاں کی نیاز مندی کو انہوں نے بھی اچھی طرح محسوس کر لیا تھا۔ الیکشن ہوئے، خوب ہنگامے رہے اور راؤ افتخار کا خدشہ درست نکلا۔ رانا جبار الیکشن جیت گیا اور راؤ افتخار کے سارے چراغ بجھ گئے۔ خاں صاحب کی خدمت میں دہائی دینے حاضر ہوا تو خاں صاحب نے رکھائی اختیار کی اور کہا ''دیکھو افتخار! اپنے آپ کو ترازو میں تو لو۔ مذہب بھی کہتا ہے کہ غرور اللہ نے کبھی پسند نہیں کیا۔ تم پچھلے کچھ عرصے سے مغرور ہو گئے تھے۔ میں نے مختصراً تمہیں بتایا تھا کہ تم نے میرے سامنے بھی کھڑا ہونا شروع کر دیا تھا۔ خیر پارٹی کا

ممبر ہونے کی حیثیت سے میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ اب تمہاری مقبولیت کا گراف نیچے گر گیا تو میں کیا کروں۔''

''میری مقبولیت کا گراف تو نیچے نہیں گرا خاں صاحب لیکن یہ بات میرے علم میں اچھی طرح آ گئی کہ آپ نے جان بوجھ کر مجھے ہروایا ہے۔ میرے پاس ثبوت موجود ہیں، میں پہلے بھی اس بارے میں حاضری دیتا رہا ہوں، میں جاننا چاہتا ہوں کہ آپ نے ایسا کیوں کیا ہے، یہ تو ویسے بھی پارٹی سے غداری ہے۔''

''ہوں، پارٹی سے یہ غداری میں نے کی ہے، تم مجھے غدار کہہ رہے ہو۔ تم جانتے ہو کہ ہر لفظ کی ایک قیمت ہوتی ہے اور تمہیں یہ قیمت چکانی پڑے گی۔ سمجھے، جاؤ میں تمہیں جواب دینے کا پابند نہیں ہوں، غلط کیا ہے تم نے مجھ سے بدزبانی کر کے۔''

''خاں صاحب! میرے خیال میں وہ مثال بالکل درست ہے کہ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے یا لکڑیوں کا ایک مضبوط گٹھا ناقابل تسخیر بن جاتا ہے اور جب یہ لکڑیاں منتشر ہوتی ہیں تو بآسانی انہیں توڑا جا سکتا ہے۔''

''ہاں ہاں بولتے رہو، مجھے اچھے الفاظ بہت پسند آتے ہیں تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم سے علیحدگی اختیار کر کے میں ایک معمولی سی لکڑی ہوں جو آسانی سے ٹوٹ سکتی ہے۔ گڈ ویری گڈ۔ جاؤ افتخار میرے گھر کی دہلیز پر ہو، جاؤ عزت سے چلے جاؤ، جو کیا جا سکتا ہے کر لو۔ بہرحال تمہاری زندگی اس وقت تک کی ہے جب تک تم میرے گھر کی دہلیز کے اندر ہو۔ باہر کی دنیا اب تمہارے لئے موت کی دنیا ہے، اٹھو اور یہاں سے جاؤ۔ بس اس سے زیادہ میں تمہیں ایک لمحے کے لئے اپنی چھت کے نیچے برداشت نہیں کر سکتا۔'' شمشیر احمد خاں صاحب نے گھنٹی بجائی۔ دو گن مین آ گئے تو انہوں نے کہا

''انہیں عزت و احترام کے ساتھ جس سواری میں یہ آئے ہیں، اس سواری میں بٹھاؤ اور حویلی کے بڑے گیٹ سے باہر نکال دو۔''

راؤ افتخار تیکھی نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔ خاں صاحب کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے۔ پھر انہوں نے فون اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کئے اور مدھم لہجے میں اس سے کچھ کہتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے فون بند کیا اور آنکھیں بند کر کے صوفے کی پشت سے

ٹک گئے۔ نجانے کب تک وہ اسی طرح سوچ میں بیٹھے رہے۔ پھر ایک بھاری بھرکم شخص ایک ملازم کے ساتھ اندر آیا تو خاں صاحب سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔ ''ہاں...... سناؤ کیسے ہو؟''

''آپ کے قدموں کی دھول ٹھیک ہی ہوتی ہے خاں جی، اللہ کا فضل ہے سارے کام ٹھیک سے ہو گئے۔''

''ہاں...... وہ بندہ کون ہے جس کا نام تم نے بتایا تھا وہ جو راؤ افتخار کے گھر میں ہوتا ہے۔''

''شرفو نام ہے جناب اس کا، باپ دادا سے ہمارا آدمی ہے، آپ نے حکم دیا تھا کہ ایک بندہ راؤ افتخار کے گھر ایسا ہونا چاہئے جو ساری باتوں پر نظر رکھے۔''

''تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، وہ کب تک یہاں آ سکتا ہے، اس کے سپرد ایک اہم ذمے داری کرنی ہے۔''

''سر جی آپ اسے اتنی اہمیت نہ دیں، ان کمینوں کو آپ نہیں جانتے ذرا سا منہ لگاؤ سر پر چڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، اسے اس کی کاوشوں کا بھرپور صلہ دیا جا چکا ہے جی، آپ مجھے حکم کریں۔''

شمشیر احمد خاں تھوڑی دیر تک سوچ میں ڈوبا رہا پھر اس نے کہا۔ ''ہوں ٹھیک ہے جو کچھ میں بتا رہا ہوں اسے غور سے سننا، یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے تم سے کہ میں نے تمہیں بہت بڑا مقام دیا ہے اور اپنے قریبی راز داروں میں شامل کر لیا ہے۔''

''خاں جی! جب دل چاہے امتحان لے لو، گردن کاٹ کر اسی جگہ آپ کے پیروں میں نہ رکھ دیں تو زندگی پر لعنت ہے۔ آپ سے زیادہ ہمیں کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔''

شمشیر احمد خاں اسے آہستہ آہستہ کچھ سمجھاتے رہے تھے اور جو کچھ انہوں نے اسے سمجھایا تھا اس کا نتیجہ تین دن کے اندر اندر نکل آیا۔ راؤ افتخار نے خودکشی کر لی تھی، زہر کی شیشی اس کے کمرے سے برآمد ہوئی تھی۔ وہ گلاس بھی جس میں زہر پیا گیا تھا۔ زہر کی شیشی اور گلاس پر راؤ افتخار کی انگلیوں کے علاوہ اور کوئی نشان نہیں تھا۔ پولیس نے ضروری کارروائی کی۔ تمام تر تفتیش اسی راستے پر جاتی تھی کہ راؤ افتخار نے اپنی ناکامی پر خودکشی کر لی۔ وہ اپنے اقتدار کا سورج غروب ہوتے نہیں دیکھ سکا۔

اس کا ایک بیٹا تھا جو اس بات سے انحراف کرتا تھا، اس نے کہا ''پاپا بڑے باہمت آدمی

تھے، انہوں نے بہت زیادہ اثر نہیں لیا تھا، مجھ سے کہتے تھے کہ بیٹا چار سال آرام سے گزریں گے اور اس کے بعد جب الیکشن ہوگا تو مجال ہے کسی کی جو مجھے ہرا سکے، زندگی میں ناکامی ہی تو حوصلے بلند کرتی ہے۔''

بیٹے کا بیان واقعی پولیس کی تفتیش کو ڈسٹرب کرتا تھا لیکن بیٹا بھی کوئی ایسی بات نہیں بتا سکا جس سے یہ ظاہر ہوتا کہ راؤ افتخار کو زہر کسی اور نے دیا ہے۔ پولیس نے تفتیش کر کے خودکشی کا کیس بنا دیا اور فائل بند ہو گئی۔ یہ بات صرف چند ہی لوگ جانتے تھے کہ اصل معاملہ کیا تھا۔ خاں صاحب نے الٹی میٹم دے دیا تھا اور اس کے بعد بھلا کیا مجال تھی کہ راؤ افتخار زندہ رہ جاتا۔ ایسے بہت سے واقعات ہوئے تھے لیکن اس خوبصورتی کے ساتھ کہ خاں صاحب کا نام کہیں نہیں آنے پایا تھا۔

ادھر احمد یار خاں اپنی فرم چھوڑ کر آیا تھا۔ اسے زیادہ عرصے کی چھٹی نہیں مل سکتی تھی۔ ویسے بھی وہ بہت کم وطن آتا تھا، شمشیر احمد خاں نے بھی کبھی اس سے بہت زیادہ لگاؤ کا مظاہرہ نہیں کیا تھا، نہ سوتیلی ماں کو اس سے اس قدر دلچسپی تھی کہ کبھی اس کے بارے میں کوئی بات کرتی۔ جانے سے پہلے وہ راحیلہ سے ملنا چاہتا تھا اور اس بار اس نے ہمت کر ڈالی، راحیلہ کو اس نے فون کیا تھا۔

''مس راحیلہ! میں احمد یار خاں بول رہا ہوں، شمشیر احمد خاں کا بیٹا۔''

''جی، چھوٹے خاں صاحب آپ تو باد صبا کے ایک جھونکے کی مانند آئے اور اس کے بعد فضاؤں میں روپوش ہو گئے خیر چھوڑیئے کیسے مزاج ہیں آپ کے؟''

''ٹھیک ہوں، اللہ کا شکر ہے، آپ سے ملنے کو دل تو بہت چاہتا تھا لیکن تھوڑا سا بزدل ہوں اس معاملے میں کوشش کے باوجود آپ تک نہ پہنچ سکا، آج برداشت کی انتہا ہو گئی تو ہمت کر ڈالی کہ آپ کو فون کر کے ملاقات کی اجازت لوں۔ زحمت کر سکتی ہیں آپ؟''

''کیسی باتیں کرتے ہیں۔ یہ زحمت ہوگی...... انسان کے دل کی آرزو پوری ہو جائے اور اسے زحمت کہا جائے، زیادتی ہے چھوٹے خاں صاحب۔''

''ہوٹل فزارو بہت عمدہ جگہ ہے۔ کیا آپ وقت نکال سکتی ہیں میری آرزو ہے کہ ہم دونوں ہوٹل فزارو میں ڈنر کریں۔''

راحیلہ کچھ لمحوں کے لئے خاموش ہوگئی۔ گن کی پکی تھی، جانتی تھی کہ ایک لمحے کے اندر آمادگی بہت سی غلط فہمیوں کو جنم دے سکتی ہے، وہ یہ سوچ سکتا ہے کہ راحیلہ اس قدر آزاد ہے کہ اس طرح ہوٹلوں میں بھی جا سکتی ہے۔ جہاں تک معاملہ رہا احتشام الدین کا تو وہ یہ جانتی تھی کہ احتشام صاحب خود چاہتے ہیں کہ احمد یار خاں سے اس کی دوستی ہو جائے۔ چنانچہ اس نے کچھ لمحے کا وقفہ دیا تھا اور اس دوران احمد یار خاں بول پڑا۔

''یہ میری آرزو تھی میں آپ کو کسی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتا۔ اگر آپ اس کام کو مشکل سمجھتی ہیں تو کوئی حرج نہیں ہے، مقصد تو آپ کے دیدار کرنا تھے گھر پر ہی حاضر ہو جاؤں گا۔''

''نہیں ایسی بات نہیں ہے، کوئی بہانہ سوچ رہی تھی، کون سی دوست کا نام لوں، اصل میں یہ بھی مشکل رہی ہے، دوستیاں بھی نہیں کر پائی یہاں تو، خیر مجھے کہاں آنا ہوگا؟''

''ہوٹل فزارو۔''

''کس وقت؟''

''آٹھ بجے۔''

''میں پہنچ رہی ہوں۔'' راحیلہ نے جواب دیا۔ کوئی احمقانہ عمل نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ماموں کے ہاں بھی بہر حال تھوڑی سی سمجھداری سے وقت گزارنا تھا، چنانچہ فوراً ہی اس نے احتشام الدین سے رابطہ قائم کیا۔ ''وہ ماموں جان ابھی چند لمحوں پہلے فون آیا تھا، چھوٹے خان یعنی احمد یار خان کا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی فون نہیں کیا مجھے اس وقت نجانے انہیں کیا ہوا ہے، کہنے لگے کہ بڑی ہمت سے انہوں نے یہ قدم اُٹھایا ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہوٹل فزارو میں میرے ساتھ ڈنر کریں، کہنے لگے کہ میں وہاں پہنچ جاؤں گا، آپ کا انتظار کروں گا نہ آ سکیں تو کوئی بات نہیں ہے۔ آ جائیں گی تو میری خوش نصیبی ہوگی۔''

احتشام الدین خوشی سے اُچھل پڑے، پھر بولے۔ ''بات یہ ہے بیٹی کہ میں نے اپنے ذہن میں نجانے کیا کیا تاج محل بنا رکھے ہیں تفصیل بعد میں بتاؤں گا، خدا کرے جو کچھ میرے دل میں ہے وہ پورا ہو جائے کوئی حرج نہیں تم چلی جاؤ۔''

''بہت بہتر، کچھ سوالات بھی کرنا چاہتی ہوں آپ سے؟''

''ہاں بیٹا ضرور۔''

''نہ میں اس قدر آزاد ہوں کہ کسی کی دعوت پر یوں منہ اُٹھائے چلی جاؤں اور نہ اپنے آپ کو اس قدر آزاد ظاہر کرنا چاہتی ہوں۔ میں اپنے لوگوں کے درمیان ہوں، اصولی طور پر احمد یار خان صاحب کو آپ سے اجازت لینی چاہئے تھی۔ وہ یہاں گھر آتے، آنے کے بعد آپ سے بات کرتے اور مجھے ساتھ لے کر جاتے، ماموں جان ایسی صورت میں کیا مجھے اس طرح چلے جانا چاہئے؟''

احتشام الدین خوشی سے کھل اُٹھے پُرمسرت لہجے میں بولے۔ ''بالکل ٹھیک کہتی ہو بیٹی لیکن کبھی کبھی...... مصلحت سے کام لینا پڑتا ہے۔ میرے خیال میں تمہیں جانا چاہئے اور ایک بات میں تم سے اور کہنا چاہتا ہوں۔''

''جی ماموں جان۔''

''یہ مت بتانا کہ یہ ملاقات میرے علم میں ہے۔''

''پھر کیا ہوگا۔''

''یہی کہ سہیلی کے گھر کا بہانہ کر کے آئی ہوں۔''

''لیکن کیوں ماموں جان۔''

''مصلحت میری بچی، مصلحت، اس میں ایک رمز ہے۔''

''جیسا آپ کا حکم۔''

❁......❁......❁

فزارو ایک شاندار ہوٹل تھا۔ احمد یار خان نے ہوٹل کے باہر ہی راحیلہ کا استقبال کیا تھا۔ راحیلہ بڑی گھبراہٹ کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

''خدا کا شکر ہے آپ باہر ہی مل گئے۔''

''کیوں؟'' احمد یار خان نے مسرت سے کپکپاتے لہجے میں کہا۔

''میں کسی طور اندر نہیں آ پاتی۔ زندگی میں پہلی بار کسی ہوٹل کے دروازے تک آئی ہوں۔''

"آپ نے میرے لئے جس قدر زحمت کی ہے اور جس طرح مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے یہ بات میں زندگی کی آخری سانس تک نہیں بھول سکوں گا۔" احمد یار خاں اسے اندر لے جاتے ہوئے بولا۔

میز پر ریزرویشن کی چٹ لگی ہوئی تھی، ان کے بیٹھتے ہی ویٹر نے وہ چٹ ہٹا دی۔ راحیلہ سہمی سہمی نگاہوں سے ڈائننگ ہال کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی اور اس کا یہ سہما سہما پن احمد یار خاں کو بہت بھا رہا تھا، اس نے کہا۔ "آپ کو حیرت ہوئی ہوگی کہ میں نے اس طرح آپ کو کیوں بلایا ہے۔ دراصل راحیلہ میں امریکہ میں ایک اہم عہدے پر ملازمت کرتا ہوں۔ میرے باپ کے پاس اللہ کا دیا سب کچھ ہے اور میں ان کا سب سے بڑا بیٹا ہوں، جو کچھ ان کے پاس ہے وہ میرا ہی ہے لیکن والد صاحب ذرا الگ مزاج کے مالک ہیں، ان کا خیال ہے کہ انسان کو اپنے آپ پر اعتماد کرنا چاہئے، اس کے علاوہ میں خود بھی اس الجھی ہوئی سیاست سے دور رہنا چاہتا تھا اس لئے میں نے مستقل سکونت امریکہ میں اختیار کرلی۔ خدا کے فضل و کرم سے وہاں میں ایک صاحب حیثیت انسان ہوں۔ یہاں کبھی کبھی آنا ہوتا ہے، راحیلہ آپ ضرور یہ بات سوچیں گی کہ آخر میں کس حق کی بناء پر آپ سے یہ ساری باتیں کررہا ہوں۔ آپ بے شک سوچئے، وقت چونکہ کم ہے اور میں نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا کہ وقت ضائع کئے بغیر آپ سے بات کروں۔ راحیلہ آپ میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئی ہیں۔ میں آپ سے زندگی بھر کا سودا کرنا چاہتا ہوں، میں آپ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، شادی کرکے میں آپ کو امریکہ لے جاؤں گا، ہم وہیں رہیں گے، ایک آزاد زندگی ہوگی ہماری، راحیلہ میں آپ کے منہ سے ہاں سننا چاہتا ہوں، لیکن اگر آپ انکار بھی کردیں گی تو میں وہ بھی اسی خندہ پیشانی سے سنوں گا، ہر شخص کو اپنی زندگی کے فیصلوں کا حق ہوتا ہے۔ یہ حق بھلا آپ سے کون چھین سکتا ہے، پلیز مجھے جواب ضرور دیجئے گا۔"

ویٹر آیا تو تھوڑی دیر کے لئے گفتگو کا سلسلہ منقطع ہوگیا۔ مینو دیکھ کر ویٹر کو کھانے کا آرڈر دیا گیا اور اس کے بعد احمد یار خاں نے کہا۔ "راحیلہ اگر آپ نے مجھے جواب دے دیا تو میں اسے اپنی خوش قسمتی کی معراج سمجھوں گا۔ براہ کرم میری اس کاوش کو ناکام نہ کیجئے گا۔ آپ کا ہر طرح کا جواب میرے لئے قابل قبول ہوگا اور میں اس پر کوئی احتجاج نہیں کروں گا۔"

"احمد یار خاں صاحب، ہر طرح سے رتبے میں آپ سے چھوٹے ہیں ہم لوگ۔ کہاں راجہ بھوج، کہاں گنگو تیلی۔ آپ کے دل میں میرے لئے جگہ بنی ہے۔ میں اسے اپنی خوش نصیبی سمجھتی ہوں لیکن افسوس جس ماحول کی پروردہ ہوں اس کے خول سے نکلنا دو دن کی بات نہیں ہوتی اور میں نے اس خول سے نکلنے کے بارے میں سوچا بھی نہیں۔ ہمارے ہاں زندگی کا فیصلہ بھی میرے بزرگ ہی کریں گے۔ میرے ماں باپ، میرے ماموں۔ یہی لوگ یہ طے کرسکتے ہیں کہ میرا مستقبل کیا ہوگا، براہ کرم آپ باقاعدگی کے ساتھ اپنے والد کے ذریعے میرے والدین اور ماموں سے رجوع کیجئے۔"

"میں ایسا ہی کروں گا راحیلہ، سو فیصد ایسا ہی کروں گا، لیکن دیکھئے نا ہر شخص کے دل میں ایک آرزو ہوتی ہے کہ جسے وہ اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتا ہے اس کے دل کا کچھ حال بھی تو پتہ چلے۔"

"تو میں انتہائی معذرت کے ساتھ آپ سے یہ بات کہوں گی کہ میری آپ سے یہ دوسری ملاقات ہے، اس ملاقات میں نہ محبت کا کوئی عنصر ہے اور نہ ہی کسی ایسے جذبے کا جو انسان کو مجبور کردیتا ہے، تاہم آپ مجھے ہر طرح سے قابل اعتماد لگے چنانچہ میں نے یہاں آنے میں کوئی عار نہ سمجھی۔ تجسس تو ہر انسان کی فطرت میں ہوتا ہے۔ میرے دل میں یہ تجسس تھا کہ آخر آپ نے مجھے اس طرح رازداری سے کیوں طلب کرلیا ہے؟"

راحیلہ خاموش ہوگئی۔

احمد یار خاں نے متاثر کن لہجے میں کہا۔ "درحقیقت آپ کا نام آپ کی شخصیت کے مطابق ہے، پاکیزگی آپ کی فطرت کا ایک حصہ ہے، چلئے راحیلہ میں ایک آخری سوال اور کئے لیتا ہوں۔ جواب دینا پسند فرمائیں تو دے دیجئے گا ورنہ میری تقدیر۔"

"جی جی فرمائیے۔"

"میں اپنے والد کے ذریعے آپ کے والدین سے رجوع کروں اور وہ تیار ہوجائیں تو کیا آپ خوشدلی سے میری زندگی میں شامل ہونا پسند کریں گی؟"

"ہاں یقیناً" راحیلہ نے جواب دیا۔

احمد یار خاں کا چہرہ فرط مسرت سے کھل اٹھا، اس نے آہستہ سے کہا۔ "شکریہ راحیلہ، بے حد شکریہ۔"

❁......❁......❁

رانا جبار کو کچھ اہم ذرائع سے یہ بات معلوم ہو چکی تھی کہ خاں صاحب نے خفیہ طریقے سے اسے بھرپور مدد دی ہے اور انہی کی مدد کی وجہ سے راؤ افتخار کو شکست اور اسے کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ شمشیر احمد خاں سے ہمیشہ ہی ٹسل رہی تھی اور اس ٹسل کے نتائج بھی رانا جبار کو بھگتنے پڑے تھے۔ ہر محاذ پر وہ خاں صاحب سے شکست کھا چکا تھا۔ خود بھی اپنے علاقے کا بہت بڑا آدمی تھا اور کبھی جھکا نہیں تھا، بلکہ ہمیشہ ہی خم ٹھونک کر سامنے آ کھڑا ہوتا تھا۔ اس بار بھی اسے ایک فیصد امید نہیں تھی کہ راؤ افتخار کے مقابلے میں وہ کامیابی حاصل کرے گا لیکن بہرحال کوشش اور جدوجہد والی بات تھی۔ وہ کامیاب ہو گیا اور بعد میں جب اس نے تحقیقات کیں تو پتہ چلا کہ شمشیر احمد خاں نے در پردہ اس کی مدد کی ہے۔ بہرحال شکریہ تو ادا کرنا ہی تھا، چنانچہ اس نے فون پر شمشیر احمد خان صاحب سے بات کی۔

''آپ کا خادم رانا جبار بول رہا ہے۔''

''ہاں بھئی رانا مبارک ہو، اس بار تم نے واقعی ہر محاذ پر کامیابی حاصل کی ہے۔''

''آپ کی خدمت میں حاضری چاہتا ہوں۔''

''جب دل چاہے آ جاؤ، تمہارے لئے میرے گھر کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔''

رانا جبار نیاز مندی سے شمشیر احمد خاں کی خدمت میں پہنچ گیا۔ ڈرائنگ روم میں شمشیر خاں نے ایک پر محبت مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کیا تھا، رانا جبار نے ان کے دونوں ہاتھ چومے اور سامنے بیٹھ گیا۔

''پہلی بار اس علاقے میں مجھے کامیابی حاصل ہوئی ہے لیکن خاں صاحب اس قدر ناواقف نہیں ہوں کہ اپنی اس کامیابی کی وجہ نہ جان سکتا۔ سخت حیران ہوں کہ آپ نے راؤ افتخار کو چھوڑ کر میری مدد کیوں کی، آپ یقین کریں سخت اُلجھن کا شکار ہوں۔''

''رانا جبار! راؤ افتخار کی موت کا مجھے گہرا صدمہ ہے۔ طویل عرصے سے میری جوتیاں اُٹھا رہا تھا، در و دیوار سے بھی پیار ہو جاتا ہے، وہ تو خیر انسان تھا اور اقتدار کے لئے انسان جو کچھ کر ڈالتا ہے بعض اوقات وہ حد سے آگے کی بات ہوتی ہے۔ میں جیسا کہ تم جانتے ہو کہ دوٹوک

گفتگو کرنے کا عادی ہوں۔ کبھی لگی لپٹی نہیں رکھتا۔ میں تمہیں پیشکش کرتا ہوں کہ میری پارٹی میں آ جاؤ۔ تم آزاد امیدوار ہو اور تمہارے اوپر کوئی دباؤ نہیں ہے، ہم لوگ تمہیں اپنی پارٹی میں خوش آمدید کہنا چاہتے ہیں۔''

رانا جبار کی تیوریاں چڑھ گئیں، اس نے کہا۔

''ہر شخص کا ایک معیار ایک مزاج ہوتا ہے۔ خاں صاحب، بے شک آپ نے اس بار مجھے سرخروئی بخشی ہے لیکن اگر ایسا کرنا ہوتا تو بہت سے ذرائع مجھے کامیاب کرانے کی ضمانت دئے رہے تھے۔ میں نے کبھی ان کی پیشکش قبول نہیں کی۔ میرے لئے یہ انتہائی مشکل ہے کہ میں آپ کی پارٹی میں شامل ہو جاؤں۔ بہت مشکل ہے، بے شک میں آپ کا احسان مند ہوں لیکن اس احسان کا یہ صلہ نہیں دے سکتا، میں معذرت چاہتا ہوں۔''

''براہ راست کہہ دیا تم سے، یہ غلطی کی، اگر دوسرے ذرائع سے بات تم تک پہنچتی تو ایک لمحے میں تم تیار ہو جاتے۔ وہ دوسرا ذریعہ قانون ہوتا کیونکہ قانون کسی بھی حیثیت کے مالک کسی بھی شخص کو قتل و غارت گری کے سلسلے میں معاف نہیں کر سکتا۔ تم نے میرے بہت ہی دیرینہ ساتھی کو قتل کرایا ہے۔ یہ تو میری مہربانی سمجھو کہ میں نے تمہیں پارٹی میں آنے کی پیشکش کر دی۔ ورنہ اصولی طور پر تمہیں راستے سے ہٹا دینا چاہئے تھا۔ خیر کوئی بات نہیں، میں نے تمہیں جو پیشکش کی ہے اس سے پہلے کبھی نہیں کی اور میں جب کسی انسان کو کچھ دینا چاہتا ہوں اور وہ قبول نہ کرے تو پھر مجھے اس کی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں رہتی البتہ اس کی موت میرا مقصد بن جاتی ہے۔''

رانا جبار کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا۔ یہ تو قتل کی صاف دھمکی دی جا رہی تھی۔ وہ حیران نگاہوں سے شمشیر احمد خاں کو دیکھنے لگا، شمشیر احمد خاں نے پھر کہا۔ ''راؤ افتخار کی گردن کچھ زیادہ اکڑ گئی تھی جس کی سزا اسے اس شکل میں مل گئی کہ وہ الیکشن ہار گیا لیکن تم نے الیکشن جیتنے کے بعد جو کچھ اس کے ساتھ کیا اسے معاف نہیں کیا جا سکتا۔ میں نے تمہیں پارٹی میں آنے کی پیشکش اس لئے کی کہ جوان آدمی ہو، ذہین بھی ہو اور صاحب حیثیت بھی۔ یہ عمر تمہاری موت کی عمر نہیں ہے، الیکشن جیتے ہو، اپنی زندگی کے لئے کچھ کر لو، لیکن سرکشی میں تم بھی راؤ افتخار کے برابر آ گئے۔ بات راؤ افتخار کی ہو رہی تھی، میں نہیں جانتا کہ الیکشن جیتنے کے بعد بھی تم نے اسے کیوں قتل کرا دیا؟''

''جی......!'' رانا جبار اس بار کانپ کر رہ گیا تھا۔

''ہاں رانا جبار! میں کوئی بھی بات بغیر کسی ٹھوس ثبوت کے نہیں کہتا۔ تم نے اس کے ملازم شرفو سے ساز باز کر کے اسے زہر دلوا دیا۔ میں تم سے اس کی وجہ ضرور پوچھنا چاہتا تھا لیکن اب نہیں پوچھوں گا، میرا خیال ہے مجھے پولیس کو فون کر دینا چاہئے۔''

''آپ کو کسی نے غلط اطلاع دی ہے خاں صاحب، بھلا میں یہ کیسے کر سکتا تھا اور مجھے اس کی ضرورت بھی کیا تھی۔''

''شرفو! اندر آؤ۔'' خاں صاحب نے آواز دی اور راؤ افتخار کا خاص ملازم اندر داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ سینے پر بندھے ہوئے تھے اور آنکھیں جھکی ہوئی تھیں۔

''کتنی رقم دی تھی تمہیں رانا جبار نے؟''

''بیس ہزار خاں صاحب وہ بیس ہزار جو میں نے آپ کے سامنے رکھ دیئے تھے۔''

''کیا کہا تھا انہوں نے؟''

''انہوں نے مجھے ایک پڑیا دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس کا پاؤڈر کسی چیز میں ملا کر راؤ افتخار کو دے دیا جائے، اس کے عوض انہوں نے مجھے بیس ہزار روپے دیئے تھے۔''

''کیا تم یہ بیان عدالت میں دو گے؟''

''جی سرکار دوں گا۔'' شرفو نے بدستور نگاہیں جھکائے جھکائے کہا۔

رانا جبار کے پورے بدن میں تھرتھری سی دوڑ گئی تھی۔ ''کک کیا...... کیا بکواس کر رہا ہے، مم...... میں تجھے جان سے مار دوں گا۔''

''میاں......؟ میرے گھر میں تم ایسا کرو گے؟'' شمشیر احمد خاں نے تیوریاں چڑھا کر کہا۔

''جھوٹ بول رہا ہے یہ خاں صاحب، خدا کی قسم جھوٹ بول رہا ہے۔''

❁......❁......❁

احمد یار خاں بے شک خاں صاحب کے ساتھ یہیں رہتا تھا وہ سب سے بڑی اولاد تھا۔ پہلا بیٹا جس کے دنیا میں آنے پر خاں صاحب نے اپنے آپ کو ایک نئے رشتے میں

ملوث پایا تھا یعنی وہ باپ بنے تھے۔ بے شک بعد میں ان کے مزاج میں بے پناہ تبدیلیاں ہوئیں۔ پہلی بیگم کے انتقال سے پہلے ہی انہوں نے اپنے مزاج کے مطابق ہاتھ پاؤں نکال لئے تھے لیکن پہلی بیگم ایک خاندانی خاتون تھیں۔ انہوں نے بڑی چشم کشائی کا ثبوت دیا اور شوہر کے مزاج سے واقفیت حاصل ہونے کے بعد ان کے راستوں کی رکاوٹ نہیں بنیں۔ اس طرح انہیں ایک مقام حاصل رہا لیکن اندرونی طور پر جو ٹوٹ پھوٹ ہوئی اس نے انہیں آخر کار زندگی سے دور کر دیا۔

خاں صاحب خاندانی رئیس تھے اور رئیسوں کی زندگی میں بہت کچھ آتا جاتا رہتا ہے چنانچہ وہ بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ البتہ احمد یار خاں کو کوئی تکلیف کبھی نہ ہوئی۔ خاں صاحب کی محبت بھری نگاہ بس اس کے لئے کافی تھی۔ اس کا خیال رکھنے والے سینکڑوں ہوتے اور آخر کار وہ تعلیم کی تکمیل کے لئے امریکہ چلا گیا۔ وہیں اس نے تعلیم حاصل کی اور اس کے بعد ملازمت بھی کر لی۔

دولت کی خاں صاحب کے پاس کمی نہیں تھی لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ بیٹے کو نوکری بھی نہ کرنے دیتے۔ اپنے اپنے مسائل خود دیکھنے کے لئے ہوتے ہیں اور پھر احمد یار خاں کچھ اس طرح کا اطاعت گزار نوجوان تھا کہ اس نے خاں صاحب کو کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔ چنانچہ خاں صاحب سے اس کے تعلقات بہت اچھے تھے۔

جب بھی خاں صاحب اسے طلب کرتے وہ حاضر ہو جاتا اور اس وقت بھی بڑی اطاعت گزاری کے ساتھ اس نے الیکشن کی مہم میں خان صاحب کے ساتھ کام کیا تھا اور ان کی ہر خواہش کی تکمیل کر کے واپس امریکہ چلا گیا تھا۔ ہاں اس بار وہ دل میں محبت کا سوز لئے گیا تھا اور آخر کار اس نے خط میں باپ سے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا تھا۔ خاں صاحب اس خط کو پڑھ کر مسکرا دیئے اور بولے۔

''ہاں بیٹے کیوں نہیں تمہیں واقعی اب شادی کر لینی چاہئے۔''

اور اس کے بعد انہوں نے احمد یار خاں کو فون کیا۔ احمد یار خاں کسی ایسی کارروائی کا انتظار کر رہا تھا جس میں اسے باپ کی طرف سے پذیرائی کی خوشخبری۔ ملے اور کم از کم فون کے مسئلے میں شمشیر احمد خاں نے اسے مایوس نہیں کیا تھا، اس نے بڑے پرمحبت لہجے میں باپ کو

''ہیلو'' کہا۔

''کیسے ہو احمد؟''

''عنایتوں کے سائے میں جی رہا ہوں پاپا۔''

''خط مل گیا تھا تمہارا۔''

''جی پاپا۔'' احمد یار خاں کے لہجے میں ایک خجالت سی پیدا ہو گئی۔

''مبارک باد اس وقت دوں گا جب تم مجھے مکمل تفصیل بتاؤ گے۔ کیا کوئی لڑکی نگاہ میں ہے یا مجھ سے کوئی مدد چاہتے ہو، یا پھر یہ اطلاع دینا چاہتے ہو کہ تم وہیں اپنی کسی پسندیدہ لڑکی سے شادی کر رہے ہو۔ پہلے مجھے تفصیل بتاؤ میں قیاس آرائی نہیں کرنا چاہتا لیکن اتنا ضرور کہوں گا کہ اگر وہ کوئی غیر ملکی لڑکی ہے اور تمہیں پسند ہے تو میں تمہاری پسند سے اتفاق کر لوں گا اور جو کچھ تم کرو گے تمہیں مدد دوں گا۔''

''پاپا اللہ تعالیٰ آپ کو عمر خضر عطا کرے، پاپا لڑکی بھی میری نگاہ میں ہے اور مدد بھی آپ ہی کریں گے میری۔''

''ہاں ہاں، بتاؤ کون ہے وہ؟''

''پاپا! احتشام صاحب کی بھانجی ہے وہ، ان کے ساتھ ہی رہتی ہے، راحیلہ نام ہے۔'' احمد یار خاں نے کہا۔

شمشیر خاں کے چہرے پر پتھروں جیسی سختی ابھر آئی۔ صرف ایک لمحے تک وہ کچھ سوچتے رہے پھر انہوں نے کہا ''سوری بیٹا لیٹ ہو گئے، اس وقت یہ بات مجھ سے کہہ رہے ہو جب وقت ہاتھ سے نکل گیا۔''

''میں سمجھا نہیں پاپا۔''

''اس سے شادی کرنے کا فیصلہ خود میں نے کیا ہے اور بہت جلد وہ میری زندگی کا حصہ بننے والی ہے اور تمہیں یہ سن کر شاید حیرت ہو کہ اس خواہش کا اظہار خود اس نے کیا ہے، میں نے نہیں۔''

احمد یار خاں نے یہ سن کر فوراً فون بند کر دیا۔ تب خاں صاحب آہستہ سے بولے۔ ''یہی بہتر تھا بیٹے، میں کسی کو زیادہ جواب دہی کرنا پسند نہیں کرتا۔'' یہ کہہ کر انہوں نے خود بھی فون رکھ دیا

اور پھر کافی دیر تک سوچ میں ڈوبے رہے، جو فیصلہ انہوں نے کر لیا تھا اب اسے آگے بڑھانے کا وقت آ گیا تھا۔

❁......❁......❁

راحیل احمد کو بیٹی بہت دن سے یاد آ رہی تھی، سعدیہ بیگم بھی کتنی ہی بار اس بات کا اظہار کر چکی تھیں کہ اب راحیلہ کو واپس بلا لیا جائے۔ راحیل احمد نے ان کی بات پر کہا تھا۔

''سعدیہ بیگم! احتشام بھائی بڑی چاہت سے اسے لے گئے ہیں۔ تمہیں یاد ہو گا کہ ہم نے پہلے بھی کہا تھا کہ وہ بے اولاد ہیں، ہماری تینوں بیٹیوں میں سے کسی ایک کو اپنی بیٹی بنا کر رکھ لیں۔ ہمیں اعتراض نہیں ہو گا۔ انہوں نے ٹال دیا تھا اور کہا تھا کہ بیٹیاں یہ انہی کی ہیں جب دل چاہے گا ان سے آ کر مل لیں گے یا انہیں بلا لیں گے۔ اب اس بار نہ تو اس نے آنے کا نام لیا، ہے نہ ہی احتشام بھائی نے کوئی بات کی ہے اس سلسلے میں۔ رہنے دو۔ آرام سے رہ رہی ہو گی اور ویسے بھی سچ بتا دوں کہ میں اس کی طرف سے خوفزدہ رہتا ہوں۔ ڈر ہی لگا رہتا ہے کہ کب کیا کر بیٹھے۔ بات معمولی نہیں ہے سعدیہ بیگم قدرت ہی ہماری مدد کرتی رہی ہے کہ ہم آج تک بے داغ رہے ہیں ورنہ کیا سے کیا نہیں ہو جاتا۔ ساری باتیں تمہارے سامنے ہیں۔ دو لڑکوں کی زندگی اور ایک پروفیسر کی جان اس کی وجہ سے گئی، جس سے چاہو پوچھ لو، میں یہ بھی مانتا ہوں کہ وہ براہ راست قصوروار نہیں رہی لیکن بابا اس کے تیور بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔ پروفیسر کے سامنے اس نے جس طرح بات کی تھی اس نے مجھے لرزا کر رکھ دیا تھا کوئی اتنا بولڈ ہو کر بات نہیں کر سکتا اور پھر عظیم احمد کا معاملہ تو تمہارے سامنے ہی ہے، کیا ڈرامائی انداز میں اس نے عظیم احمد، اس کی بیگم اور بیٹوں کو جواب دیا تھا، نہیں بھائی جب تک خود وہاں رہتی ہے رہنے دو۔''

''بہت دن ہو گئے مجھے اس سے ملے ہوئے، آپ کچھ بھی کہہ لیں میں تینوں ہی کی ماں ہوں، بھائی جان کے ہاں چلتے ہیں۔ میں اس سے ملنا چاہتی ہوں۔''

راحیل احمد اس بات پر تیار ہو گئے تھے اور آخر کار وہ سفر طے کر کے احتشام الدین کے گھر پہنچ گئے۔

اختشام الدین اچانک بہن بہنوئی اور بھانجیوں کی آمد پر خوش ہو گئے تھے، ویسے بھی ان دنوں فراغت ہو چکی تھی، الیکشن کا کھیل ختم ہو گیا تھا۔

راحیل احمد کو بڑی خوشدلی سے خوش آمدید کہا، سب نے محسوس کیا کہ راحیلہ پہلے سے کہیں زیادہ دلکش ہو گئی ہے۔ یہاں غالباً اسے زیادہ خوشیاں اور سکون میسر آیا تھا۔ سب لوگ ایک دوسرے سے ملے اور سعدیہ بیگم کی راحیلہ سے بہت سی باتیں ہوئیں۔

''تم نے تو آنے کا نام ہی نہیں لیا۔''

''لیجئے، اب یہ الزام مجھ پر عائد ہونے لگا اور پھر سچی بات یہ ہے کہ میں یہاں بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ ایک الگ ماحول ہے یہاں کا اور آپ کو پتہ ہے کہ یہ ماحول مجھے ہمیشہ سے پسند ہے۔ میں ان دونوں کو اپنی دوستوں سے ملاؤں گی۔ یہ سادہ سادہ اور معصوم سی لڑکیاں دنیا کے ہر فریب سے پاک ہیں۔'' بہرحال عظمیٰ اور صنوبر کو راحیلہ نے اپنی دوستوں سے ملایا۔

اختشام الدین بھی بہت خوش تھے۔ بیوی سے مشورہ کیا کہ کیا احمد یار خاں کے بارے میں راحیل احمد کو بتایا جائے۔ انہوں نے کہا کہ ابھی مناسب نہیں ہے۔ ادھر سے کوئی سلسلہ شروع ہو تو پھر راحیل بھائی سے تذکرہ کیا جائے۔

اتفاق کی بات یہ ہے کہ ایک دن اچانک ہی شمشیر احمد خاں صاحب اختشام الدین کے گھر پہنچ گئے۔ ملازموں نے دور ہی سے پجیرو دیکھ کر اختشام الدین کو اطلاع دی، راحیل احمد بھی شمشیر احمد خاں سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ وہ کتنی بڑی شخصیت ہیں۔

تمام لوگوں کے ساتھ راحیل احمد بھی شمشیر احمد خاں کا استقبال کرنے کے لئے باہر نکل آئے۔ سارے اہل خانہ نے ہی استقبال کیا تھا، خاص طور سے راحیلہ آگے بڑھ کر سب سے پہلے ان کے قریب پہنچی تھی۔

''سلام پیش کرتی ہوں، اور ایک جملہ کہہ کر پیچھے ہٹ جانا چاہتی ہوں، آپ کی اس اچانک آمد سے سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی ہے۔''

اختشام الدین، راحیل احمد اور باقی افراد بھی آگے بڑھ آئے تھے اور انہوں نے شمشیر احمد خاں کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

''آپ راحیل صاحب ہیں، میری آپ سے کبھی تفصیلی ملاقات تو نہیں ہوئی لیکن ایک دو

بار دیکھا ہے اختشام الدین کے ساتھ۔''

راحیل احمد نے بڑی نیاز مندی سے خاں صاحب سے مصافحہ کیا تھا۔

''اختشام الدین آپ نے ہمیں ان لوگوں کے آنے کی اطلاع نہیں دی؟''

''بس اتفاق ہے۔''

''آپ ہمیشہ تکلف کرتے ہیں حالانکہ ہم آپ کو اپنا عزیز سمجھتے ہیں۔''

''اپنی اس خوش بختی پر ہمیشہ ناز کرتا ہوں۔''

''راحیل احمد صاحب۔ ہم آپ کو اور آپ کے اہل خانہ کو اپنے گھر آنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اختشام الدین آپ اپنی بیگم کے ہمراہ ان سب کو لائیں گے۔ پرسوں گاڑیاں آپ کو لینے آجائیں گی تیاریاں کر لیجئے۔''

''تعمیل حکم میں تساہل کی جرأت کون کر سکتا ہے۔'' راحیل احمد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

شمشیر احمد خاں کچھ وقت قیام کے بعد چلے گئے۔ راحیل احمد کی زبان ان کی تعریف کرتے نہ تھکتی تھی۔ دوسرے ہی دن تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں۔

اختشام الدین نے بیوی سے کہا ''تم نے خاں صاحب کا التفات دیکھا۔''

''ہاں، بالکل دیکھا۔ بھلا اس سے انکار کون کر سکتا ہے۔''

''کیا خیال ہے جانے سے پہلے راحیل احمد کے کان میں یہ بات ڈال دی جائے۔''

''دیکھیں اب زیادہ وقت نہیں رہ گیا ہے، میرا تو خیال ہے کہ خاں صاحب اس ملاقات کے بعد کچھ نہ کچھ سلسلہ ضرور شروع کریں گے۔ تھوڑا سا انتظار کر لیں انہی کی زبان سے بات باہر آئے تو زیادہ اچھا ہے۔''

''چلو ٹھیک ہے۔ کل وہاں جا رہے ہیں، میرا خیال ہے خاں صاحب کو اب زبان کھول دینی چاہئے۔ کم از کم ان کے دل کی بات تو سامنے آجائے گی، یہاں بھلا کسے انکار ہے اور خدانخواستہ اگر انہوں نے ایسی بات نہ بھی کی تب بھی میں ایک اور بات سوچ رہا ہوں۔''

''وہ کیا؟'' بیگم اختشام الدین نے پوچھا۔

''یہی کہوں گا کہ کہیں سے راحیلہ کا رشتہ آیا ہے، راحیل احمد اس سلسلے میں مجھ سے مشورہ کرنے آئے ہیں۔''

احتشام الدین کی بیگم مسکرادیں اور بولیں۔

''ہیں تو آپ بھی پورے سیاستدان، بڑی دُور کی سوچتے ہیں۔''

''کان پکڑتا ہوں، یہ سیاست کے جوڑ توڑ بڑے خوفناک ہوتے ہیں اور پھر بھائی کس کو گولی کھانے کا شوق ہے، ایسے ہی ٹھیک ہے، ہمارے کون سے خاندان بکھرے پڑے ہیں کہ ہمیں دولت یا اقتدار کی ضرورت ہو۔''

خاں صاحب کی لگن کا اندازہ اس سے ہوتا تھا کہ دوسرے دن منہ اندھیرے دو شاندار گاڑیاں آ کر دروازے پر کھڑی ہوگئیں۔ یہاں کوئی تیاریاں نہیں تھیں لیکن ڈرائیورن نے کہا کہ انہیں ہدایت کردی گئی ہے کہ جب بھی اہل خانہ تیار ہو جائیں تو انہیں احترام سے فارم ہاؤس لے آیا جائے۔''

''اچھا فارم ہاؤس جانا ہے؟''

''جی سرکار۔ یہی حکم ملا ہے ہمیں۔''

ڈرائیوروں میں سے ایک نے کہا۔

خاں صاحب کے فارم ہاؤس کے بارے میں خود احتشام الدین نے یہ سنا تھا کہ یہ فارم ایک میوزیم کی سی حیثیت رکھتا ہے، خاں صاحب نے اسے کچھ سے کچھ بنا دیا ہے۔ بہرحال اس بارے میں بھی غور کیا گیا تھا کہ خاں صاحب نے انہیں گھر بلانے کے بجائے فارم ہاؤس کیوں بلایا ہے۔ سب نے تیاریاں مکمل کیں اور اس کے بعد گاڑیوں میں بیٹھ گئے حالانکہ ایک ہی گاڑی ان کے لئے کافی تھی لیکن خاں صاحب انہیں پورا پورا پروٹوکول دینا چاہتے تھے۔

سفر طے ہوا اور ایک انتہائی پرفضا مقام پر ایکڑوں میں پھیلے ہوئے اس فارم ہاؤس کے صدر گیٹ سے دونوں گاڑیاں اندر داخل ہوگئیں۔ اندر سفید رنگ کی ایک حسین عمارت سرسبز و شاداب درختوں اور گھاس کے قطعوں کے درمیان کسی حسین کھلونے کی مانند نظر آ رہی تھی۔ ہر شخص پر سحر طاری تھا، چاروں طرف سے پھلوں کی خوشبوئیں اٹھ رہی تھیں اور یوں لگتا تھا جیسے یہ جنت کا کوئی ٹکڑا ہو۔

دونوں گاڑیاں سرخ بجری کے فرش پر رُک گئیں۔ خاں صاحب ایک حسین گاؤن میں ملبوس کچھ خادموں کے ساتھ دروازے ہی میں موجود تھے اور مسکراتے ہوئے ان لوگوں کی جانب

دیکھ رہے تھے۔ پھر انہوں نے آگے بڑھ کر ان سب کا استقبال کیا، راحیلہ کے قریب پہنچ کر وہ آہستہ سے جھکے اور بولے۔ ''ایک بات کہہ کر پیچھے ہٹ جانا چاہتا ہوں وہ یہ کہ آپ کی آمد پر سب سے زیادہ خوشی مجھے ہوئی ہے۔''

راحیلہ آہستہ سے ہنس پڑی۔ پھر باقی لوگوں کی طرف دیکھ کر خاموش ہوگئی۔ خاں صاحب انہیں بڑے اہتمام سے اندر لے گئے۔

''اگر جنت زمین پر ہو تو وہ یہاں ہوگی۔'' راحیل احمد صاحب نے کہا اور خاں صاحب ہنس دیئے۔

''آپ کو ہمارا فارم ہاؤس پسند آیا۔''

''میرا خیال ہے پسندیدگی کے صحیح الفاظ کی عکاسی میں لفظوں میں نہیں کرسکتا، جنت کا ٹکڑا بنا دیا ہے آپ نے اس فارم ہاؤس کو۔''

''شکریہ۔''

سارے اہتمام اسی معیار کے کئے گئے تھے۔ باورچیوں نے جلدی جلدی کھانے کی تیاریاں شروع کردیں۔ پہلی چائے یہاں پی گئی۔ ان تمام لوازمات کو دیکھ کر سب لوگ دنگ تھے۔ دوپہر کا کھانا کھایا گیا۔ اس کے بعد خاں صاحب نے معزز مہمانوں سے درخواست کی کہ وہ آرام کریں۔ شام کو فارم ہاؤس کی سیر کرائی جائے گی۔ فارم ہاؤس کی سیر بھی اپنی مثال آپ تھی۔ راحیلہ، صنوبر اور عظمیٰ اس فارم ہاؤس کو دیکھ رہی تھیں۔ صنوبر اور عظمیٰ تو سحر زدہ سی تھیں۔ انہوں نے واقعی اس سے خوبصورت جگہ اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ راحیلہ حالانکہ ان کی بہن تھی لیکن اس سے کبھی بے تکلفی نہیں رہی تھی۔ البتہ پہلی بار راحیلہ نے ان دونوں سے تھوڑا بہت التفات کا اظہار کیا تھا، اپنی دوستوں سے ملایا تھا یہاں بھی اس کا رویہ ان کے ساتھ بُرا نہیں تھا، صنوبر کہنے لگی۔

''انسانوں کے پاس یہ سب کچھ بھی ہوتا ہے، کیسی عجیب سی بات ہے، یہ اسی سیارے کی مخلوق ہیں۔ لگتا ہے کوئی دوسری دنیا ہے جہاں یہ لوگ رہتے ہیں۔''

راحیلہ آہستہ سے ہنس دی تھی، اب وہ ان دونوں بے وقوفوں کو کیا بتاتی کہ اسے کون سا مقام ملنے والا ہے۔ یہ تصور اس کے ذہن میں بھی کئی بار آیا تھا کہ خاں صاحب ممکن ہے احمد یار

خاں کے لئے اس کا رشتہ چاہتے ہوں لیکن وہ ہمیشہ سے ایک الگ نگاہ کی حامل رہی تھی۔ ایک ایسی نگاہ جو بڑے بڑوں کے کان کاٹ لیتی تھی اور اس کا اندازہ درست ہی نکلتا تھا۔ وہ خاں صاحب کے التفات میں کچھ اور ہی سرگوشیاں محسوس کر رہی تھی۔

اندازہ درست نکلا۔ اسی رات خاں صاحب ان لوگوں کو ایک الگ گوشے میں لے گئے۔ عظمیٰ، صوبر اور راحیلہ ایک حسین کمرے میں تھیں، جبکہ دونوں خواتین اور ان کے شوہر خاں صاحب کے ساتھ تھے۔

''اصل میں احتشام الدین صاحب، اتفاق سے تقدیر نے یہ لمحات مہیا کر دیئے کہ راحیل احمد صاحب بھی یہاں موجود ہیں۔ میری فطرت میں ایک بری یا اچھی بات ہے، وہ یہ کہ اپنے دل کی بات کبھی دل میں نہیں رہنے دیتا فوراً کہہ دیتا ہوں، میں راحیل صاحب سے ایک درخواست کرنا چاہتا ہوں۔''

احتشام الدین کے رونگٹے کھڑے ہوگئے، بیگم احتشام الدین کی آنکھیں بھی چمکنے لگی تھیں جبکہ راحیل احمد اور سعدیہ بیگم کو تھوڑی سی حیرت ہوئی تھی کہ خاں صاحب کیا کہنا چاہتے تھے، خاں صاحب نے کہا۔

''اصل میں راحیل احمد صاحب، میں آپ کی بیٹی راحیلہ کے لیے رشتہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔''

راحیل صاحب نے نہ سمجھنے والے انداز میں پہلے خاں صاحب کو پھر احتشام الدین کو دیکھا، پھر بولے''ج ج...... جی، ہم...... میں۔''

''راحیل بھائی! شمشیر احمد خاں صاحب کے صاحبزادے احمد یار خاں امریکہ میں رہتے ہیں اور......''

''ایک منٹ احتشام الدین صاحب، تھوڑی دیر کے لئے توقف فرمائیے۔ میں کچھ اور کہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ کا خیال یہ ہے کہ میں احمد یار خاں کے لئے راحیلہ کا رشتہ چاہتا ہوں تو یہ خیال غلط ہے، احمد یار امریکہ میں ہے اور وہ وہیں شادی کرلے گا، میں نے اجازت دے دی ہے۔ یہ رشتہ میں اپنے لئے چاہتا ہوں، بے شک میری عمر راحیلہ سے زیادہ ہے لیکن راحیلہ کو جو خوشیاں اور جو مقام میں دے سکتا ہوں وہ کوئی دوسرا نہیں دے سکتا۔''

چار افراد پر جیسے بجلی سی گری تھی۔ راحیل احمد اور سعدیہ بیگم بھی ششدر رہ گئے تھے اور احتشام الدین اور ان کی بیوی کے تو جیسے سارے بدن کا لہو خشک ہوگیا تھا۔

انہوں نے خواب میں بھی یہ نہیں سوچا تھا۔ ایک لمحے کے اندر اندر شمشیر احمد خاں کی خوش ذوقی کی داستانیں ان کی نگاہوں میں گھوم گئیں۔ وہ کئی شادیاں کر چکے تھے اور ان کے بارے میں یہ بات بیشتر بار اخبارات نے لکھی تھی کہ وہ حُسن پرست ہیں اور شادیوں کے شوقین ہیں لیکن یہ افتاد خود احتشام الدین کے گھر تک پہنچ جائے گی انہوں نے نہیں سوچا تھا۔

کچھ لمحے تک تو وہ گنگ رہے، اس کے بعد کچھ بولنے کی کوشش کی لیکن اس سے پہلے راحیل احمد بول پڑے۔

''خاں صاحب! زیادہ عمر کے افراد کی کم عمر کی لڑکیوں سے شادی ہوتی رہتی ہے، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے تاہم اگر آپ مناسب سمجھیں تو ہمیں بس اتنا وقت دے دیں کہ ہم راحیلہ سے اس کی رائے لے سکیں۔''

خاں صاحب کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بہرحال گھاگ آدمی تھے، انہیں اس بات پر شبہ نہیں تھا کہ راحیلہ ان کے حق میں فیصلہ دے گی، راحیلہ کے ڈھکے چھپے انداز کو وہ بخوبی سمجھ گئے تھے اور یہ بات بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اس دور کی لڑکیاں ایک خوشحال زندگی کو زیادہ اہمیت دیتی ہیں، وہ ذرا مختلف قسم کے واقعات ہی ہوتے ہیں جن میں وہ نوجوان لڑکوں کی نگاہ التفات کا شکار ہو جاتی ہیں اور روایتی طور پر سب کچھ تیاگنے کو تیار ہو جاتی ہیں لیکن جہاں کسی سمجھدار لڑکی سے یہ سوال کیا جائے تو وہ کہتی ہے کہ اگر زندگی میں عیش نہ ہو تو زندگی بے مزہ ہوتی ہے، باقی تو سب بعد کی کہانیاں ہوتی ہیں، چنانچہ خاں صاحب نے فوراً فراخدلی سے کہا۔

''ہاں میں خود بھی یہی چاہتا ہوں کہ راحیلہ سے ان کا عندیہ لے لیا جائے اور اگر وہ انکار کریں گی تو بخدا مجھے اعتراض نہیں ہوگا، میں خاموشی سے پیچھے ہٹ جاؤں گا۔''

یہ حادثاتی لمحات ان الفاظ کے بعد سکون کی منزل میں داخل ہوگئے تھے۔ رات کو ایک طرف تو راحیل احمد نے اپنی بیوی سے مشورے کئے تھے تو دوسری طرف احتشام الدین اپنی بیگم کے ساتھ حیرت میں مصروف تھے۔

''خاں صاحب کے دل میں یہ بات ہوگی، یہ تو ہم نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔''

''ہم نے اس موضوع پر خواب دیکھے ہی کب ہیں؟'' بیوی نے ہنستے ہوئے کہا۔

''آپ ہنس رہی ہیں، میں بڑا خوفزدہ ہوں۔''

''خوفزدہ کیوں؟''

''خدانخواستہ اگر راحیلہ نے انکار کر دیا تو آپ سمجھتی ہیں کہ خاں صاحب کس قسم کے آدمی ہیں۔''

''تو کیا وہ سختی یا زیادتی کریں گے؟''

''نہیں کریں گے، لیکن ہمارے تعلقات ختم ہو جائیں گے، ایک فطری بات ہے۔ لیکن میں سوچتا ہوں کہ کیا کیا جائے اور پھر خاں صاحب کی بیگم موجود ہیں۔ ارے یہ تو بڑی بھیانک صورت حال ہوگئی۔''

''ان بیگم سے اولاد بھی نہیں ہے۔''

''ہاں ساری باتیں سوچ رہا ہوں میں۔'' احتشام الدین نے کہا۔

راحیل احمد کو بھی نیند نہیں آرہی تھی۔ دونوں کے کمرے برابر برابر تھے۔ تیسرے کمرے میں تینوں لڑکیوں کو جگہ دی گئی تھی۔ راحیل احمد اور سعدیہ بیگم نے احتشام الدین کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو احتشام الدین نے دروازہ کھول دیا۔

''کیا ہوا بھئی نیند نہیں آرہی؟''

''یار نیند آئے گی آپ خود سوچئے یہ ہو کیا گیا ہے؟'' راحیل احمد نے اندر داخل ہوتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کر دیا گیا تھا۔

''ہاں واقعی ایک انوکھی بات ہوئی ہے۔''

''میں یہ پوچھتا ہوں کہ آخر شمشیر احمد خاں صاحب کے دل میں یہ خیال آیا کیسے؟''

''راحیل بھائی ہمارا خیال تھا کہ شمشیر احمد خاں صاحب اسے دوسری نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اپنی بہو کے طور پر منتخب کر رہے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے احمد یار خاں کے لئے راحیلہ کا رشتہ چاہتے ہیں، لیکن خاں صاحب کے ذہن میں کچھ اور تھا۔''

''سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کیا راحیلہ اس بات کے لئے تیار ہو جائے گی۔''

''یہی تو دہشت دل و دماغ پر سوار ہے، اس...... سلسلے میں کیا کیا جائے۔''

''اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ راحیلہ سے براہ راست پوچھ لیا جائے۔'' راحیل احمد نے پرخیال انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا، پھر وہ تشویش بھرے لہجے میں بولے۔ ''لیکن بات بڑی سنسنی خیز ہے۔ ویسے تو خاں صاحب کی حیثیت دیکھ کر آنکھیں بند کر کے سب کچھ کر دینے کو دل چاہتا ہے لیکن ان کی رنگین مزاجی کیا راحیلہ تک ٹھہر جائے گی، کیا راحیلہ کے بعد کوئی اور لڑکی ان کی نگاہوں میں جگہ نہیں حاصل کر لے گی۔''

راحیل احمد کی بات پتے کی تھی۔ احتشام الدین کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں تھا۔

احتشام الدین کی بیگم نے کہا ''اس کے علاوہ میرے ذہن میں ایک اور بات ہے، آپ کو معلوم ہے کہ احمد یار خاں نے راحیلہ کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔''

''اس وقت یہی خیال میرے دل میں آیا تھا وہاں راحیلہ سے کیا گفتگو ہوئی، اس کا بھی کچھ پتہ نہیں چلا۔''

''اگر راحیلہ کے دل میں احمد یار خاں کا خیال ہوا تو بات بالکل ہی نہیں بنے گی۔''

''راحیلہ کو ڈنر پر بلایا تھا۔'' راحیل احمد نے چونک کر پوچھا۔

''ہاں بس وہ الیکشن کی مہم چل رہی تھی راحیلہ نے بھی اس میں بھرپور حصہ لیا تھا۔ یہ ڈنر اسی سلسلے میں تھا۔'' احتشام الدین کو اچانک غلطی کا احساس ہوا تھا۔ بالآخر راحیل احمد راحیلہ کے باپ تھے ان کا چونکنا فطری تھا۔

احتشام الدین نے فوراً ہی کہا ''میرے خیال میں بات، راحیلہ سے بات کرنے کے سلسلے میں طے ہوئی ہے۔ جو جواب اس کا ہوگا اسی کی روشنی میں عمل کریں گے۔ خاں صاحب نے خود بھی فراخ دلی سے کہا ہے کہ اگر راحیلہ نے یہ رشتہ پسند نہ کیا تو انہیں اعتراض نہیں ہوگا۔''

دوسرے دن اس سلسلے میں تیاریاں کی گئیں۔ راحیلہ کو طلب کر لیا گیا۔ بے چاری عظمیٰ اور صنوبر کی کوئی حیثیت ہی نہیں تھی۔ انہیں کچھ نہیں بتایا گیا تھا۔ خاں صاحب صبح کے ناشتے پر ساتھ تھے۔ پھر یہ کہہ کر چلے گئے تھے کہ لنچ وہ ان کے ساتھ کریں گے۔ اس طرح راحیلہ سے بات کرنے کا مناسب موقع مل گیا تھا۔

''کیا بات ہے، آپ لوگوں کے چہروں پر ایک تجسس ہے خیریت تو ہے؟''

"ہاں خیریت ہے۔ ایک مشکل مرحلہ آ گیا ہے ہمارے لئے۔ راحیلہ تم صاف گو اور جرأت مند ہو، ہمارے ایک سوال کا جواب اسی جرأت مندی سے دینا۔"

"کوشش کروں گی۔"

"اس دن احمد یار خاں نے تمہیں ڈنر پر مدعو کیا تھا۔"

"جی!"

"کیا باتیں ہوئی تھیں ان کے اور تمہارے درمیان، بتانا پسند کرو گی۔"

"کیوں نہیں۔ انہوں نے مجھے شادی کی پیشکش کی تھی۔" راحیلہ نے شفاف لہجے میں کہا۔

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے ان سے کہا کہ میں مشرقی اقدار کی حامل ہوں، خدا میرے ماں باپ اور بزرگوں کو سلامت رکھے، میرے مستقبل کا فیصلہ وہی کریں گے۔"

"جزاک اللہ......!" احتشام الدین نے کہا۔

راحیل احمد بے اختیار ہو گئے اور بھرائی ہوئی آواز میں بولے "خدا کی قسم راحیلہ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں تجھے سمجھنے میں ناکام رہا ہوں۔ کبھی نہیں سمجھ پایا میں تجھے۔ تو جس قدر خوبصورت ہے اس سے کہیں زیادہ خوبصورت تیرا کردار ہے۔"

"ہمیں تم پر ناز ہے راحیلہ۔ اب ہم ایک اہم دوراہے پر کھڑے ہیں۔ ایک عجیب موڑ آیا ہے ہماری زندگی میں۔ ہمارا خیال تھا کہ خاں صاحب احمد یار خاں کے لئے تمہارا رشتہ مانگیں گے لیکن انہوں نے ایک انوکھی بات کہی ہے۔"

"کیا......؟" راحیلہ نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"وہ خود تم سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔"

احتشام الدین نے بمشکل کہا اور راحیلہ کے چہرے پر نگاہ ڈالی۔ انہیں راحیلہ کا چہرہ بے تاثر نظر آیا تھا۔

"انہوں نے یہ بات آپ سے کہی ہے۔"

"ہاں بیٹے، کہی ہے اور ہمیں انہیں جواب دینا ہے۔ بیٹے اگر تم سے یہ سوال کیا جائے کہ

تمہیں ان باپ بیٹوں کے بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار ہو تو تم کس سے شادی کرنا چاہو گی......احمد یار خاں سے یا......شمشیر احمد خاں سے......!"

"شمشیر احمد خاں سے......!" راحیلہ نے جواب دیا۔

یہ جواب کسی بم کے دھماکے سے کم نہیں تھا۔ پہلے وہ لوگ حیرت سے منہ پھاڑے بیٹھے رہے پھر ان کے چہرے خوشی سے کھل اٹھے۔ راحیل احمد فرط مسرت سے احتشام الدین سے لپٹ گئے۔ دیر تک وہ لوگ اسی کیفیت کا شکار رہے پھر احتشام الدین نے مسکرا کر کہا۔

"یہ فیصلہ تم نے کس خیال کے تحت کیا۔"

"سچ سچ بتاؤں......؟" راحیلہ مسکرا کر بولی۔

"ہاں بیٹے......ہمیں تم پر اعتماد ہے۔"

"آپ لوگوں کے چہروں پر یہی خوشی اور اطمینان دیکھنے کے لئے۔ جہاں آپ لوگ ہیں میرے سارے رشتے وہاں ہیں، میں انہیں چھوڑ کر امریکہ نہیں جانا چاہتی، غیروں کے دیس میں صرف ایک آدمی کے لئے میں کیوں جاؤں جبکہ مجھے یہ موقع مل رہا ہے۔ دوسری بات یہ کہ خاں صاحب ایک پروقار شخصیت کے مالک ہیں۔ صاحب اختیار ہیں ان کے ساتھ گزرنے والی زندگی بہت اچھی ہوگی۔ کیا اب آپ مجھے جانے کی اجازت دیں گے۔"

"جاؤ بیٹی تم نے ہمیں نئی زندگی دی ہے۔"

بڑے مطمئن اور مسرور ہو گئے تھے راحیلہ کے جواب سے وہ دونوں، لنچ پر جو اہتمام کیا گیا تھا وہ قابل دید تھا۔ طویل و عریض میز انواع و اقسام کے کھانوں سے بھری ہوئی تھی۔ خاں صاحب بھی حسبِ وعدہ پہنچ گئے تھے۔ کھانے سے فراغت ہوئی تو احتشام الدین کے اشارے پر لڑکیاں اٹھ کر باہر نکل گئیں۔ احتشام الدین نے بیگم کو اشارہ کیا تو وہ اپنی جگہ سے اٹھیں، میٹھی ڈش سے انہوں نے تھوڑی سی شیرینی لی اور خاں صاحب کے قریب آ کر بولیں۔ "ہم آپ کے قدموں کی دُھول ہیں خاں صاحب، لیکن کیا کریں آپ نے اچانک اتنا قریب کر لیا ہے کہ یہ جرأت ہو گئی۔ منہ میٹھا کر لیجئے ہم نے آپ کی رشتے والی عنایت قبول کر لی ہے۔" خاں صاحب نے منہ کھول دیا۔

***

جہاں آراء نے بھائی کی صورت دیکھی اور پھوٹ پھوٹ کر رو پڑیں۔ حیدر خاں پریشان ہو گیا تھا۔ بہن کو دلاسے دینے لگا، پھر بولا۔ ''کچھ بتاؤ تو سہی جہاں آراء کیا بات ہے؟''

''تقدیر کے امتحان کا وقت آ گیا حیدر بھائی۔ میرے دن تاریک ہونے والے ہیں۔''

''خدا کے لئے مجھے بتاؤ تو...... کیا ہوا......؟''

''شمشیر احمد نئی شادی کر رہے ہیں۔'' جہاں آرا نے روتے ہوئے کہا۔

حیدر خان بہن کی صورت دیکھتا رہ گیا۔ ماضی اس کی نگاہوں میں گردش کرنے لگا۔ شمشیر احمد خاں شادی شدہ تھے، اعلیٰ حیثیت کے مالک تھے، پہلی بیگم کا انتقال ہو چکا تھا، ان کا ایک بیٹا جسے شمشیر احمد خاں نے بیرون ملک بھجوا دیا تھا، دوسری بیگم سے تین بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ یہ بات جہاں آراء بیگم اور حیدر خاں کو معلوم تھی۔ ایک تقریب میں جہاں آراء کی ملاقات شمشیر احمد خاں سے ہوئی اور شمشیر احمد خاں نے اسے پسند کر لیا۔ حیدر خاں ایک سرکاری محکمے میں ملازم تھا، شمشیر احمد خاں کی توجہ بہن کی طرف پائی تو خوابوں میں کھو گیا اور جب خاں صاحب نے اس سے دل کی بات کہی تو وہ ان کے قدموں میں بچھ گیا اور سب کچھ جاننے کے باوجود بہن خاں صاحب کے حوالے کر دی۔ جہاں آراء بیگم بھی ناخوش نہیں تھی۔ البتہ اس نے پہلی فرمائش یہی کی تھی کہ خاں صاحب اپنی دوسری بیوی کو طلاق دے دیں۔

''میں شرطیں منوانے والوں میں سے ہوں کوئی شرط ماننا میری فطرت کے خلاف ہے۔ آپ اس کے بعد کوئی شرط مجھ پر مسلط نہ کیجئے گا کیونکہ اس کے سارے نقصانات آپ ہی کو ہوں گے۔''

کچھ اس سخت اور کھردرے لہجے میں یہ بات کہی گئی تھی کہ جہاں آراء بیگم کے حوصلے پست ہو گئے اور اس کے بعد انہیں دوبارہ یہ الفاظ کہنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ البتہ تقدیر نے ان کا ساتھ دیا۔

پہلی بیگم یعنی بیگم نمبر دو کے شکوؤں کا آغاز ہو گیا اور وہ جہاں آراء بیگم کے خلاف باتیں کرنے لگیں۔ خاں صاحب سے براہ راست انہوں نے کچھ نہیں کہا لیکن جہاں آراء بیگم کے

بارے میں مختلف لوگوں سے بہت سی باتیں انہوں نے کیں اور یہ اطلاع خاں صاحب تک پہنچ گئی۔ خاں صاحب نے جب ان سے بات کی تو دوسری بیگم جو بھری ہوئی تھیں، اُبل پڑیں۔

''آپ نے مجھ سے شادی سے پہلے کبھی یہ بات نہیں کہی تھی کہ آپ مجھ پر سوکن بھی لا سکتے ہیں، میں سوکن برداشت نہیں کر سکتی۔''

''تو آپ کیا چاہتی ہیں؟''

''کچھ نہیں۔ میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ اسے کہیں اور لے جا کر رکھیں۔''

''کیوں ایسا کیوں چاہتی ہیں آپ۔ یہ حویلی آپ جہیز میں تو نہیں لائیں۔''

''کیا آپ کی کوئی چیز میری ملکیت نہیں ہے؟''

''نہیں کس نے کہا یہ آپ سے، میں آپ کو جو کچھ دینا چاہوں دے دوں اور جو نہ دینا چاہوں اسے بھلا آپ مجھ سے کیسے لے سکتی ہیں۔''

''تو پھر میں اپنے بچوں کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں گی۔''

خاں صاحب ہنس دیئے پھر بولے۔ ''بچوں کو کیا آپ اپنے بدن کا لباس بھی یہاں سے نہیں لے جا سکتیں میری اجازت کے بغیر لیکن آپ کی اس تجویز کو میں پسند کرتا ہوں، دو گھنٹے کے اندر اندر آپ کی یہاں سے روانگی کا انتظام ہو جائے گا۔''

اور اس کے بعد دو گھنٹوں سے پہلے پہلے انہیں بچوں سمیت رخصت کر دیا گیا اور اس کے بعد سے آج تک وہ حویلی میں داخل نہیں ہو سکیں۔ خاں صاحب ان سے یا اپنے بچوں سے ملتے تھے یا نہیں ملتے تھے کچھ علم نہیں تھا، نہ ہی ان بیگم کا نام کسی بھی شکل میں کبھی سامنے آیا۔ جہاں آراء بیگم کو اب کوئی الجھن یا پریشانی نہیں تھی۔ وہ خوش تھیں کہ یہ مسئلہ خود بخود حل ہو گیا غرضیکہ وقت گزرتا رہا بس غلط سوچ تھی، صحیح بات ذہن میں نہیں آ سکی تھی۔ ورنہ حقیقتوں کو وقت سے پہلے جان لیتیں۔ خاں صاحب کی رنگین مزاجی تو مثالی حیثیت رکھتی تھی اور اب وہ بُرا وقت آ گیا تھا۔ حیدر خان ان کا بھائی تھا بہن کی مشکل کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا۔ بہن تو عورت تھی، خاں صاحب کے ہاتھوں کی لمبائی کا اسے صحیح اندازہ نہیں تھا لیکن حیدر خان جانتا تھا کہ سرکاری محکمے میں ایک معمولی سے عہدے سے کس طرح کئی سیڑھیاں طے کر کے اتنی بلندی تک آ گیا تھا کہ اس بلندی سے نیچے گرنے سے خوف محسوس ہوتا تھا۔

بہن کا دُکھ اپنے دل میں محسوس کر رہا تھا لیکن ابھی اس کا کوئی حل اس کے پاس نہیں تھا، بہن کو دلاسے دیئے اور بولا کہ صبر کرے اور انتظار کرے، اس نے کہا۔ ''میں خاموش نہیں بیٹھوں گا، کچھ نہ کچھ سوچتا اور کرتا ہوں۔ لیکن ایک بات میں تمہیں صاف صاف بتائے دیتا ہوں۔ خاں صاحب کو اگر میں قتل بھی کرانا چاہوں تو اس کے لئے انتہائی مشکلات سے گزرنا ہوگا اور اگر اس سازش کا انکشاف ہوگیا تو پھر یہ سمجھ لو کہ تم تو خیر الگ بات ہے ہمارے اہل خانہ میں کوئی زندہ نہیں بچے گا، تاہم میں کچھ کرتا ہوں۔''

بظاہر تو یوں لگتا تھا جیسے حیدر خان نے بہن کو جھوٹا دلاسہ دیا تھا اور ایک طرح سے اپنی جان چھڑائی تھی کیونکہ وہ اس پائے کا آدمی نہیں تھا کہ خاں صاحب کے خلاف کچھ کرسکتا۔ البتہ بہن کے دکھ سے متاثر ضرور تھا۔

خاں صاحب کے راستے صاف ہو چکے تھے، کسی بھی کام میں وہ بہت زیادہ دیر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، انہوں نے احتشام الدین اور راحیل احمد کے ساتھ مل کر سارے معاملات طے کئے۔ سادگی سے نکاح اور پھر انتہائی اعلیٰ درجے کے کسی ہوٹل میں ولیمہ ڈنر ہوا۔ البتہ راحیلہ کی تمام آرزوئیں انہوں نے پوری کردی تھیں۔ کیا کچھ نہیں تھا جو انہوں نے راحیلہ کو دیا تھا اور پھر راحیلہ کو اپنی حویلی میں لے آئے۔ راحیلہ نہ صرف حویلی بلکہ فارم ہاؤس، زمینیں، باغات سب کچھ دیکھ چکی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ اس سے پہلے وہ اپنی انا کی تسکین کے لئے صرف ایک شدت پسند لڑکی تھی لیکن صحیح معنوں میں اس نے اپنے حسن کی قیمت وصول کی تھی۔

خاں صاحب کو اس نے یہ یقین دلا دیا کہ ان کی معیت میں وہ بہت خوش ہے اور خاں صاحب نے ان لوگوں پر عنایتوں کی بارش کردی۔ احتشام الدین پہلے بھی ان کے دوست تھے اور ان کے لئے خاں صاحب نے بہت کچھ کیا تھا لیکن اب کیفیت یہ تھی کہ احتشام الدین ہاتھ جوڑ جوڑ کر منع کرتے تھے کہ خاں صاحب بس آپ کی محبت کافی ہے میرے لئے ہم دومیاں بیوی اور کیا درکار ہے، لیکن خاں صاحب انہیں مسلسل مراعات سے نوازرہے تھے۔

راحیل احمد کے بھی وارے کے نیارے ہوگئے تھے اور ایسی حیثیت اختیار کرلی تھی انہوں نے کہ اب صنوبر اور عظمیٰ کے رشتے بڑی اچھی اچھی جگہوں سے آنے لگے تھے، جہاں آراء بیگم کو حویلی کے اسی گوشے میں رہنے دیا گیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ خوبصورت جگہ خاں صاحب نے

راحیلہ کے لئے مخصوص کردی تھی جہاں وہ رانیوں کی طرح رہتی تھی۔ خاں صاحب اسے اپنی زمینوں پر گھمانے لے جاتے تھے۔ زیادہ تر وہ ان کے ساتھ ہی رہا کرتی تھی اور جہاں آراء بیگم کے سینے پر سانپ لوٹتے تھے۔ وہ سب کچھ راحیلہ کی تحویل میں چلا گیا تھا جو کبھی ان کی ملکیت تھا۔

حیدر خان اپنی کوششوں میں مصروف تھا۔ براہ راست تو بہن کے لئے کچھ نہیں کرسکتا تھا اور اب تو سب کچھ ہی ہاتھ سے نکل گیا تھا لیکن پھر ایک امید کی کرن چمکی۔ یہ احمد اللہ بیگ تھے، احمد اللہ بیگ جو ایک درویش صفت آدمی تھے ایک دور دراز علاقے میں رہتے تھے۔ اندر باہر سے جو کچھ تھے اس کے بارے میں بہت کم لوگوں کو معلوم تھا۔ کسی زمانے میں ڈاکو رہ چکے تھے کئی ڈاکے ڈالے لیکن تقدیر نے ساتھ نہیں دیا۔ گرفتار تو بے شک نہیں ہوئے، لیکن ڈاکہ زنی کے دوران ٹوٹ پھوٹ کافی گئے جو کچھ ہاتھ لگا اسے لے کر ایک گوشے میں آباد ہوگئے۔ لمبی سی داڑھی رکھ لی، کچھ کتابیں پڑھ لیں اور بہترین اداکاری کے نتیجے میں قرب و جوار میں مقبول ہوگئے۔ پھر ایک بار کسی سلسلے میں شمشیر احمد خاں سے ملاقات ہوگئی۔ تقدیر ہر شخص کو موقع دیتی ہے، بیگ صاحب نے شمشیر احمد خاں کے لئے کچھ کیا اور جو کیا تھا وہ ہوگیا۔ پھر اس کے بعد جو نہ ہو جاتا وہ کم تھا۔ شمشیر احمد خاں نے انہیں نہال کردیا۔ ایک زبردست خانقاہ بنادی گئی۔ احمد اللہ بیگ کبھی کبھی شمشیر احمد خاں کے پاس آتے رہتے تھے۔

بالکل اتفاق کی بات تھی کہ حیدر خان کسی ذریعے سے ان تک جا پہنچا تھا احمد اللہ بیگ کا معتقد ہوگیا تھا، احمد اللہ بیگ نے بھی جہاں آراء بیگم ہی کے حوالے سے حیدر خان کی بہت سی خواہشیں پوری کردی تھیں۔ حیدر خان جانتا تھا کہ احمد اللہ بیگ کی کمزوری کیا ہے۔ جب احمد اللہ بیگ اس کے ذہن میں آئے تو اس نے اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کرلیا۔ وہ احمد اللہ کے پاس پہنچ گیا احمد اللہ نے اس کا استقبال کیا۔

''کہو حیدر خان، بہت دن کے بعد آنا ہوا، سب خیریت ہے نا!''

''آپ جانتے ہیں مرشد۔ آپ سے کیا چھپا ہوا ہے۔ مجھے یقین ہے آپ کو سب کچھ معلوم ہے۔''

''ہاں، ہم جانتے ہیں۔'' بیگ صاحب نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا پھر بولے۔ ''پہلے کبھی افسوس ہوتا تھا اب نہیں ہوتا۔ دنیا میں ہر شخص غرض کا بندہ ہے۔ مشکل میں پھنستا ہے تو

مشکل بانٹنے والے یاد آتے ہیں ورنہ کون کسی کو پوچھتا ہے۔''

حیدر خان اپنی چال چل رہا تھا اور بیگ صاحب اپنی۔ حیدر خان جانتا تھا کہ بیگ صاحب کو اپنی تعریفیں سننے کا شوق ہے۔ سواس نے یہیں سے آغاز کیا تھا اور بیگ صاحب جانتے تھے کہ اس طرح کے لوگ کسی نہ کسی مشکل میں گرفتار ہوکر ان کی طرف رخ کرتے ہیں۔

حیدر خان نے جلدی سے کہا ''درست فرمایا، انسان بیمار ہوکر ہی حکیم یا ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے۔ مجھے آپ کی مدد درکار ہے۔''

''پوری بات تفصیل سے بتاؤ۔''

''آپ کو علم ہے کہ شمشیر احمد خاں میرے بہنوئی ہیں۔''

''ہاں...... جانتے ہیں۔''

''خاں صاحب نے چوتھی شادی کر لی ہے۔''

''بولتے رہو۔'' بیگ صاحب نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ آنکھیں بند کرنے سے بہت سے راز چھپے رہ جاتے ہیں۔ س وقت آنکھیں کھلی ہوتیں تو حیرت کی چغلی کھا دیتیں جبکہ بیگ صاحب ہر شے سے واقفیت کا اظہار کرنا شان سمجھتے تھے۔

''جہاں آراء بیگم کو خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ کہیں خاں صاحب دوسری بیوی کی طرح انہیں بھی حویلی سے نہ نکال دیں اور ان کا سورج ڈوب جائے۔''

''سورج کو ڈوبنے سے کون روک سکا ہے، کیا شمشیر نے اس طرح کا کوئی اظہار کیا ہے۔''

''آپ سے زیادہ کون جان سکتا ہے بیگ صاحب۔''

''ہماری جانکاری کا امتحان لے رہے ہو...... اپنی بپتا بیان کرو، ہم کیا جانتے ہیں کیا نہیں جانتے یہ تم نہیں جان سکتے، کمال کرتے ہو۔'' بیگ صاحب جلال میں آگئے۔

''معافی چاہتا ہوں، گستاخی ہوگئی۔ آپ پر اتنا یقین ہے کہ آپ کو کچھ بتاتے ہوئے شرمندگی ہوتی ہے، تعمیل حکم کر رہا ہوں۔'' حیدر خان نے مختلف واقعات سنا دیئے۔ بیگ صاحب نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''جانا پڑے گا۔ شمشیر احمد خاں کی حویلی جانا پڑے گا۔ اصل میں خانقاہ کی توسیع کرا رہا

ہوں، کچھ کمی پڑ رہی ہے اخراجات کی، ہر محبت کرنے والے کو زحمت دے رہا ہوں، اسی میں مصروف تھا۔''

''میں تو بے حیثیت آدمی ہوں بیگ صاحب۔''

''ہمیں اُلٹا مان بھی دیتے ہو اور ہمارے سامنے جھوٹ بھی بولتے ہو۔ شمشیر احمد خاں کو اپنی بہن کا نذرانہ دینے کے بعد تم بے حیثیت کہاں رہے ہو۔ کیا ہم تمہاری حیثیت کی تفصیل تمہیں بتائیں۔'' بیگ صاحب کڑک کر بولے۔

''حضور قبلہ نے میری پوری بات نہیں سنی۔ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ میں تو بے حیثیت انسان ہوں، عظیم خانقاہ کی ضروریات کہاں سے پوری کر سکتا ہوں لیکن اس کارِ عزیز میں میری طرف سے کوئی کاوش ہو جائے تو میری ہی بہتری کے لئے ہے۔ یہ ایک چھوٹی سی...... حیدر خان نے جیب سے ہزار کے نوٹوں کی دو گڈیاں نکالیں اور بیگ صاحب کے سامنے ڈال دیں۔

بیگ صاحب نے ایک سرسری نگاہ ان پر ڈالی اور بولے ''کمال ہے حیدر خان، سارے ادب وآداب بھول گئے، یہ کاغذ کے ٹکڑے ہم اپنے ہاتھ میں لیں گے کیا تم نذرانہ بکس کو بھول گئے۔'' بیگ صاحب نے ایک طرف رکھے ہوئے بڑے سے بکس کی جانب اشارہ کیا۔

حیدر خان اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔ نوٹوں کی گڈیاں اس نے بکس میں ڈالیں۔ بیگ صاحب دز دیدہ نگاہوں سے اس طرف دیکھ رہے تھے کہ بیگ صاحب کو دو گڈیاں دکھا کر ایک گڈی بکس میں ڈال دے اور دوسری لباس میں چھپالے لیکن حیدر خان نے یہ جرأت نہیں کی تھی اور احمد اللہ بیگ صاحب مطمئن ہوگئے تھے۔ حیدر خان پھر ان کے سامنے آ کر دوزانو بیٹھ گیا۔

''حضور بڑی عاجزی کے ساتھ حاضری دی ہے، بہن کی تسلی کے لئے اس سے کیا کہوں؟''

''کہہ دینا ہم آرہے ہیں۔'' احمد اللہ بیگ صاحب نے جواب دیا۔

شمشیر احمد خاں کی معیت راحیلہ کے لئے بری نہیں تھی۔ شمشیر احمد خاں معمول کے مطابق اس کے قدموں میں بچھ گئے تھے، دوسری بیویوں نے جس قدر اپنے آپ کو منوانے کے لئے جتن کئے تھے، راحیلہ نے ایسا کچھ نہیں کیا تھا۔ وہ مکمل طور پر اپنی خوشیوں کا اظہار کرتی تھی جبکہ شمشیر احمد خاں اپنے تمام تر تجربے کی بنیاد پر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرتے تھے کہ راحیلہ کی ذہنی

کیفیت کیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ راحیلہ انتہائی زیرک تھی اور بڑی سمجھداری سے کام لے رہی تھی۔ آج تک اس نے جہاں آراء بیگم کے بارے میں اپنی کسی رائے کا اظہار نہیں کیا تھا۔ شمشیر احمد خاں کبھی کبھی جہاں آراء بیگم کے پاس بھی جاتے تھے۔ ان سے گھنٹوں باتیں کرتے تھے۔ واپسی پر راحیلہ نے کبھی کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا۔ یہاں تک کہ ایک بار شمشیر احمد خاں صاحب پوچھ بیٹھے۔

"ایک سوال کروں راحیلہ، تم بہت زیادہ صاحب ظرف ہو یا درگزر سے کام لے رہی ہو یا پھر تمہارے ذہن میں کچھ اور ہے، تم نے۔۔۔ کبھی جہاں آراء بیگم سے کسی رقابت کا اظہار نہیں کیا، مجھے بتاؤ اس بارے میں تمہارے ذہن میں کیا خیالات ہیں۔"

راحیلہ نے سپاٹ نگاہوں سے شمشیر احمد خاں کو دیکھا اور بولی۔ "دیکھئے میں نے سچے دل سے آپ کو اپنے شوہر کی حیثیت سے قبول کیا ہے، میں دقیانوسی خیالات کی حامل نہیں ہوں، اتنا جانتی ہوں کہ شوہر کو مجازی خدا کہا گیا ہے اور ایک شوہر پرست عورت کا ایمان ہوتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے شوہر پر بھروسہ کرے، آپ جہاں آراء بیگم سے ملتے ہیں لیکن میں نے کبھی آپ کی محبت میں کوئی کمی نہیں پائی۔ آپ مجھے بھرپور محبت دیتے ہیں اس کے بعد آپ جو کچھ کرتے ہیں اس پر نکتہ چینی یا اعتراض کر کے میں آپ کے ذہن کو پریشان کیوں کروں؟ دوسری بات یہ کہ آپ نے اپنی محبت اور مہربانی سے کام لے کر مجھ سے شادی کی ہے، جہاں آراء بیگم مجھ سے پہلے آپ کی بیگم تھیں، میں اس بات کو مدنگاہ رکھتی ہوں اور ان کو جو حق آپ دینا چاہتے ہیں میں اس پر اعتراض نہیں کرتی۔"

"واہ حقیقت یہ ہے کہ تمہارے ان الفاظ نے ہماری تم سے محبت ہزار گنا بڑھا دی ہے۔ جس قدر شفاف تمہارا چہرہ ہے، اتنا ہی شفاف تمہارا دل ہے اور ہم تمہارے شفاف پیکر کی عزت و احترام کرتے ہیں۔

زندگی کے شب و روز گزر رہے تھے، شمشیر خاں راحیلہ کو نہ صرف احتشام الدین بلکہ راحیل احمد صاحب کے پاس بھی لے جاتے تھے، راحیل احمد کا انہوں نے انداز زندگی ہی بدل دیا تھا۔ یہ ان کی عادت تھی۔ اصل میں اتنا پیسہ اور اتنی دولت تھی کہ اس کو خرچ کرنے کے ذرائع نہیں تھے چنانچہ جس پر تھوڑی سی نظر عنایت ہوتی کم از کم اس کی زندگی بہتر ہو جاتی اس کے

علاوہ انہوں نے راحیلہ کو اپنے سیاسی معاملات میں بھی شریک کر لیا تھا اور سیاسی جوڑ توڑ کے بہت سے گُر اسے سکھانا شروع کر دیئے تھے۔ راحیلہ نے یہ شعبہ بھی قبول کر لیا تھا اور بڑی ذمہ داری کے ساتھ خاں صاحب کے دوسرے امور میں نہ صرف دلچسپی لیتی تھی بلکہ کام بھی کرتی تھی۔ سارے سیاسی جوڑ توڑ اس کے علم میں آتے جا رہے تھے۔ وہ خاں صاحب کو اپنی مٹھی میں رکھنا چاہتی تھی۔ بہنوں کے رشتے بھی خاں صاحب ہی کی وجہ سے آئے اور پھر ان کی شادی جس دھوم دھام سے ہوئی احتشام الدین اور راحیل احمد نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ خاں صاحب جیسی شخصیت کے داماد بننے کے بعد راحیل احمد صاحب کا سماجی مرتبہ بے حد بلند ہو گیا تھا۔ اس کے علاوہ خاں صاحب کے عطیات نے ان کے طرز زندگی کو بھی مکمل طور پر تبدیل کر دیا تھا یہ سارے معاملات چل رہے تھے اور جہاں آراء بیگم کانٹوں کے بستر پر لوٹ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک دن اچانک ہی احمد اللہ بیگ پہنچ گئے۔ خاں صاحب نے ان کا پرتپاک استقبال کیا تھا۔

احمد اللہ بیگ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"زندگی میں اپنی خوشیاں تنہا ہی سمیٹ لیتے ہو، کبھی ہمیں بھی ان میں شریک کرتے۔"

"بس میرے فیصلے اچانک ہی ہوتے ہیں بیگ صاحب، اگر آپ کا اشارہ میری نئی شادی کی طرف ہے تو آپ یقین کیجئے بہت زیادہ سوچ سمجھ کر یا کسی لمبے پروگرام کے تحت میں نے یہ شادی نہیں کی۔"

"بہت اچھا کیا، میری طرف سے مبارک باد۔" بیگ صاحب نے کہا۔

بیگ صاحب کا تعارف بڑے احترام اور عزت کے ساتھ راحیلہ سے بھی کرایا گیا اور راحیلہ نے بیگ صاحب کا بھرپور احترام کیا۔ احمد اللہ بیگ نے غور سے اس کا چہرہ دیکھا اور ان کے ذہن میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔

بیگ صاحب جب بھی شمشیر احمد خاں کی حویلی میں آتے تھے ہفتہ ہفتہ بلکہ کبھی کبھی مہینوں قیام کرتے تھے۔ شمشیر احمد خاں بھی اچھی خاصی عقیدت رکھتے تھے ان سے۔ بیگ صاحب جو کچھ بھی کہتے تھے شمشیر احمد خاں وہ سب کچھ کر دیا کرتے تھے۔ اس بار بھی شمشیر احمد خاں نے بیگ صاحب کو احترام سے ان کے کمرے تک پہنچا دیا اور ان پر ملازم تعینات کر دیئے

کہ بیگ صاحب کو کوئی تکلیف نہ ہو۔

تین دن تک بیگ صاحب ہر چیز سے لاتعلق رہے، تیسرے دن شمشیر احمد خاں خود ہی راحیلہ کو لے کر زمینوں پر کسی کام سے چلے گئے۔ اب اکثر ہونے لگا تھا کہ وہ اپنے کسی بھی اہم کام پر جاتے، راحیلہ ان کے ساتھ ہوا کرتی تھی۔ انہوں نے راحیلہ کو اپنی زمینوں کے امور سے بھی اچھی طرح آگاہ کر دیا تھا اور وہ اپنی ذہانت وفراست سے انہیں بہترین مشورے دیا کرتی تھی۔

حیدر خان نے بیگ صاحب کو بتا دیا تھا کہ وہ اگر خاں صاحب کی حویلی میں پہنچے گا تو سب کو علم ہو جائے گا اس لئے وہ خود ہی جہاں آراء بیگم سے بات کر سکتے تھے، جہاں آراء بیگم کے دور اقتدار میں بیگ صاحب کئی بار وہاں جا چکے تھے اور جہاں آراء بیگم سے ان کی شناسائی تھی۔ البتہ ان تین دنوں میں انہوں نے جہاں آراء بیگم کی جانب کوئی توجہ نہیں دی تھی، ان کا نظریہ یہ تھا کہ راحیلہ سے زیادہ التفات کا اظہار کریں تاکہ خاں صاحب کو کوئی شبہ نہ ہو سکے لیکن خاں صاحب کے جانے کے بعد وہ جہاں آراء بیگم کے پاس پہنچ گئے، جہاں آراء بیگم نے آنسوؤں کی نمی میں ان کا استقبال کیا تھا۔

''میں جانتا ہوں تمہارے دل پر کیا بیت رہی ہے لیکن وقت اپنی آواز خود ہی بلند کرتا ہے۔ تم خاموشی سے جو کچھ سہتی رہی ہو مجھے اس کا اندازہ ہے اب میں آ گیا ہوں، کچھ وقت یہاں رہ کر عملیات کروں گا اور بلاتکلف میں تمہیں یہ بات بتا دوں کہ اس سلسلے میں اخراجات ہوں گے۔''

''میرے پاس بہت کچھ ہے، خاں صاحب کے دور عنایت میں جو کچھ مجھے ملا ہے میں حاضر کئے دیتی ہوں۔''

بیگ صاحب کو جو کچھ ہاتھ لگا انہوں نے سمیٹا اور اسے اپنے پاس پوشیدہ کر لیا۔ شمشیر احمد خاں کی واپسی پر وہ آگے کا عمل دہرانا چاہتے تھے، سلسلہ جاری رہا اور جب تین چار دن کے بعد شمشیر احمد خان واپس آ گئے تو انہوں نے کہا۔ ''میں آپ کی واپسی کا انتظار کر رہا تھا خاں صاحب دیکھئے ہزار دوست ہزار دشمن بلکہ ہر صاحب حیثیت شخص کے دشمن زیادہ ہوتے ہیں اور دوستی کا اظہار صرف وہ کرتے ہیں جنہیں آپ سے مراعات حاصل کرنے کی چاہت ہو۔ یہاں آنے

کے بعد اندازہ ہوا ہے کہ دشمن اس وقت کچھ زیادہ ہی سرگرم عمل ہیں اور یہ کہوں گا کہ آپ کی محبت یہاں کھینچ لائی ہے، چلہ کشی کرنا چاہتا ہوں، باغ کے ایک گوشے میں وہاں کسی کے نہ آنے کی منادی کرا دی جائے۔''

''آپ جس طرح مناسب فرمائیں بیگ صاحب۔'' خاں صاحب نے کہا۔

بڑی عجیب بات ہے، بڑے بڑے زیرک اور ہوشیار لوگ بعض اوقات ایسی کمزوریوں کا شکار ہو جاتے ہیں کہ یقین نہیں آتا۔

بہرحال بیگ صاحب نے چلہ شروع کر دیا اور خاں صاحب کی حویلی کا ایک گوشہ ان کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔

راحیلہ کو اس وقت تک کوئی احساس نہیں تھا جب تک کہ اس نے جہاں آراء بیگم اور بیگ صاحب کے گٹھ جوڑ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ اور کانوں سے نہ سن لیا، تقدیر نے شاید اس کا ساتھ دیا تھا۔

بالکل اتفاق تھا۔ بیگ صاحب چلہ گاہ میں آ کر بیٹھے تھے کہ جہاں آراء بیگم ان کے پاس پہنچ گئیں۔

راحیلہ بالکل اتفاقیہ طور پر اس وقت چلہ گاہ کے عقبی حصے میں اپنے پسندیدہ پھولوں کے کنج کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔ چمپا کی مدھم مدھم خوشبو اسے بے پناہ پسند تھی۔ ایک بار اسی چمپا کے قدموں میں اس نے ایک خوبصورت سانپ دیکھا تھا۔ چاندی کی طرح چمکتا ہوا۔ نجانے کیوں اسے سانپ کا رنگ وروپ اپنے جیسا محسوس ہوا تھا۔ سانپ کا تذکرہ اس نے کبھی کسی سے نہیں کیا لیکن وہ اب اکثر اس کنج کے پاس آ کر بیٹھ جاتی تھی نجانے کیوں اسے اس سانپ کی تلاش تھی۔ وہ خود اپنے آپ کو اس سوال کا جواب نہیں دے سکی تھی۔ اس وقت بھی وہ کھوئی کھوئی بیٹھی تھی کہ اسے دوسری جانب مدھم مدھم سرگوشیوں جیسی آواز سنائی دی اور وہ چونک پڑی۔

اس بات کا اسے علم تھا کہ تھوڑے فاصلے پر بیگ صاحب چلہ کشی کر رہے ہیں لیکن یہ سرگوشی کیسی ہے۔ تجسس اس کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا، چنانچہ دبے قدموں اس باڑھ کے پاس آ بیٹھی جس سے اگر جھانک کر دیکھا جاتا تو احمد اللہ بیگ نظر آ جاتے جو ایک بڑی سی دری بچھا کر بیٹھ جاتے تھے، ان کے پاس پانی کی مٹکی، مٹی کا آبخورہ اور ایسی ہی چند چیزیں رکھی

ہوا کرتی تھیں۔

راحیلہ نے پرتجسس انداز میں جھانک کر دوسری طرف دیکھا اوراس کے چہرے پر حیرت کے نقوش ابھر آئے۔ جہاں آراء بیگم دری پر بیگ صاحب کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں۔ بیگ صاحب ہزارہ تسبیح پر کچھ پڑھ رہے تھے۔ کچھ لمحوں کے بعد انہوں نے تسبیح کو پھونک ماری اور اسے گلے میں ڈال کر جہاں آراء بیگم کی جانب متوجہ ہوگئے پھر بولے ''وظیفے کے دوران بولا نہیں جاسکتا جہاں آراء بیگم، اب بتایئے آپ کیا کہہ رہی تھیں؟''

''آپ سے اپنی بے چینی کا اظہار کرنے آئی تھی بیگ صاحب، میں کانٹوں کے بستر پر جی رہی ہوں۔ ایک ایک لمحہ زندگی عذاب بن کر گزر رہی ہے مجھ پر۔ کبھی کبھی تو دل چاہتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔ خان صاحب کی بے التفاتی مجھ سے برداشت نہیں ہوتی میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس کمبخت کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے دوں لیکن بزدل ہوں ایسا بھی نہیں کرسکتی۔'' جہاں آراء بیگم چپ ہوئیں تو بیگ صاحب بولے ''بولتی رہو، کم از کم دل کا بوجھ تو نکل جائے۔''

''میں نے حیدر خان سے فون پر بات کی تھی، کہنے لگے کہ صبر کروں اور انتظار کروں، احمد اللہ بیگ صاحب پوری تیاریوں کے ساتھ یہاں پہنچے ہیں۔ ان کی خدمت کرتی رہو، مجھے بتایئے بیگ صاحب میں آپ کی اور کیا خدمت کروں۔''

''دیکھو جہاں آراء بیگم دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں، ہر چند کہ یہاں دیواریں نہیں ہیں، لیکن احتیاط کرنا بڑا ضروری ہے تم اس طرح میرے پاس نہ چلی آیا کرو، کسی کو بھی شک ہو سکتا ہے کہ میں راحیلہ کا کانٹا صاف کرنے کے لئے یہاں آیا ہوں، میں بڑی احتیاط سے کام لے رہا ہوں لیکن تم اس بے چینی کا اظہار کر کے کہیں کوئی نقصان نہ اُٹھا لینا۔''

''کم از کم اور کچھ نہیں تو مجھے دلی سکون کے لئے کچھ دیجئے، انسان ہوں، عورت ہوں، سب کچھ برداشت کرسکتی ہوں، اپنی ملکیت میں کسی کا حصہ ناقابل برداشت ہے، اس کمبخت عورت کو جتنی جلدی ہوسکے راستے سے ہٹا دیجئے۔''

''یہی تو کر رہا ہوں مجھے سکون سے کام کرنے دو، ہر بڑے کام میں کچھ نہ کچھ وقت لگتا ہے۔ تم جلد بازی کرو گی تو میں کچھ نہیں کرسکوں گا۔ لو یہ پانی پی لو۔'' بیگ صاحب نے مٹی کے آبخورے میں مٹکی سے پانی نکالا اور جہاں آراء بیگم کو پیش کردیا۔ جہاں آراء بیگم نے دونوں

ہاتھوں سے آبخورہ پکڑ کر بڑی عقیدت سے اسے ہونٹوں سے لگالیا پھر بولی۔

''معافی چاہتی ہوں بیگ صاحب، بس اس وقت خاں صاحب حویلی میں موجود نہیں تھے، میں اپنے دل کی لگی کو لے کر آپ کے پاس آگئی۔''

''ٹھیک ہے جاؤ، اب آرام کرو، سکون مل جائے گا تمہیں اور تمہارا کام بھی ہوجائے گا۔''

راحیلہ حیرت سے منہ کھولے یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ جہاں آراء بیگم چلی گئیں۔ راحیلہ پر حیرتوں کے پہاڑ ٹوٹتے رہے پھر ایک جھٹکے سے وہ سنبھل گئی جیسے کوئی خواب دیکھ رہی ہو۔ اس طرف اس کی کبھی توجہ نہیں ہوئی تھی، کبھی پیری فقیری کے بارے میں نہیں سوچا تھا، بیگ صاحب آئے تھے تو خاں صاحب کے ایماء پر اس نے ان کا احترام کیا تھا لیکن یہ ڈرامہ جہاں آراء بیگم کا ہے یہ اسے آج ہی معلوم ہوا تھا، وہ اپنی جگہ سے ہٹ آئی، اپنی آرام گاہ میں اپنے بستر پر بیٹھ کر اس نے کہا۔ ''جہاں آراء بیگم! کھیل تم نے شروع کیا ہے یاد رکھنا، تم راحیلہ کے مقابلے پر آئی ہو اور پیر صاحب آپ مجھے خاں صاحب کی نگاہوں سے گرانے میں لگے ہوئے ہیں، اس زندگی کو حاصل کرنے کے لئے بڑی قربانی دی ہے میں نے اور آپ اسے مجھ سے چھیننا چاہتے ہیں کبھی یہ بات میرے ذہن میں نہیں تھی کہ اپنے آپ کو کسی کی محکومیت میں دوں گی، اقتدار حاصل کرنے کے لئے ایک مقام حاصل کرنے کے لئے میں نے اپنے پندار کی قربانی دی ہے اور آپ اسی قربانی کو ضائع کردینا چاہتے ہیں، آپ بھی کیا یاد کریں گے کہ کس سے پالا پڑا تھا۔ آپ سے مقابلہ کر کے مجھے خوشی ہوگی کیونکہ آپ ٹھہرے زمانے بھر کے گھاگ اور میں ہوں ایک معصوم لڑکی، آپ کی موت میرے ہاتھوں ہو تو کیا ہی پرلطف بات ہوگی۔''

اب یہ تو اس کے معیار کے خلاف تھا کہ خاں صاحب کو ان دونوں کی حقیقت بتا دے پھر تو کوئی کھیل نہ ہوا، خاں صاحب یقین کریں یا نہ کریں خاں صاحب اس کی ہر بات آنکھیں بند کر کے مان لیا کرتے تھے لیکن یہ عاملوں کا چکر ذرا مختلف ہوتا ہے۔ انسان اس کے جال میں پھنستا ہے تو بہت سی چیزوں کو فراموش کردیتا ہے کوئی ترکیب، کوئی آئیڈیا، ایسا جو منفرد ہو وہ اسی سوچ میں ڈوب گئی تھی۔ ذہن تو بے مثال پایا تھا، سوچ کے سمندر سے آخر ایک موتی نکال ہی لائی۔

راحیلہ خاں صاحب کے بیڈ روم مین حسین ترین مسہری پر گہری نیند سو رہی تھی۔ خاں

[illegible] بار بار لے کر اس کا چہرہ دیکھا کرتے تھے اور سوچتے تھے کہ یہ گوہرِ بے بہا ان کی ملکیت ہے۔ اس وقت بھی وہ اس کا سوتا ہوا چہرہ دیکھ رہے تھے کہ اچانک انہوں نے راحیلہ کے چہرے پر خوف کے آثار ابھرتے ہوئے دیکھے، اس کی چمکدار پیشانی شکن آلود ہوگئی تھی، ہونٹ کھل گئے تھے اور موتیوں جیسے دانت چمکنے لگے تھے لیکن چہرے پر خوف کا ایک انداز تھا اور پھر خوف کا یہ انداز ایک دہشت زدہ چیخ میں تبدیل ہوگیا اور خاں صاحب اچھل کر اس کے پاس پہنچ گئے۔

''راحیلہ کیا ہوا، کیا ہوگیا، کیا بات ہے راحیلہ، راحیلہ جاگو۔'' انہوں نے اسے جھنجھوڑ ڈالا اور راحیلہ سہمے ہوئے سانس لیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔ پھر اس نے اپنا سر خاں صاحب کے سینے سے ٹکا دیا اور زار و قطار رونے لگی۔

خاں صاحب حتی الامکان اسے دلاسے دیتے رہے۔ اسے اٹھ کر پانی پلایا اور پھر اسے تسلیاں دیتے رہے، راحیلہ بمشکل تمام خاموش ہوئی تھی۔ اس نے خاں صاحب کو دیکھا اور ایک بار پھر ان کے سینے سے سر ٹکا دیا۔

''ہوا کیا راحیلہ، خواب دیکھا ہوگا، کیا خواب دیکھا ہے؟''

راحیلہ کچھ لمحے خوف سے ان کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔ ''کیا آپ مجھ سے دور چلے جائیں گے؟''

''خواب دیکھا ہے نا راحیلہ، خوابوں پر بھروسہ نہیں کرتے، میں تم سے دور کیوں چلا جاؤں گا۔ اس کا کیا سوال ہے؟''

''وہ کانٹوں بھرا ہاتھ، وہ کانٹوں بھرا ہاتھ جو آپ کو میرے قریب سے کھینچ لیتا ہے اور پھر آپ خلا میں تحلیل ہوتے چلے جاتے ہیں اور ایک نقطے میں تبدیل ہو جاتے ہیں، کس کا ہے وہ کانٹوں بھرا ہاتھ، وہ ہاتھ کس کا ہے؟''

خاں صاحب ہنسنے لگے پھر بولے ''کسی کا نہیں، یہ صرف تمہارا خواب ہے۔''

''نہیں، نجانے کیوں میرا دل یہ کہتا ہے کہ یہ خواب نہیں ہے، آہ کچھ کیجئے، کچھ ہو رہا ہے، میں نے ایک بزرگ خاتون سے سنا تھا کہ ایسے ویسے خواب اچھے نہیں ہوتے، ان کا کچھ نہ کچھ سدباب کرنا ہوتا ہے۔''

''کرلیں گے، او ہاں اس وقت تو ہمارے پاس ایک بہترین موقع ہے، بیگ صاحب آئے ہوئے ہیں وہ ہماری بہتری کے لئے چلہ کشی کر رہے ہیں، ہاں تم ٹھیک کہتی ہو راحیلہ، کچھ گڑ بڑ تو ہے۔ انہوں نے کچھ دشمنوں کا تذکرہ کیا ہے خیر تم فکر مت کرو، صبح کو بیگ صاحب کے پاس چلیں گے تم انہیں اپنا پورا خواب سنانا، وہ ضرور ہمارے لئے کوئی دعا تعویذ کریں گے۔'' خاں صاحب نے تسلی دی اور راحیلہ کو بستر پر لٹا دیا۔

دل ہی دل میں راحیلہ مسکرا رہی تھی، جو آغاز اس نے کیا تھا وہ بہرحال بھرپور ذہانت کے ساتھ کیا تھا۔

دوسری صبح ناشتے کے بعد خاں صاحب راحیلہ کو لے کر بیگ صاحب کے پاس پہنچ گئے۔ احمد اللہ بیگ نے گہری نگاہوں سے دونوں کو دیکھا تھا۔

''آپ نے ہمارے دشمنوں کی نشاندہی کی ہے بیگ صاحب۔ میرے خیال میں آپ کی یہاں آمد اور ہماری بہتری کے لئے کام کرنے کی خبر ہمارے دشمنوں تک پہنچ گئی ہے اور انہوں نے اپنی شیطانی کارروائیاں تیز کر دی ہیں۔ میں آپ کو راحیلہ کے خواب کے بارے میں بتانا چاہتا ہوں۔''

''میں ان کے چہرے پر تردد دیکھ رہا ہوں۔''

بیگ صاحب نے راحیلہ کے چہرے پر نگاہ ڈال کر کہا۔ یہ لمحات بہت کم آئے تھے کہ بیگ صاحب نے راحیلہ کا چہرہ غور سے دیکھا ہو۔ ایک نگاہ ضرور ڈالی تھی اور انگشت بدنداں رہ گئے تھے لیکن جس مقصد کے لئے آئے تھے اس کی تکمیل کے لئے انگلی دانتوں سے نکالنی ضروری تھی۔ ہاں اس وقت انہوں نے ضرورت کے تحت اس چہرے کو دیکھا تھا اور پھر بھٹک گئے تھے۔

''راحیلہ آپ بیگ صاحب کو اپنا خواب سنایئے۔''

راحیلہ نے نہایت معصومیت سے خوفزدہ آواز اور خوفزدہ چہرے کے ساتھ بیگ صاحب کو خواب سنایا۔ اس دوران بیگ صاحب نے بار بار راحیلہ کا چہرہ دیکھا تھا اور ان کے خیالات بھٹکتے رہے تھے۔ دشمن کو اتنا حسین نہیں ہونا چاہئے کہ دشمنی کا سارا مزہ ہی جاتا رہے۔ انہوں نے سوچا تھا بے اختیار ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ حُسن کی اس مورت کو تو زیادہ سے زیادہ ان کی قربت میں ہونا چاہئے، جعلسازی سے بہت کچھ کمایا تھا لیکن کبھی کسی کے حُسن کا شکار نہیں ہوئے

تھے۔ بہرحال سنبھل کر بولے۔ ''خواب واقعی اچھا نہیں ہے، حالانکہ خوابوں کو بُرا نہیں کہنا چاہئے، ایک زحمت کرنا ہوگی چھوٹی بیگم صاحبہ کو۔''

''جی جی فرمایئے۔''

''تین دن تک انہیں ہمارے پاس آنا ہوگا، جہاں ہم چلہ کشی کرتے ہیں وہاں یہ ہمارے سامنے بیٹھیں گی اور ہم ایک عمل کریں گے۔ کوئی ایک گھنٹہ انہیں ہمارے ساتھ گزارنا ہوگا ہم یہ کہنے کی جسارت تو نہیں کر سکتے کہ آپ بھی ان کے ساتھ آ جایا کریں لیکن جو ضرورت ہم محسوس کر رہے ہیں وہ یہی ہے کہ انہیں کم از کم تین دن اور ہو سکتا ہے کہ یہ عرصہ سات دن ہو جائے، انہیں ہمارے سامنے رہنا ہوگا۔ ہم ان پر پڑھ کر پھونکیں گے لیکن ایک بات کا خیال رکھئے کہ اس جگہ کسی اور ذی روح کو نہیں ہونا چاہئے ورنہ عمل کے بگڑ جانے کا خدشہ ہوگا۔''

''آپ آغاز کیجئے قبلہ، ہمارے لئے تو آپ ایک بزرگ ہیں ہمارے رہنما، ہمارے سرپرست اور ہمارے لئے پناہ کا حصار قائم کرنے والے، آپ جب حکم دیں راحیلہ آپ کی خدمت میں حاضری دے دیا کریں گی۔''

''کل مبارک دن، مبارک ساعت ہے، رات کو جب حویلی میں سناٹا ہو جائے، آپ انہیں ہمارے پاس آنے کی زحمت دیں، ہم عمل کا آغاز کر دیں گے۔''

راحیلہ خاں صاحب کے ساتھ واپس آ گئی۔ تمام باتیں اس نے سنی تھیں پھر وہ بولی

''عجیب نہیں لگے گا، میں نے تو اپنی زندگی میں یہ سب کچھ نہیں دیکھا۔''

''اصل میں احمد اللہ بیگ صاحب جس قدر معتبر انسان ہیں ہمارے لئے اور جس طرح ہم ان کی عنایتوں کے زیر بار رہے ہیں اس کے تحت میں ان کی بے پناہ عزت کرتا ہوں، تم بالکل بے فکر ہو کر وہاں جاؤ، بلکہ میں خود تمہیں چھوڑ دیا کروں گا اور جب تم وہاں سے فراغت حاصل کر لو گی تو میں تمہیں لے لیا کروں گا، حالانکہ اس کی ضرورت نہیں ہے، یہ صرف میں تمہاری وجہ سے کہہ رہا ہوں۔''

''آپ کو میری وجہ سے اپنی نیندیں خراب کرنا ہوں گی، چھوڑیئے اللہ مالک ہے، سب کچھ کرنے والا تو وہی ہے، بلاوجہ ہم لوگ وہم کیوں کریں۔''

''راحیلہ، جب ہم نے بیگ صاحب سے مدد لینے کا وعدہ کر لیا ہے تو ہمیں منحرف نہیں

ہونا چاہئے، ویسے بھی اللہ والوں سے کئے ہوئے وعدے کا پاس بہت ضروری ہے، ورنہ نقصانات بھی ہو سکتے ہیں۔''

راحیلہ خاموش ہو گئی، لیکن اس کا دل چاہ رہا تھا کہ قہقہے لگائے اب اتنی بھی دنیا سے ناواقف نہیں رہی تھی کہ نگاہوں کی چمک کو نہ پہچان سکے اور پھر یہ تو اس کا محبوب مشغلہ تھا اور کیا ہی کیا تھا اس نے زندگی میں احمد اللہ بیگ صاحب سے اس کی کوئی ٹسل نہ ہوتی اگر اسے یہ پتہ نہ چل جاتا کہ احمد اللہ بیگ صاحب دراصل جہاں آراء بیگم کی خواہش پر یہاں آئے ہیں اور اس کے خلاف کام کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے مقابلوں کی تو وہ منتظر رہا کرتی تھی۔

دوسرے دن خاں صاحب خود اسے احمد اللہ بیگ صاحب کے پاس چھوڑ کر آئے، بیگ صاحب کی نگاہیں جھکی ہوئی تھیں، مصلّٰی بچھائے بیٹھے ہوئے تھے، کچھ خاص چیزوں کا اضافہ کر دیا گیا تھا جو نئے عمل کے لئے ضروری تھیں۔ خاں صاحب سے بولے ''کسی انسان کے سانس کی خوشبو تک ہمارے پاس نہیں پہنچنی چاہئے، آپ براہ کرم اس کا انتظام فرما دیجئے گا۔''

''آپ بالکل بے فکر رہیں، دور دور تک کوئی نہیں آئے گا، میں بھی جا رہا ہوں۔ راحیلہ! جس وقت بیگ صاحب آپ کی واپسی کی اجازت دیں آپ آ جایئے گا۔''

''ٹھیک ہے۔'' راحیلہ نے کہا۔

شمشیر احمد خاں چلے گئے اور بیگ صاحب نے راحیلہ کو دوزانو بیٹھنے کے لئے کہا اور پھر خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گئے۔

''ہم عمل پڑھیں گے اور ہماری نگاہیں آپ کے چہرے پر ہوں گی، آپ چاہیں تو نگاہیں جھکا سکتی ہیں۔''

راحیلہ نے گردن ہلا دی اور بیگ صاحب حُسن بے مثال سے سیراب ہونے لگے۔ اب ان کی نگاہیں راحیلہ کا طواف کر رہی تھیں اور کوئی وظیفہ پڑھنے کے بجائے وہ دل ہی دل میں راحیلہ کی مدح سرائی کر رہے تھے کہ کیا حُسن پایا ہے، کتنی ہی بار انہوں نے سوچا کہ کاش عمر رفتہ واپس آ جائے اور اس گوہر نایاب کی قربت زندگی کو جلا بخش دے، نگاہیں سیراب ہو جاتیں تو آنکھیں جھکا لیتے۔ پھر کچھ اور سوچا، آبخورے میں پانی لیا اور راحیلہ سے بولے ''اپنے دونوں ہاتھ سامنے کر لیجئے۔''

راحیلہ نے ہاتھ سامنے کئے تو بیگ صاحب نے ان ہاتھوں پر پانی کا چھڑکاؤ کیا اور پھر انہیں اپنے کاندھے پر پڑے ہوئے رومال سے صاف کیا۔

وقت اس طرح گزر گیا کہ احساس بھی نہ ہوا، راحیلہ کہنے لگی ''میں جاؤں۔''

''ایں...... ہاں جائیے کل آنا نہ بھولئے۔''

راحیلہ چلی گئی، بیگ صاحب کی بدحواسیوں کو وہ اچھی طرح محسوس کرتی رہی تھی اور دل ہی دل میں مسکراتی رہی تھی۔ یہ جنگ دو دشمنوں کے درمیان تھی۔ بیگ صاحب تو کیا کرتے لیکن راحیلہ پہلے مرحلے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ دوسرے دن وہ بیگ صاحب کے سامنے پہنچی اور ان کی ہدایت پر دوزانو بیٹھ گئی لیکن آج اپنے نئے منصوبے کے تحت اس نے اپنی کیفیت میں کچھ غنودگی سی پیدا کرلی تھی اور بار بار اس کی آنکھیں جھک جایا کرتی تھیں۔ وہ بیگ صاحب کو مزید ترغیب دے رہی تھی، لیکن بیگ صاحب بس اس لکیر کے پیچھے تھے جو ان کے اور راحیلہ کے درمیان بنی ہوئی تھی زیادہ آگے بڑھنے کی جرأت وہ کبھی نہیں کر سکتے تھے۔ البتہ اس غنودگی کو دیکھ کر ان کے دل میں کئی بار سفلی خیالات پیدا ہوئے۔ وہ اپنے آپ کو سنبھالنے کی لاکھ کوششیں کرتے تھے لیکن دل وحشی بار بار مچل جاتا تھا، پھر انہوں نے خود ہی راحیلہ کو ہوشیار کیا اور بولے ''آپ شاید دن میں سونے کی عادی ہیں، آج جاگتی رہی ہیں کیونکہ اس وقت آپ پر غنودگی کا انتہائی غلبہ ہے۔''

''یہ بات نہیں ہے، نجانے کیوں آپ کے سامنے آکر مجھ پر غنودگی طاری ہوتی ہے اور ذہن خیالات سے خالی ہو جاتا ہے۔''

''ایں...... ایسا کیوں ہوتا ہے؟'' بیگ صاحب کے منہ سے آہستہ سے نکلا لیکن پھر انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

راحیلہ واپس چلی گئی تھی۔ بیگ صاحب سوچ میں ڈوبے رہے اور طرح طرح کے خیالات ان کے دل میں رقص کرتے رہے، کیا راحیلہ بھی ان سے متاثر ہوگئی ہے۔ ان کی علمیت اور روحانیت یا پھر ان کی شخصیت سے۔

راحیلہ تیسرے دن بھی آئی اور آنے کے بعد اس نے اسی طرح کا اظہار کیا۔ وہ کہنے لگی کہ جب بھی میرے قدم آپ کی جانب اٹھتے ہیں تو میں کھو جاتی ہوں۔

بہرحال تین دن گزر گئے، چوتھے دن اتفاق سے خاں صاحب کو کہیں جانا پڑ گیا۔ چار دن کے بعد واپس آئے تھے لیکن راحیلہ کی یہ کیفیت تھی کہ وہ ہر رات کو اُٹھ کر اس انداز میں چلتی ہوئی بیگ صاحب کے پاس پہنچ جاتی تھی جیسے نیند میں چل رہی ہو، پوری پلاننگ تھی اس کے ذہن میں اور وہ اپنے منصوبے میں کامیاب ہوتی جا رہی تھی۔ ادھر کئی بار جہاں آراء بیگم بھی بیگ صاحب سے ملاقات کر چکی تھی اس کو بھی یہ بات پتہ چل گئی تھی کہ راحیلہ رات کو بیگ صاحب کے پاس جاتی ہے اس نے اس سلسلے میں بیگ صاحب سے سوالات کئے تھے۔

''عجیب انسان ہو تم جہاں آراء بیگم میں تمہارے لئے ہر طرح کا خطرہ مول لئے ہوئے ہوں، عمل کر رہا ہوں اس پر تاکہ وہ خود تمہارا راستہ چھوڑ دے اور تم عجیب سے سوالات کر رہی ہو مجھ سے۔''

''میری کیا مجال حضور، میں تو بس اس تشویش کا شکار ہوں، آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس قدر زخم خوردہ ہوگئی ہوں ہر وقت دل جیسے کوئی مٹھی میں لے کر مسلتا رہتا ہو۔''

خاں صاحب واپس آ گئے، بہت سی محبت بھری باتیں راحیلہ سے کیں کہنے لگے۔

''حقیقت یہ ہے راحیلہ کہ میں زندگی میں پہلی بار کسی سے اتنا متاثر ہوا ہوں، تمہارے بغیر ایک لمحے کے لئے جی نہیں لگتا اور اب میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تمہارے بغیر گھر سے باہر نکلوں گا ہی نہیں۔''

راحیلہ ہنس دی تھی۔ رات کے کوئی سوا بارہ بجے تھے، خاں صاحب تمام امور سے فراغت حاصل کر کے بیڈ روم میں جا چکے تھے، راحیلہ بھی سونے کے لئے لیٹ گئی۔ سوا بارہ یا بارہ بچیس پر راحیلہ اپنی جگہ سے اٹھی اور ایک مخصوص انداز میں چلتی ہوئی دروازے تک پہنچی۔ خاں صاحب چونک کر اسے دیکھنے لگے تھے راحیلہ کے چلنے کے انداز پر انہیں کچھ شبہ سا ہوا تھا۔ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے، انہیں یاد بھی نہیں رہا تھا کہ راحیلہ بیگ صاحب کے پاس جاتی رہی ہے۔ راحیلہ جس انداز میں چل رہی تھی اس سے یہی احساس ہوتا تھا کہ وہ سوتے میں چل رہی ہے اور پھر جب وہ عقبی باغ کے حصے میں داخل ہوئی تو خاں صاحب کو ایک دم یاد آ گیا وہ حیران رہ گئے۔ راحیلہ کے چلنے کے انداز پر انہیں شدید حیرت ہو رہی تھی۔ یہ ''سب کیا ہے؟'' وہ سوچ رہے تھے۔ ان کے ذہن میں شدید تجسس جاگ اٹھا تھا۔ وہ احتیاط سے راحیلہ کا پیچھا کرتے

ہوئے اس باڑھ کے عقب میں پہنچ گئے جس کے دوسری طرف بیگ صاحب ڈیرہ جمائے ہوئے تھے۔ اس بات سے بے خبر کہ وہ جس کا پیچھا کر رہے ہیں وہ ان کے قدموں کی ایک ایک جنبش سے باخبر ہے۔ ایک انتہائی چالاک عورت جس کی پلاننگ باقی سب لوگوں سے زیادہ کامیاب تھی۔ اس نے بھرپور منصوبہ بندی کی تھی۔ کئی دن سے یہ انداز اختیار کر کے اس نے بیگ صاحب کے گرد جال تیار کیا تھا اور اب اس ڈرامے کا کلائمیکس تھا۔ وہ جان بوجھ کر اس طرح آہٹیں پیدا کر کے اپنی جگہ سے اٹھی تھی کہ خاں صاحب اگر سو بھی رہے ہوں تو جاگ جائیں۔ وہ خاں صاحب کو یہ سارا ڈرامہ دکھانا چاہتی تھی۔ بہرحال وہ ایسی چال چلتی ہوئی باغ کے اس گوشے میں پہنچ گئی جہاں بیگ صاحب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ قریب پہنچ کر بیگ صاحب کے سامنے دوزانو بیٹھ گئی۔ اصل میں جب کسی کا بُرا وقت آتا ہے تو حالات اس کے لئے بھرپور جال بن دیتے ہیں۔ بیگ صاحب بھی آج کچھ زیادہ ہی بے اختیار ہو گئے تھے، بڑے رومانی لہجے میں بولے۔ ''آہ میں کیا کروں تیرے لئے راحیلہ، اگر تو اتنے بڑے آدمی کی بیوی نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں تجھے یہاں سے لے کر فرار ہو جاتا۔ تو نے اس عمر میں میرے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا ہے، میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ میں تیرے بغیر رہ ہی نہیں سکتا، وہ کون سی ترکیب ہو جو میں تجھے یہاں سے لے کر نکل جاؤں۔''

راحیلہ خاموش بیٹھی ہوئی تھی، اس کی گردن جھکی ہوئی تھی اور سر سینے پر ٹکا ہوا تھا، اس نے گردن اٹھائی اور بولی: ''میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟''

خاں صاحب کی آنکھیں شدت حیرت سے پھیل گئی تھیں۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راحیلہ اور احمد اللہ بیگ صاحب کو دیکھ رہے تھے، احمد اللہ بیگ نے کہا ''ابھی میں تیرا آقا کہاں ہوں، میرا دماغ تو دن رات اس ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے تجھے کیسے حاصل کروں، حالانکہ آیا تھا میں جہاں آراء بیگم کی فرمائش اور اس کے طلب کرنے پر، وہ تجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اسی کے لئے اس نے اپنے بھائی حیدر خان کے ذریعے مجھے یہاں طلب کیا ہے، آرزو تو اس کی بھی پوری ہو جاتی ہے، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ اس کے بھائی سے مشورہ کروں اور تجھے چپکے سے لے کر یہاں سے نکل جاؤں، اس طرح جہاں آراء بیگم کی خواہش بھی پوری ہو جائے گی اور میں تیرا مالک بھی بن جاؤں گا، وہی لوگ مجھے نکالنے اور چھپانے کا بندوبست بھی کریں گے، واہ ری

تقدیر بڑھاپے میں وہ کارروائی کرنے کو ملی جو جوانی کا کھیل ہوتی ہے۔''

''میرے لئے کیا حکم ہے میرے آقا؟''

راحیلہ نے بدستور اسی مشینی انداز میں کہا۔

''کوئی حکم نہیں ہے، بیٹھ میرے سامنے کہ میں چاند کی اس روشنی میں تیرے حسین سراپے کو اپنی آنکھوں کے راستے دل میں اُتار لوں۔'' بیگ صاحب باقاعدہ رومانی ڈائیلاگ بول رہے تھے۔ غالباً انہوں نے بڑی محنت سے جوانی کی کتاب کے اوراق میں یہ الفاظ اور ان کی ادائیگی کا طریقہ تلاش کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ ماضی میں انہوں نے کبھی کسی کے سامنے یہ مکالمے بولے ہوں۔

شمشیر احمد خاں پر قیامتیں ٹوٹتی رہیں، کبھی کبھی ان کے پورے بدن میں آگ سی لگ جاتی اور ان کا دل چاہتا کہ وہ یہاں سے باہر نکلیں اور بیگ صاحب کی گردن دبا دیں لیکن اس وقت کے اس ڈرامے کا ڈراپ سین دیکھنا چاہتے تھے اور اس کا وائنڈ اپ کوئی خاص نہیں تھا تھوڑی دیر کے بعد اچانک ہی جیسے راحیلہ کے بدن کو جھٹکا سا لگا اور وہ ایک دم حیران پریشان ہو گئی۔

''بب...... بیگ، بیگ صاحب، بیگ صاحب مم...... میں......''

''ہاں ہاں راحیلہ سب ٹھیک ہے، اب تمہارے جانے کا وقت ہو گیا ہے، جاؤ احتیاط سے سنو اور تھوڑا وقت گریز کرنا کیونکہ خاں صاحب واپس آ چکے ہیں، ان کی موجودگی میں تمہارا اس طرح آنا مناسب نہیں ہے۔''

''مم...... مگر میں یہاں پہنچتی کیسے ہوں۔ مجھے تو کچھ اندازہ نہیں ہوتا کہ میں کب اپنے کمرے سے نکل کر یہاں تک آئی۔''

''یہ میری محبت کے تار ہیں جو تمہارے سراپے سے لپٹ کر تمہیں یہاں تک لے آتے ہیں۔'' بیگ صاحب نے پھر بھی رومانی ڈائیلاگ بولنے کی کوشش کی اس بات سے بے خبر کہ ان کا یہ بوڑھا رومان ان کے لئے عذاب جاں بننے والا ہے۔

راحیلہ واپس پلٹی تو اب اس کے قدموں میں ذرا بھی لڑکھڑاہٹ نہیں تھی، خاں صاحب ایک دم چونکے اور پھر انہوں نے پھرتی سے دوڑ لگا دی۔ وہ ایسے راستے سے اندر کی جانب

بھاگے تھے جس کے ذریعے وہ راحیلہ سے پہلے بیڈ روم میں پہنچ گئے۔ اپنے بستر پر لیٹ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں، سانس تیز رفتاری سے چل رہا تھا۔ ان کے اندازے کے مطابق راحیلہ جس وقت اپنے بیڈ روم میں واپس پہنچی ان کا سانس درست ہو چکا تھا۔ چنانچہ انہوں نے پلٹ کر آنکھیں کھول دیں۔ راحیلہ نے اندر داخل ہوتے ہوئے ان پر نگاہ ڈالی تو خاں صاحب مسکرا دیئے اور پھر اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''خیریت راحیلہ! کہاں سے آ رہی ہو؟''

''بیگ صاحب کے پاس گئی تھی۔'' راحیلہ نے جواب دیا۔

''مگر کیوں راحیلہ! ان کے پاس کیوں گئی تھیں۔''

راحیلہ نے چہرے پر حیرت کے نقوش پیدا کئے پھر بولی ''آپ کی ہدایت کے مطابق میں ان کے پاس جاتی ہوں۔''

''لیکن راحیلہ انہوں نے تو صرف تین دن کے لئے کہا تھا اور اب بہت سے دن ہو گئے۔''

راحیلہ جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئی پھر اس نے کہا ''ہاں...... ہو تو بہت دن گئے، مم...... مگر میں اب کیوں وہاں جاتی ہوں؟'' اس کے چہرے پر سوچ کے گہرے آثار نمودار ہو گئے۔

خاں صاحب اس کا چہرہ دیکھتے رہے، یہ اداکاری بے مثال تھی اور اس بے مثال اداکاری سے راحیلہ اپنے بہت سے کھیل کھیل چکی تھی۔ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں کہا ''نجانے کیا ہوتا ہے تین دن تک میں آپ کی ہدایت کے مطابق وہاں گئی، چوتھے دن کیونکہ جانا ضروری نہیں تھا اس لئے میں بستر پر لیٹ گئی۔ پھر مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرا پاؤں پکڑ کر جھنجھوڑا ہو۔ آپ موجود نہیں تھے، میں جاگی تو میری آنکھوں کے سامنے ایک نیلی دھند پھیل گئی اور پھر مجھے کچھ یاد نہیں رہا۔ ہاں جب مجھے اچانک ہوش آیا تو میں بیگ صاحب کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی اور وہ مجھے دیکھ رہے تھے مسکرا رہے تھے، میں نے اس دن حیرت کا اظہار کیا اور کہا کہ بیگ صاحب آج تو میرا یہاں آنا ضوری نہیں تھا پھر میں یہاں کیسے آ گئی تو وہ عجیب سے لہجے میں بولے کہ میرے جذبے تمہیں یہاں تک کھینچ لائے ہیں۔ میں تمہیں دیکھتے رہنا چاہتا ہوں اور اس کے بعد سے مجھے کچھ یاد نہیں، واپسی میں ہوش میں ضرور ہوتی ہوں لیکن کس طرح ان کے قریب پہنچتی

ہوں اس کا مجھے اندازہ نہیں ہے۔''

خاں صاحب تھوڑی دیر تک سوچتے رہے، پھر مسکرا کر بولے۔ ''چلو سو جاؤ، سب ٹھیک ہو جائے گا سو جاؤ۔''

راحیلہ آہستہ قدموں سے چل کر اپنے بستر پر پہنچی اور پھر تھوڑی دیر کے بعد سچ مچ گہری نیند سو گئی۔ خاں صاحب اپنی جگہ سے اٹھے اس کے قریب پہنچے اسے دیکھتے رہے، پھر ان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

ہنوں، بیگ صاحب بڑے انکشافات کئے ہیں آپ نے مجھ پر، جہاں آراء بیگم کی خواہش پر آپ یہاں آئے ہیں۔ حیدر خان آپ کو لے کر آیا ہے، واہ گویا میری ناک کے نیچے سازشیں ہو رہی ہیں اور مجھے علم نہیں ہے، جہاں آراء بیگم بولو، کیا سلوک کرنا ہے مجھے تمہارے ساتھ، وہی جو میں نے خورشید بیگم سے کیا تھا یا پھر اس سے کچھ مختلف، دیکھوں گا سوچوں گا تمہارے بارے میں، پہلے ذرا بیگ صاحب کا عشق ہوا کر دوں۔ خاں صاحب بستر پر لیٹ کر بہت دیر تک سوچوں میں ڈوبے رہے تھے۔

❁......❁......❁

احمد اللہ بیگ بڑی بے چینی محسوس کر رہے تھے۔ آج صبح ہی سے طبیعت پر کچھ اُداسی سی طاری تھی، دوپہر کے کھانے کا ارادہ ملتوی کر دیا، شام کو طبیعت کچھ بہتر ہو گئی تھی بہر طور ان دنوں عجیب سی کیفیت کا شکار ہو گئے تھے، نجانے کیوں انہیں محسوس ہوا تھا کہ خود راحیلہ دل و جان سے ان کی طرف مائل ہے۔ اب انہوں نے تو کچھ نہیں کیا تھا جو کچھ ہوا تھا خود بخود ہی ہوا تھا۔ پتہ نہیں کیا قصہ تھا، راحیلہ کی کیفیت سے یوں لگتا تھا جیسے اس پر ان کے سامنے آ کر کوئی تنویمی عمل طاری ہو جاتا ہے حالانکہ بیگ صاحب کا اس سے دور کا واسطہ بھی نہیں تھا۔ بہرحال وہ راحیلہ کی آمد کے عادی ہو گئے تھے اور صحیح معنوں میں ہوش و حواس سے بیگانہ۔ وہ بھول گئے تھے کہ راحیلہ کوئی نوخیز کنواری لڑکی نہیں ہے بلکہ شمشیر احمد خاں جیسے شخص کی عزت و آبرو ہے۔ اس کی طرف ٹیڑھی نگاہ سے دیکھنا بھی بینائی کھونے کے مترادف ہے لیکن اب یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ عشق و محبت

کے معاملات کا عمر سے کوئی تعلق نہیں ہے اور انسان ہر عمر میں ہوش وحواس سے بیگانہ ہوسکتا ہے۔ بہر حال اس وقت بھی وہ شدت کے ساتھ راحیلہ کا انتظار کر رہے تھے۔

ان کی نگاہیں بار بار اس راستے کی جانب اُٹھ جاتیں جہاں سے راحیلہ انہیں آتی ہوئی نظر آتی تھی اور پھر انہیں کچھ آہٹیں محسوس ہوئیں۔ سامنے تو کچھ بھی نہیں تھا لیکن آہٹیں ضرور سنی تھیں انہوں نے اور پھر باڑھ کے عقب سے شمشیر احمد خاں نمودار ہوئے اور نجانے کیوں احمد اللہ بیگ کی چھٹی حس نے انہیں کسی خطرے کی دستک دینا شروع کر دی۔ شمشیر احمد خاں صاحب احمد اللہ بیگ صاحب کے سامنے آ کر بیٹھ گئے۔ ان کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ پھیلی ہوئی تھی، ایک سفاک مسکراہٹ لیکن جب وہ بولے تو لہجہ انتہائی نرم تھا اور انہیں بہت ہی قریب سے جاننے والے یہ بات جانتے تھے کہ جب اس لہجے میں وہ کسی سے مخاطب ہوتے ہیں تو سامنے والے کے لئے اس سے بُرا وقت اور کوئی نہیں ہوتا۔

''میں نے آپ کی چلہ کشی میں مداخلت کی ہے بیگ صاحب۔ اس کے لئے معافی چاہتا ہوں۔ ظاہر ہے آپ کا عمل متاثر ہوا ہوگا؟''

''کچھ زیادہ نہیں لیکن آپ کی آمد ہمارے لئے اس وقت حیران کن ہے۔''

''ہونی بھی چاہیے، انتظار آپ راحیلہ کا کر رہے ہوں گے؟'' خاں صاحب نے کہا اور بیگ صاحب انہیں دیکھنے لگے۔

''ایک سوال کرنا چاہتا ہوں آپ سے بیگ صاحب، وہ یہ کہ آپ نے راحیلہ کے اس خواب کے اثرات زائل کرنے کے لئے تین دن کے عمل کا اظہار کیا تھا، یہ دورانیہ بڑھ کیسے گیا؟''

''ہم سمجھے نہیں۔''

''میرا مطلب ہے کل رات تک راحیلہ آپ کے سامنے تھی۔''

''وہ...... ہاں ہمارا خیال تھا کہ محترمہ راحیلہ کے ذہن سے وہ اثرات تین دن میں زائل ہو جائیں گے لیکن عمل کرنے سے پتہ یہ چلا کہ دشمنوں نے سفلی کا سہارا لیا ہوا ہے اور سفلی اثرات کو زائل کرنے میں وقت لگ جاتا ہے۔''

''اچھا اچھا یہ بات تھی لیکن کیا آپ اس کے لئے راحیلہ کو ہپناٹائز کرتے تھے۔''

''نن...... نہیں یہ بات آپ سے کس نے کہی؟''

''کہی نہیں اصل میں، میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے۔'' خاں صاحب نے جواب دیا۔

''آنکھوں سے دیکھی تھی۔'' بیگ صاحب کی چھٹی حس اب انہیں کسی خطرے کا احساس دلانے لگی تھی۔ دن بھر کی کیفیت انہیں یاد آئی جب کوئی حادثہ ہونا ہوتا ہے تو آثار بہت پہلے سے اس کی نشاندہی کرنے لگتے ہیں۔

بیگ صاحب نے متعجب نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھا پھر بولے ''میں خود نہیں سمجھ پا رہا کہ میرے سامنے آ کر محترمہ پر ایک غنودگی سی کیوں طاری ہو جاتی تھی مگر میں نے زیادہ غور نہیں کیا کیونکہ ان کی کیفیات بدلتی رہتی تھیں۔''

''چلیں اب یہ چوہے بلی کا کھیل ختم کرتے ہیں، بیگ صاحب ساری تفصیل میرے علم میں آ چکی ہے اور وہ بھی کسی اور کی نہیں آپ کی زبانی۔ میں نے آپ کے منہ سے جو الفاظ سنے ہیں انہیں دہراتا ہوں۔ آپ فرما رہے تھے کہ آہ میں کیا کروں تیرے لئے راحیلہ، اگر تو اتنے بڑے آدمی کی بیوی نہ ہوتی تو خدا کی قسم میں تجھے یہاں سے لے کر فرار ہو جاتا۔ تو نے اس عمر میں میرے دل و دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ میں اب یہ محسوس کرتا ہوں کہ اب تیرے بغیر رہ نہیں سکتا۔ اس کے علاوہ آپ نے فرمایا بیگ صاحب کہ میرا دماغ تو دن رات اسی ادھیڑ بن میں لگا رہتا ہے تجھے کیسے حاصل کروں حالانکہ آیا تھا میں جہاں آراء بیگم کی فرمائش اور اس کے طلب کرنے پر وہ تجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور اس کے لئے اس نے اپنے بھائی حیدر خان کے ذریعے مجھے یہاں طلب کیا ہے، میں سوچ رہا ہوں کہ اس کے بھائی سے مشورہ کروں اور تجھے چپکے سے لے کر یہاں سے نکل جاؤں۔ بیگ صاحب یہ آپ ہی کے الفاظ ہیں جو میں نے آپ کی زبان سے اس باڑھ کے پیچھے بیٹھ کر سنے ہیں اور میں نے راحیلہ کی کیفیت بھی اچھی طرح نوٹ کی ہے۔ آپ صاحب علم ہیں، بڑی دانائی کے مالک ہیں، آپ سب کچھ کر سکتے ہیں کوشش کریں کہ مجھے بھی اپنے ٹرانس مین لے لیں کیونکہ یہ آپ کی زندگی کے آخری لمحات ہیں، جان بچانے کی کوشش کر سکتے ہیں آپ۔''

''ہوں۔'' احمد اللہ صاحب کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی، پھر انہوں نے کہا۔

"شمشیر احمد خان، مان گئے بھئی۔ اب تک تو صرف کتابی علم تھا ہمیں اور اس میں یہ حکایت بھی شامل تھی کہ ایک حسین عورت نے سکندر اعظم کے استاد ارسطو کو گھوڑا بنا دیا تھا اور ارسطو نے تسلیم کیا تھا کہ ایک عورت کا حُسن مجھ جیسے بوڑھے شخص کو گھوڑا بنا سکتا ہے تُو تو نوجوان ہے، ایک حسین عورت جسے گدھا بنانے میں ذرا بھی دقت محسوس نہیں کرے گی۔ تو شمشیر احمد خاں میرے ساتھ تو اب جو کچھ ہونا ہے وہ ہوگا ہی لیکن تریا چلتر کو مان گیا میں، یہ مت سمجھنا کہ وہ میرے ٹرانس میں تھی، میں تو ہپناٹزم جانتا ہی نہیں لیکن یقینی طور پر یہ راحیلہ کی منصوبہ بندی تھی۔ تُو نے سونے کی زنجیر جیسی باریک سنہری ناگنوں کو نہیں دیکھا ہوگا جدھر سے گزر جاتی ہیں فضا مسموم ہو جاتی ہے، ایسی کہ اگر کوئی سانس بھی لے تو زندہ نہ رہ سکے۔"

"آپ کو نہیں کہنا چاہیے بیگ صاحب، بہرحال بڑی عزت بڑا احترام کرتا ہوں میں آپ کا، چلو بھئی آ جاؤ، ہمارے تمام ڈائیلاگ ختم ہوگئے، اب اس ڈرامے کا ڈراپ سین ہے، یہ ہمارے بیگ صاحب ہیں۔" شمشیر احمد خاں نے ہاتھ اٹھا کر کہا اور چار ہٹے کٹے آدمی جو شمشیر احمد خاں ہی کے ہرکارے تھے۔ شمشیر احمد خاں کے پاس پہنچ گئے۔ انہوں نے گردنیں جھکا دیں۔

"تو میں تمہیں بتا رہا تھا کہ یہ انتہائی محترم اور بزرگ ہستی ہے ان کی، اپنے حلقے میں کسی بزرگ کی طرح پوجے جاتے ہیں، اس لئے ان کی عزت ان کے احترام میں کمی نہ ہو، تم انہیں یہیں باندھ لو، منہ میں کپڑا ٹھونس دو تاکہ چیخ چلا نہ سکیں، حالانکہ مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے لیکن پھر بھی، تم ایسا کرو کہ انہیں باندھ کر لے جاؤ اور کسی مناسب جگہ ان کی تدفین کر دو، یہ زندہ رہیں یا مر جائیں، مقصد انہیں قبر میں اتارنا ہے۔ دیکھ لینا گردن دبا کر مار دینا اور پھر انہیں قبر میں دفن کر دینا لیکن ایسی جگہ جو سڑک سے زیادہ فاصلے پر نہ ہو، ان کی تدفین کرنے کے بعد وہاں باقاعدہ تھوڑی سی دیوار وغیرہ اٹھا دینا اور اس پر جھنڈا لگا دینا تاکہ لوگوں کو علم ہو جائے کہ کسی بزرگ کا مزار اچانک نمودار ہوا ہے، میں یہ چاہتا ہوں کہ جب لوگ ادھر سے گزریں تو عقیدت سے میرے پیر کے مزار کی طرف دیکھیں اور پھر فاتحہ خوانی کر دیں، اب کم از کم میرا ان پر اتنا حق تو بنتا ہی ہے، چلو لے جاؤ۔"

وہ چاروں آگے بڑھے، احمد اللہ بیگ صاحب خود اٹھ کھڑے ہوئے تھے، جانتے تھے کہ زندگی کی انتہا یہی تھی۔

❁......❁......❁

بہت کم ایسے مواقع آئے تھے جب شمشیر احمد خاں نے خود حیدر خاں کو بلایا ہو۔ حیدر خاں بہن سے ملنے جایا کرتا تھا، تبھی خاں صاحب سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی لیکن اس بار خاں صاحب نے اسے خاص طور سے بلایا تھا اور حیدر خان کے پورے بدن میں کپکپی دوڑ گئی تھی کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ان دنوں احمد اللہ بیگ صاحب وہاں مصروف ہیں۔ دونوں صورتیں ہو سکتی تھیں کوئی خوشخبری منتظر تھی یا پھر کوئی خطرناک بات ہے۔ وہ حویلی پہنچ گیا۔ شمشیر احمد خاں موجود نہیں تھے۔ بھاگم بھاگ جہاں آراء بیگم کے پاس پہنچا اور جہاں آراء بیگم اسے دیکھ کر خود حیران رہ گئیں۔

"بغیر کسی اطلاع کے آئے آپ حیدر بھائی؟"

"خاں صاحب نے بلایا ہے، خیریت تو ہے؟"

"میرے علم میں نہیں، ہو سکتا ہے کوئی کام پڑ گیا ہو۔"

"ہوا نہیں ہے ایسا آج تک، بیگ صاحب کیا کر رہے ہیں؟"

"چلہ کشی کر رہے ہیں مگر تین دن سے غائب ہیں، بتائے بغیر واپس تو نہیں جا سکتے، میں کتنی ہی بار تلاش کرا چکی ہوں مل ہی نہیں رہے۔"

"خدا خیر کرے۔" ابھی یہ الفاظ منہ سے ادا ہوئے ہی تھے کہ خاں صاحب مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوگئے۔

"خدا خیر ہی کرتا ہے حیدر خان، کہو، کیسے مزاج ہیں۔" حیدر خان نیاز مندی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کی دعاؤں کے سائے میں جی رہا ہوں۔"

"اماں کیا بات کرتے ہو، ہم نے کبھی اپنے آپ کو دعا نہیں دی تو تمہیں ہماری دعاؤں کا

سایہ کہاں سے مل گیا؟'' خاں صاحب مسکرا کر ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے۔

''بعض درخت اس قدر تناور اور سایہ دار ہوتے ہیں کہ ان کے سائے سے ہر شخص فیض یاب ہوتا ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے، لیکن بعض بدنصیب ایسے ہوتے ہیں کہ انہی سایہ دار درختوں کو کاٹنا شروع کر دیتے ہیں، اصل میں کاٹنا ان کی فطرت میں شامل ہوتا ہے اسے کیا کیا جائے۔''

''ج...... جی ہاں، درست فرمایا آپ نے ایسا ہوتا ہے۔''

''ہوتا ہے نا۔'' خاں صاحب نے کہا اور ہنس پڑے۔ پھر جہاں آراء بیگم کی طرف دیکھ کر بولے۔'' کیوں جہاں آراء بیگم ہے نا یہی بات؟''

جہاں آراء بیگم پھیکے انداز میں مسکرا دی تھیں۔

''ویسے بھائی، بے چارے احمد اللہ بیگ مرتے مرتے ایک بات کہہ گئے تھے، وہ یہ کہ تریا چلتر نے ارسطو جیسے ذہین انسان کو گھوڑا بنا دیا تھا، کتنا پیار کتنی محبت دی ہم نے آپ کو جہاں آراء بیگم، کبھی کوئی تکلیف نہ ہونے دی، آپ نے خورشید بیگم کے بارے میں کسی خواہش کا اظہار کیا، اصل میں ہم جس سے پیار کرتے ہیں اس کی بات مانتے ضرور ہیں لیکن اپنے فہم و ادراک کو چھوڑتے نہیں ہیں۔ آپ دیکھ لیجئے ہم نے خورشید بیگم کو کس طرح راستے سے ہٹا دیا حالانکہ وہ ہمارے بچوں کی ماں ہیں اور بہرحال بچوں سے کسے پیار نہیں ہوتا لیکن آپ کی بات مان لی ہم نے، راحیلہ ایک ایسی شخصیت ہے جس سے کبھی شاید کسی کو کوئی نقصان پہنچا ہو، آپ یقین کریں اس نے کبھی آپ کو یہاں سے نکالنے کی بات نہیں کی، نہ ہی اس نے کبھی آپ کو چھوڑنے کا مطالبہ کیا لیکن آپ سازشوں پر اتر آئیں، جہاں آراء بیگم آپ کو اور آپ کے اس بھائی کو بھی یہ بات معلوم ہے کہ سازشیں ہمارے ہاں اولاد کی طرح پیدا ہوتی ہیں، بھلا ہم سے بڑا سازشی اس ملک میں اور کون ہے، لوگ ہمارے پاس آتے ہیں، اپنی مشکلوں کا حل معلوم کرنے، یہ پوچھنے کہ سیاست میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لئے کیا کرنا ہوتا ہے اور ہم نے اگر کسی کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا تو سمجھ لیں اس کی نیا پار ہوگئی۔ جہاں آراء بیگم، اب ہمارے ہی خلاف سازشیں ہونے لگیں تو آپ بتایئے کہ سازشیں کرنے والوں کو ہم کیا کہیں۔''

جہاں آراء بیگم اور حیدر خان کے اوسان خطا ہوگئے تھے، خاں صاحب کی یہ معنی خیز گفتگو

یقیناً کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ تھی۔ دونوں اندر ہی اندر کپکپا کر رہ گئے۔

''ارے ہاں، تم لوگ احمد اللہ بیگ کے بارے میں پریشان ہو رہے تھے۔ یار کمال کی بات ہے، ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اعمال اچھے نہیں ہیں لیکن ہماری تقدیر کا کوئی جواب نہیں ہے۔ سارے راستے خود ہموار کر دیتی ہے ہم کوشش بھی نہیں کرتے...... ہمیں پتہ چل گیا کہ احمد اللہ بیگ تمہارے ایماء پر یہاں آئے جہاں آراء بیگم کا راستہ صاف کرنے، لیکن...... خود بے چاروں کا پتہ صاف ہوگیا۔ اب رہ گئے تم دونوں۔ چلو وقت ضائع کرنے کے بجائے وقت کی قدر کرتے ہیں، کیا سلوک کیا جائے تمہارے ساتھ اس سازش کے نتیجے میں۔''

حیدر خان کے تو پیروں کی جان نکل گئی۔ لڑکھڑایا اور زمین پر بیٹھ گیا۔ خاں صاحب نے کہا۔

''حیدر خان، ہم نے تمہاری بہن کی پوری پوری قیمت دے دی ہے تم جو کلرکی کے قابل بھی نہیں تھے آج کیا ہو، خود جانتے ہو۔ اپنی اسی نوکری سے تم نے کوئی دس کروڑ کی جائیدادیں بنالی ہیں، بینک بیلنس اس کے علاوہ ہیں۔ مگر تم نے ہمارے ساتھ وفاداری نہیں کی۔''

حیدر خان پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ جہاں آراء بیگم کے بدن کا لہو بھی خشک ہوگیا تھا۔

''دل تو چاہتا ہے تمہاری ننھی ننھی قبریں بنا دی جائیں لیکن جاؤ...... معاف کرتے ہیں تمہیں، اپنی خوبصورت کوٹھیوں میں سے ایک کوٹھی جہاں آراء بیگم کو دے دو، ان کے لئے کچھ ماہانہ مقرر کر دو تاکہ ان کے اخراجات پورے ہو جائیں اور ان کی مکمل دیکھ بھال کرو تم جانتے ہو حیدر خان کہ ہمارے پاس سب کچھ ہے ہم انہیں زمینیں جائیدادیں بخش سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنی مشکل ہم سے نہیں بیان کی بلکہ ہمارے خلاف سازش کی۔ بہت خدمت کی ہے انہوں نے ہماری، جس کے صلے میں ہم انہیں ان کی اور ان کے بھائی کی زندگی دے رہے ہیں۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر جہاں آراء بیگم آپ یہاں سے چلی جائیں ورنہ اس کے بعد آپ کو سزائے موت دے دی جائے گی۔ یہ چوبیس گھنٹے بھی ہم آپ کو اس لئے دے رہے ہیں کہ ہم راحیلہ کو لے کر فارم ہاؤس جا رہے ہیں کچھ کام ہے ہمیں وہاں، واپسی میں آپ ہمیں یہاں نہ ملیں خدا حافظ۔''

جہاں آراء بیگم کی جان سمٹ کر آنکھوں میں آ گئی تھی، زبان کچھ کہنے کے لئے بے چین

تھی لیکن خاں صاحب کو جانتی تھیں وقت ہاتھ سے نکل گیا، اب کچھ نہیں رکھا تھا۔

❁......❁......❁

خاں صاحب راحیلہ کو لے کر فارم ہاؤس پہنچ گئے۔ حسین ترین جگہ تھی۔ راحیلہ یہاں آ کر بہت خوش ہوتی تھی۔ اس نے اپنی پسند کی کچھ تبدیلیاں بھی کرائی تھیں۔ یہاں پہنچنے کے بعد خاں صاحب نے کہا ''حقیقتاً یہ جگہ ہمارے لئے بڑی سکون بخش ہوتی ہے اور راحیلہ تمہاری قربت نے اسے اور حسین بنا دیا ہے ہم نے خوابوں میں اپنے آپ کو اور تمہیں کتنی بار یہاں دیکھا تھا، ہمارے اندر خوابوں کو حقیقت بنانے کی صلاحیت موجود ہے۔''

راحیلہ مسکرا دی۔ بہر حال خاں صاحب سے شادی کر کے اس کی انا کو جو تسکین مل رہی تھی اس نے اسے پرسکون کر رکھا تھا۔ خاں صاحب تو خیر اس کے منظور نظر کیا ہی ہوتے لیکن خاں صاحب کی دولت پہ عیش و عشرت بہر حال اس کی زندگی میں نئی چیزیں تھیں۔ کیونکہ خود اس کا تعلق کسی ایسے گھرانے سے نہیں تھا ہاں اس بات پر وہ بہت خوش تھی کہ اس کی وجہ سے اس کے چھوٹے سے خاندان والے بڑی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔

فارم ہاؤس پر کافی گھنٹے گزارے گئے، خاں صاحب راحیلہ سے ہر موضوع پر گفتگو کیا کرتے تھے۔ رات کو انہوں نے کہا ''راحیلہ، جہاں آراء بیگم کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

راحیلہ نے چونک کر خاں صاحب کو دیکھا۔ چہرے کے جذبات اور چہرے کے تاثرات چھپانے میں وہ ماہر تھی، اس نے کہا ''میں نے کبھی اس بات پر غور نہیں کیا؟''

''راحیلہ! آپ نے ہمیشہ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا ہے لیکن آپ اس بات سے انکار نہیں کر سکتیں کہ عورت بہر حال عورت ہی ہوتی ہے اور ہمارا تجربہ ہے کہ عورت شوہر کی ہر بات برداشت کر لیتی ہے لیکن کسی سوکن کو برداشت کرنا اس کے لئے دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔''

راحیلہ کے چہرے پر ایک سنجیدگی طاری ہوگئی، خاں صاحب بغور اس کا چہرہ دیکھ رہے

تھے کچھ لمحے خاموش رہنے کے بعد راحیلہ نے کہا۔

''جو کچھ میں کہوں گی آپ اسے سچ تسلیم کر لیں گے خاں صاحب؟''

''اتنے خوبصورت ہونٹوں سے جھوٹ نہیں نکل سکتا ہمیں اس بات کا یقین ہے۔''

''شکریہ، آپ نے مجھ سے میرے بارے میں پوچھا ہے، بات اصل میں یہ ہے کہ اعتماد زندگی کے راستے کشادہ کرتا ہے اور بے اعتمادی زندگی کو تلخ سے تلخ تر بنا دیتی ہے میرے اور آپ کے درمیان ابھی تک بے اعتمادی نہیں پیدا ہوئی، آپ نے ہمیشہ مجھ سے سچ بولا اور میں نے آپ سے۔ ضرورت ہی نہیں پیش آئی کہ کوئی بات آپ سے چھپائی جائے یا کوئی ایسی بات سوچی جائے جس میں آپ کی پسند کے خلاف کوئی بات ہو۔ خاں صاحب جہاں آراء بیگم پر میں نے اس لئے غور نہیں کیا کہ جب آپ نے مجھے اپنے قدموں میں عزت عطا کی تو میں نے پورے اعتماد اور خلوص کے ساتھ آپ کو اپنی زندگی کا مالک سمجھا۔ جب مجھے آپ پر اعتماد ہے تو پھر قرب و جوار کی باتوں کے بارے میں سوچنا کیا معنی رکھتا ہے میں آپ پر مکمل بھروسہ کرتی ہوں۔''

خاں صاحب اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے رہے، پھر انہوں نے کہا۔ ''تمہاری بات کو میں نے سچ تسلیم کر لیا ہے ہم بھی اپنے تجربے کی بناء پر یہ بات کہتے ہیں کہ تم ایک مخلص اور سچی لڑکی ہو، بہر حال جہاں آراء بیگم کو ہم نے تمہارے راستے سے ہٹا دیا ہے اب جب ہم واپس جائیں گے تو وہ حویلی میں موجود نہیں ہوں گی۔''

راحیلہ نے اب بھی اپنے تاثرات کا اظہار نہیں کیا اور مدھم لہجے میں بولی۔ ''میں آپ سے اس بارے میں کوئی سوال نہیں کروں گی کیونکہ بہر حال آپ بہت بڑے آدمی ہیں اور میں اپنی اسی خوش نصیبی پر ہمیشہ ناز کرتی ہوں کہ اتنی بڑی شخصیت سے میری زندگی منسلک ہوئی ہے۔''

''ایک اور بات سوچ رہے تھے ہم راحیلہ۔''

''کیا؟''

''کیوں نہ ہم تمہیں سیاست سکھا دیں۔ تمہارے لئے ایک مشغلہ بھی ہو جائے گا اور تمہیں وہ مقام ملے گا جو ہونا چاہئے بلکہ اس دوران ہم تمہیں سیاست کے داؤ پیچ سکھائیں گے اور اگلے الیکشن میں تمہیں کھڑا کر دیں گے، تمہارا منتخب ہونا تو خیر لازمی امر ہے لیکن ہم کوشش

کریں گے کہ تمہیں اس اعتماد اور محبت کے صلے میں اتنے بڑے عہدے پر پہنچا دیا جائے کہ تم تصور بھی نہ کر پاؤ۔"

"مجھے بس اتنا موقع ضرور دیجئے گا خاں صاحب کہ آپ کی خدمت میں کبھی کوتاہی نہ ہو۔"

خاں صاحب ہنسنے لگے تھے، واپس آئے تو جہاں آراء بیگم جا چکی تھیں، راحیلہ کے ہونٹوں پر ایک لمحے کے لئے مدھم سی مسکراہٹ ابھری تھی اور اس کے بعد اس نے اس مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبا لیا تھا۔ کامیابی اس کے نام کے ساتھ تھی۔ جس چیز میں ہاتھ ڈالتی تھی اس میں کامیابی اس کے ہاتھ چومتی تھی۔

خان صاحب نے اسے سیاست سکھانے کی بات بے مقصد نہیں کی تھی، وہ خود بھی نچلے بیٹھنے کے عادی نہیں تھے۔ الیکشن ہو چکے تھے، وزیر اور دوسرے عہدیداران کی قدم بوسی کے لئے آتے رہتے تھے۔ کسی کو بھی وزارت بدلنے کی حاجت ہوتی تو خاں صاحب اس پر غور کرتے اور اس کے بعد اسے کوئی ترکیب بتا دیتے۔ انہوں نے خفیہ طور پر راحیلہ کو اپنی ان کاوشوں میں شریک رکھا تھا اور اسے بتاتے رہتے تھے کہ ان کے کون سے عمل سے کیا نتائج برآمد ہونے کی توقع ہے، اس طرح سے انہیں خود جو فائدے حاصل ہوتے تھے اب وہ راحیلہ سے وہ فائدے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ البتہ راحیلہ کو یہ زندگی پسند نہیں آئی تھی۔ اسے تو اپنے حُسن کی سیاست سے دلچسپی تھی، اپنے سینے میں وہ جو خواہش سجائے ہوئے تھی اس خواہش کی تکمیل ہوتے رہنا ہی اس کے لئے زندگی کی علامت تھی۔

خاں صاحب سے شادی کا فیصلہ اس نے نادانی یا معصومیت میں نہیں کیا تھا بلکہ بہت اچھی طرح سوچا سمجھا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ اس کی تمام سوچیں یہاں بھی کارآمد رہی تھیں۔ خاں صاحب جیسی شخصیت ہاتھ میں آ جائے تو اس سے بڑی بات اور کیا ہو سکتی ہے لیکن اپنی ذہانت سے خاں صاحب کی فطرت کو پڑھتی رہتی تھی اور اس کے نتیجے میں اسے جو تجربات ہوئے تھے وہ یہی ظاہر کرتے تھے کہ خاں صاحب نے اپنے وجود کے پچھتر فیصد حصے کو آہنی پردوں میں چھپا رکھا ہے۔ پچیس فیصد ان کی شخصیت دنیا کے سامنے تھے اور اس میں بھی دس فیصد دوسروں کے لئے اور پندرہ فیصد اس کے لئے جو ان کے بہت قریب ہو یعنی راحیلہ جیسی کوئی شخصیت لیکن ان

کے اندر کیا ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے، کیا سوچ رہے ہیں اس کا کسی کو علم نہیں ہوتا تھا، بہرحال راحیلہ اپنی تمام تر ذہانت کے ساتھ ابھی تک خاں صاحب کو اپنے اعتماد میں لئے ہوئے تھی اور خاں صاحب بار بار حیران ہو کر کہتے تھے کہ راحیلہ تمہیں تو واقعی ملک کا وزیراعظم ہونا چاہئے، تم اس قدر سوجھ بوجھ اور سیاسی سوچ رکھتی ہو کہ کبھی کبھی تو تمہارے جوابات پر میں خود دنگ رہ جاتا ہوں، بس یوں سمجھ لو کہ وزیراعظم یا وزیراعلیٰ نہ سہی، لیکن تمہیں کوئی اتنا بڑا مقام دلواؤں گا میں کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتیں۔"

"اس سے بڑا مقام میرے تصور سے ہمیشہ باہر رہے گا خاں صاحب کہ میں آپ کے قدموں کی دُھول ہوں۔" راحیلہ نے جواب دیا اور خاں صاحب ایسے جوابات سے ہمیشہ سرشار ہو جایا کرتے تھے۔ ان دنوں راحیلہ پر بڑی اکتاہٹ سوار تھی اور وہ سوچ رہی تھی کہ کیا کیا جائے، کیا ترکیب کی جائے جس سے یہ جمود ٹوٹے۔ اس نے آج تک کبھی خاں صاحب سے فرمائش نہیں کی تھی کہ اسے ماموں احتشام الدین کے گھر یا اس کے اپنے گھر لے جایا جائے جبکہ خاں صاحب خود کئی بار اسے لے کر گئے تھے۔ بہرحال صرف خاں صاحب کی نظروں کا مرکز بنی رہنے سے اب اس پر اُکتاہٹ سی سوار ہونے لگی تھی۔

کوئی ایسا عمل، کوئی ایسا شکار دام میں آئے جو بہرحال اس کے حُسن کے زہر کا طلبگار ہو اور یہ زہر پی کر وہ بے شک موت کی آغوش میں جا سوئے لیکن ہو تو سہی۔

یہ سب کچھ راحیلہ کا مزاج تھا۔ خاں صاحب ابھی تک راحیلہ سے مخلص تھے اور اسے خوش رکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی مہارت کے ساتھ راحیلہ کو سیاست کے داؤ پیچ سکھانا شروع کر دیئے۔ ہر چند کہ یہ سب کچھ راحیلہ کے لئے ایک بے مقصد چیز تھی لیکن خاں صاحب کو خوش رکھنا بھی ضروری تھا۔ وہ ان کی بتائی ہوئی باتیں بڑی دلچسپی سے سنا کرتی تھی۔ بعض باتوں سے وہ اپنے لئے کچھ نتیجے بھی اخذ کر لیا کرتی تھی۔ خاں صاحب نے اسے گزرے ہوئے الیکشن کے بارے میں بھی تفصیل بتائی تھی۔

"سیاسی بساط پر مہروں کو غیر متحرک نہیں رکھنا چاہئے، کوئی نہ کوئی تحریک، کوئی نہ کوئی عمل ضروری ہے، اب میں تمہیں بتاؤں گا کہ ایک شخص جو ہمارے مخالفوں میں سے تھا لیکن ہماری خفیہ کاوشوں سے برسراقتدار آیا۔ میں رانا جبار کی بات کر رہا ہوں۔ رانا جبار ہمیشہ ہمارے

امیدواروں کے مقابلے میں ناکام رہا اور اس بار بھی مکمل ناکامی سے دوچار ہوتا اور راؤ افتخار ہی جیتتا، لیکن راؤ افتخار کے اندر ایک انا پیدا ہوگئی تھی۔ اپنے قدموں سے لگے ہوئے ان لوگوں کو پیروں تلے ہی رہنا چاہئے۔ ذرا بھی محسوس کرو کہ وہ سر اُبھار رہے ہیں تو ان کو راستے سے ہٹا دو کیونکہ لاتعداد مثالیں ایسی ہیں کہ اپنے پالے ہوئے ہی گردن پر چھری پھیرتے ہیں۔ رانا جبار کی طرف سے ذرا سی تشویش ہے لیکن فکر مت کرو، تمہیں اسی کی سیٹ پر ضمنی الیکشن لڑنا ہوگا۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مدمقابل کو بھی ہم خود ہی کھڑا کریں گے کیونکہ یہ ضروری ہے ہم تمہیں بلا مقابلہ منتخب کراسکتے ہیں لیکن مزا نہیں آئے گا۔ بہت سی ایسی شخصیتیں ہمارے علم میں ہیں جو ان علاقوں سے الیکشن میں کھڑا ہوسکتی تھیں۔ ان کی اپنی قوت بھی ہے، زمینداری بھی ہے، اختیارات بھی ہیں مگر وہ ہمارے سامنے کبھی سر اُٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ انہی میں سے کسی ایک کو تمہارے مدمقابل کھڑا کردیا جائے گا اور وہ رانا جبار کی سیٹ پر الیکشن لڑے گا۔''

''اور رانا جبار......؟''

''ہم نے اسے اپنے ذہن میں تین ماہ کی مہلت دی ہے۔ ان تین ماہ کے اندر اندر اگر وہ ہماری پارٹی میں شامل نہ ہوگیا تو پھر اس کا وجود اس زمین کے لئے بوجھ بن جائے گا اور زمین کو بوجھ سے خالی کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔'' شمشیر احمد خاں نے سوچا تھا کہ رانا جبار اگر پارٹی میں شامل نہ ہوا تو پھر اسے راستے سے ہٹا کر راحیلہ کو اس کی جگہ متعین کردیا جائے، اور اس کے بعد راحیلہ کو کوئی اعلیٰ عہدہ دلوا دیا جائے۔ یہ عہدہ خاں صاحب کی طرف سے راحیلہ کے لئے ایک تحفے کی شکل میں ہوتا لیکن ذرا سی تبدیلی ہوئی، رانا جبار کے بارے میں رپورٹ ملی کہ اس نے پارٹی میں شمولیت کی درخواست دے دی ہے، اور اس کے بعد رانا جبار خود خاں صاحب کے پاس پہنچ گیا۔ اس وقت راحیلہ بھی خاں صاحب کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ خاں صاحب نے رانا جبار کی آمد پر اسے طلب کرلیا۔ راحیلہ نے اٹھنے کی کوشش کی تو وہ بولے۔ ''نہیں راحیلہ! تم کوئی عام لڑکی نہیں ہو، مستقبل میں تمہیں ان لوگوں کا سامنا کرنا ہوگا۔''

رانا جبار اپنے ساتھ پھلوں کے ٹوکرے اور بہت سی سوغاتیں لایا تھا جو اس نے خاں صاحب کے قدموں میں سجادیں پھر نیاز مندی سے بولا۔ ''یہ صرف اظہار شرمساری ہے کہ ایک لمحے کے اندر میں نے آپ کی بات پر ہاں کیوں نہ کہہ دی۔ بہرحال آپ کے حکم کی تکمیل کی گئی

ہے اور آپ ہر شخص سے معلوم کرلیجئے میں نے یہی کہا ہے کہ خاں صاحب میرے آئیڈیل ہیں، ان کی خواہش تھی کہ میں پارٹی میں شامل ہوجاؤں اور میں نے یہ بھی بتایا ہے لوگوں کو کہ صرف آپ کی مدد سے میں جیتا ہوں۔''

خاں صاحب نے زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ رانا جبار کو دیکھا اور بولے ''رانا جبار! کونسی ذات ہے تمہاری، سانپ کی نسل سے معلوم ہوتے ہو، بلکہ بچھو کہا جائے تو مناسب ہوگا کہ بچھو عادت کے مطابق ڈنک مارتا ہے اگر تمہارا خیال ہے کہ کوئی ہمیں نقصان پہنچا سکے گا تو اپنے اس خیال کی تصدیق بھی کرلو۔''

رانا جبار کا چہرہ دھلے ہوئے لٹھے کی طرح سفید پڑ گیا، وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور خاں صاحب کے قدموں کو چھوتا ہوا بولا۔ ''جتنی بڑی چاہیں قسم لے لیں، یہ تصور بھی میرے ذہن میں نہیں تھا میں نے تو صرف نیاز مندی کے خیال سے یہ کام کیا تھا۔ آپ جو سزا چاہیں مجھے دے لیں۔ اگر یہ بات آپ کی مرضی کے خلاف ہوئی ہے تو جیسے حکم فرمائیں گے وہ کروں گا۔''

''دیکھیں گے، سوچیں گے۔''

''نہیں خاں صاحب! اب جب میں آپ کے زیر سایہ آ گیا ہوں تو مجھے ہر لمحہ آپ کی مدد درکار ہے۔'' رانا جبار خوشامدیں کرتا رہا اور خاں صاحب ہنس پڑے۔ ''ٹھیک ہے، بھائی ٹھیک ہے، بڑا میراثی ہے تُو چل جا کام کر اپنا۔''

رانا جبار چلا گیا اور خاں صاحب ہنستے ہوئے گویا ہوئے۔ ''دیکھا تم نے اسے سیاست کہتے ہیں، یہ وہ آدمی ہے جس نے ہمیشہ میری مخالفت کی، آخر کار میرے قدموں میں آ ہی گیا۔''

راحیلہ نے مسکرا کر گردن ہلا دی تھی۔ بہرحال وقت گزرتا رہا، دن گزرتے رہے، تبدیلیاں آتی رہیں، رانا جبار کے ہوش میں آنے کے بعد خاں صاحب نے یہ پروگرام تو ملتوی کردیا تھا کہ کوئی سازش کر کے اسے اس کی جگہ سے ہٹائیں اور پھر ضمنی الیکشن کرادیں لیکن پھر بھی انہوں نے راحیلہ کو اس بات کے لئے تیار رکھا تھا اور کہا تھا کہ میں جہاں سے بھی چاہوں تمہیں الیکشن لڑواسکتا ہوں۔ کسی کے خلاف کوئی بھی ایسی رپورٹ تیار کرا دینا میرے لئے مشکل کام نہیں ہے، جس کی بناء پر وہ اپنی جگہ سے ہٹا دیا جائے، لیکن تم ابھی دیکھو، غور کرو۔

راحیلہ نے اس بات سے اتفاق کیا تھا اور کہا تھا۔ ''ہاں...... میں کچے عمل سے اس طرح

کسی عہدے میں آنا نہیں چاہتی، پہلے مجھے آپ تمام داؤ پیچ سکھا دیں۔"

"تمام......؟" خاں صاحب مسکرا کر بولے۔

"تو پھر......؟"

"وہ شیر اور بلی کا معاملہ نہیں سنا تم نے، اور یہ حقیقت بھی ہے کہ تمام داؤ پیچ سکھا دینا اپنے آپ کو ختم کر لینے کے مترادف ہے۔"

"گویا آپ کو مجھ پر ابھی تک اعتماد نہیں ہے۔" راحیلہ نے سوال کیا۔

یہاں خاں صاحب بھی دھوکا کھا گئے تھے، آنکھیں دل و دماغ کی غماز ہوتی ہیں، اگر آنکھوں کو پڑھنے کا فن سیکھ لیا جائے تو حقیقتیں سامنے آ جاتی ہیں اور راحیلہ کی آنکھوں میں اس وقت جو کچھ تھا وہ خاں صاحب نہیں سمجھ پائے تھے۔ انہوں نے ایک قہقہہ لگایا اور بولے۔

"واہ! اس وقت مکمل عورت بن گئی ہو۔ گویا اس بات پر شک ہے آپ کو کہ ہم آپ پر اعتبار نہیں کرتے۔ ہم نے تو سیاست کی بات کہی، سیاست کی ایک الگ کتاب ہوتی ہے اور اس کتاب میں وہ گُر لکھے ہوتے ہیں جو سیاست میں کامیابی کے گر ہیں۔ ان میں بے شک ایک ہدایت ایسی بھی ہے لیکن محترمہ راحیلہ ہم دونوں میاں بیوی ہیں۔ ہماری سیاست اگر ایک نہ ہو تو گھر کو گھر کہا ہی نہیں جا سکتا۔ چلو چھوڑو، اس وقت مہ خانہ بنا ہوا ہوگا آؤ چلتے ہیں۔" اور راحیلہ بھی ہنس کر خاموش ہو گئی۔

تیاریاں مکمل ہوئیں اور خاں صاحب اپنی شاندار لینڈ کروزر میں بیٹھ کر فارم ہاؤس چل پڑے۔ پیچھے محافظوں کی گاڑی آ رہی تھی۔ خاں صاحب اس خوبصورت موسم کی وجہ سے سرشار تھے۔ راحیلہ کو بھی یہ ہلکی ہلکی رم جھم پسند آ رہی تھی۔ پھر ایک مخدوش راستے سے وہ دونوں گاڑیاں گزر رہی تھیں کہ اچانک ہی لینڈ کروزر پر گولیوں کی بارش شروع ہو گئی اور لینڈ کروزر کا ڈرائیور گولیوں سے چھلنی ہو گیا۔ وہ تو شکر تھا کہ راستہ کشادہ تھا۔ لینڈ کروزر کا رُخ تو تبدیل ہوا لیکن وہ کسی چیز سے ٹکرائی نہیں تھی۔ ادھر خاں صاحب کے محافظوں نے اس طرف گولیوں کی بارش شروع کر دی جدھر سے خاں صاحب کی گاڑی پر فائرنگ کی گئی تھی۔

حملہ آور کچھ برسٹ مار کر فرار ہو گئے لیکن خاں صاحب کے محافظوں نے چاروں طرف شدید فائرنگ کی اور دوسری طرف سے جب کوئی جواب نہ ملا تو تحقیقات کے لئے چاروں طرف

بکھر گئے۔ لینڈ کروزر کا ڈرائیور لمحے کے اندر اندر ہلاک ہو گیا تھا۔ خاں صاحب نے راحیلہ کی طرف دیکھا اور پہلی بار انہوں نے دل میں اعتراف کیا کہ جس حسین لڑکی کو صرف اس کے حُسن کی وجہ سے قربت عطا کی تھی وہ صرف حسین ہی نہیں بلکہ ایک دلیر اور پُر وقار شخصیت کی مالک ہے۔ راحیلہ کے چہرے پر تجسّس ضرور تھا لیکن خوف کا کوئی نشان نہیں تھا۔ خاں صاحب اسے چھوڑ کر لینڈ کروزر سے نیچے اتر آئے۔ دو محافظوں کی مدد سے انہوں نے سب سے پہلے لینڈ کروزر کے ڈرائیور کو سٹیرنگ سے ہٹایا اور اس کے بعد بولے۔ "تحقیقات کرو اور اندازہ لگاؤ کہ حملہ آور کون ہو سکتے ہیں۔ خیبر خان اور زاہد شاہ! تم دونوں خاندانی کھوجی ہو۔ تمہیں سراغ لگانا ہے، یہیں اتر جاؤ اور یہاں رہو۔ شیر خان تم لینڈ کروزر کی ڈرائیونگ سیٹ سے خون صاف کرو اور یہ دیکھو کہ انجن وغیرہ کو کوئی نقصان تو نہیں پہنچا۔"

یہ تمام کارروائیاں ہوئیں۔ لینڈ کروزر کی باڈی میں کچھ سوراخ ضرور ہوئے تھے لیکن ٹائر محفوظ تھے اور انجن بھی، ان دو افراد کو اتار دیا گیا جو انہی علاقوں کے رہائشی تھے، ان کے سپرد یہ ذمہ داری کی گئی تھی کہ وہ حملہ آوروں کا سراغ لگائیں۔ یہ کھوجیوں کی نسل سے تھے اور ان کے باپ دادا یہی کام کرتے تھے۔ اپنے فن میں انتہائی ماہر سمجھے جاتے تھے یہ لوگ۔ راحیلہ نے سوال کیا۔

"ہم واپس چلیں؟"

"ارے نہیں، ہم جیسے لوگوں کی زندگی میں اس طرح کی لاکھوں گولیاں ہوتی ہیں۔ ان سے خوفزدہ ہو کر بھلا اپنے مشاغل کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے، ہم فارم ہاؤس میں چلیں گے۔"

گاڑیاں ایک بار پھر آگے بڑھ گئی تھیں۔ مردہ ڈرائیور کو پیچھے گاڑی میں ڈال لیا گیا تھا۔ ایک معمولی سے ڈرائیور کی موت پر اتنا خوبصورت پروگرام تو خراب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ البتہ فارم ہاؤس پہنچ کر خاں صاحب نے ڈرائیور کی لاش اس کے گھر بھجوانے کا انتظام کر دیا تھا اور اپنے آدمیوں کو ہدایت کی تھی کہ ڈرائیور کے کفن دفن کا انتظام کر دیا جائے اور اس کے بیوی بچوں کو خرچہ باندھ دیا جائے، بس اس کے بعد کہانی ختم۔

فارم ہاؤس کا موسم دلکش تھا۔ آسمان پر بادلوں کے غول اور زمین پر پرندوں کی خوبصورت آوازیں۔ خاں صاحب نے شکار کا پروگرام بنایا اور شکاری تیار ہو گئے۔ راحیلہ یہ سارے کھیل

دیکھ رہی تھی، ان بڑے لوگوں کی زندگی بھی کتنی عجیب ہوتی ہے، نہ کسی کا خوف، نہ کسی کا غم، جو گزر گئی سو گزر گئی، گولیوں کے برسٹ اگر نشانے پر پڑے ہوتے تو خاں صاحب اور خود اس کا حشر بھی ڈرائیور سے مختلف نہیں ہوتا لیکن خاں صاحب کی پیشانی پر شکن بھی نہیں تھی۔

دو دن کے بعد دونوں کھوجی فارم ہاؤس پہنچ گئے۔ اتفاق سے اس وقت راحیلہ اور خاں صاحب ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ ''آؤ خیبر خان آؤ، دو دن لگا دیئے تم نے۔''

''جی خان جی، وقت زیادہ لگ گیا، علاقہ ایسا تھا کہ ہم خاصی مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے لیکن خان جی! ہم حملہ آوروں کا سراغ لگانے میں ناکام رہے، نشانات بٹے ہوئے تھے، کچھ دائیں سمت جا رہے تھے اور کچھ بائیں سمت، کچھ سیدھے چلے گئے تھے اور کلہ گڑھی تک جا پہنچے تھے۔''

''کلہ گڑھی، رانا جبار کے ڈیرے تک؟''

''جی خان جی۔''

''ہوں، ٹھیک ہے جاؤ آرام کرو۔''

''جو حکم خان جی۔'' دونوں کھوجی ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر واپس چلے گئے۔ خاں صاحب گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے، راحیلہ خاموش نگاہوں سے خاں صاحب کا چہرہ دیکھ رہی تھی کچھ دیر کے بعد خاں صاحب کے ہونٹوں پر ایک مدہم سی مسکراہٹ ابھری۔

''بات تو بڑی جاندار ہے، رانا جبار درخواست دے کر ہماری پارٹی میں شامل ہو گیا۔ برسراقتدار بھی ہے۔ اس وقت اگر ہم راستے سے ہٹ جاتے ہیں تو بھلا ان علاقوں میں رانا جبار کا مدمقابل کون ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ سیاست سیکھ گیا وہ، بھئی واہ جی خوش ہوا۔ بظاہر ہمارے وفاداروں میں لیکن اپنے وسیع تر مفاد کے لئے اس نے ہمیں ہی راستے سے ہٹانے کا فیصلہ کر لیا۔ راحیلہ! دیکھ رہی ہو سن رہی ہو اسے سیاست کہتے ہیں اور کامیاب سیاستدان وہی ہے جو کسی درخت کی سیدھی شاخ پر نہ چڑھتا رہے بلکہ آس پاس بھی نگاہ رکھے کہ کہاں سے اسے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔'' راحیلہ خاموش نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

فارم ہاؤس پر کافی دن گزارے گئے، جب تک موسم اچھا رہا خاں صاحب فارم ہاؤس سے نہ ہلے اور پھر جب سورج نے سر اُبھارا تو وہ وہاں سے واپس چل پڑے، حویلی کے شب و

روز جوں کے توں تھے، راحیلہ خوش تھی، لیکن ذہن میں یہ بھنور پڑتے رہتے تھے، زندگی ساکت ہو گئی ہے، کوئی ہنگامہ خیزی نہیں ہے۔

ایک دن رانا جبار، خاں صاحب کے پاس پہنچ گیا، چہرے پر تشویش کے آثار تھے۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے خان جی، آپ ہمارے سرپرست ہیں آپ کی زندگی اور آپ کی حفاظت بنیادی حیثیت رکھتی ہے۔''

''آؤ رانا آؤ بیٹھو، تم سناؤ سب ٹھیک چل رہا ہے نا'' خاں صاحب نے پرمحبت لہجے میں کہا اور رانا بیٹھ گیا۔

''جی دعاؤں کا سہارا ہے خان جی، آپ ہیں تو پھر ہمیں پروا کس بات کی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے، پر ایک بات بتاؤ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہمارے اوپر قاتلانہ حملہ ہوا ہے ہم نے تو کسی سے تذکرہ تک نہیں کیا۔''

''نہیں خان جی، وہ آپ کے کھوجی پہنچے تھے، کھوج لگاتے ہوئے ہم نے ان سے کہا کہ خیر تو ہے کیا بات ہے ہم جانتے تھے خان جی کہ وہ آپ کے کھوجی ہیں، انہوں نے ہمیں بتایا کہ خان جی پر قاتلانہ حملہ ہوا ہے اور وہ نشانات تلاش کرتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں خان جی ہم تو پریشان ہو کر رہ گئے۔ ہم نے اپنے طور پر بھی بڑی کوششیں کیں۔ آخر وہ کون لوگ ہو سکتے ہیں جن کا تعلق ہمارے ڈیرے سے ہو، پر بعد میں پتہ چلا کہ وہ صرف کھوجیوں کا خیال تھا، نشانات تو اِدھر اُدھر بھی گئے ہوئے تھے۔''

''ہاں ہاں...... کوئی بات نہیں ہے رانا، سو دوست دو سو دشمن یہ کھیل تو ہوتے رہتے ہیں۔ ہم اپنے دشمن کو پکڑ کر اس کی گردن آسانی سے کاٹ سکتے ہیں ہمیں اس کا اختیار ہے لیکن وہی بات ہے رانا جبار کہ دشمن دوست سے بہتر ہوتے ہیں، یہ ہمارا فلسفہ ہے، دشمن ہوشیار اور چوکنا رکھتے ہیں اور دوست محبت کی میٹھی نیند سُلا دیتے ہیں دشمنوں کا کام زیادہ چوکس ہوتا ہے، ہمیں دشمنی کا مزہ لینا آتا ہے اور جب ہم اپنے دشمن کی گردن پر انگوٹھا رکھتے ہیں تو اسے بتا دیتے ہیں کہ ہم اسے کب سے جانتے ہیں؟''

''جی خان جی، دماغ ہی تو ہے آپ کا جو بڑے بڑوں کو نیچا دیکھنے پر مجبور کر دیتا ہے۔''

''ایسی ہی بات ہے رانا جبار، جس نے بھی یہ حملہ ہم پر کرایا ہے تم یقین کرو، وہ ہماری

انگلیوں کے شکنجے میں ہے، جب چاہیں اسے مسل کر ختم کر سکتے ہیں، پر ابھی جلدی کیا ہے، اسے
بھی کھانے کھیل لینے دو، مار دیا ہم نے اسے تو کیا فائدہ؟''

رانا جبار بہت دیر تک بیٹھا رہا، اس کے بعد اجازت لے کر چلا گیا۔

شمشیر احمد خان دیر تک سوچتے رہے۔ پھر انہوں نے خیبر خان اور زاہد شاہ کو بلا لیا، ساتھ
ہی اپنے دو خاص آدمیوں کو طلب کر لیا تھا۔ خیبر خان اور زاہد شاہ خاں صاحب کے سامنے پہنچ
گئے، خاں صاحب غور سے ان کا چہرہ دیکھتے رہے تھے پھر انہوں نے کہا ''تم دونوں رانا جبار کی
انتخابی مہم میں شریک تھے۔''

دونوں آدمی چونک کر خاں صاحب کو دیکھنے لگے، پھر انہوں نے گردن جھکا کر کہا۔ ''جی
خان وہ رانا جبار صاحب نے ہمیں دیکھ لیا تھا، پوچھنے لگے تو ہم نے بتا دیا۔''

''میری اجازت کے بغیر۔'' خاں صاحب نے کہا۔

''خان جی غلطی ہو گئی، معافی چاہتے ہیں۔''

''میں تو عام طور سے معاف کر دینے کا عادی ہوں اور کیا بتایا تم نے رانا جبار کو۔''

''ہم جی اور کیا بتاتے ایک ہی غلطی پر شرمندہ ہیں۔''

''اصل میں بندہ اپنا بھرم کھو بیٹھے تو پھر فیصلہ کرنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے کہ اس کے لئے کیا
کیا جائے اور ہم زیادہ لمبے جھگڑے پالنے کے عادی نہیں ہیں۔ دلاور! یہ دونوں ہمارے غدار
ہیں اور تمہیں معلوم ہے غداروں کے ساتھ ہم کیا سلوک کرتے ہیں، لے جاؤ انہیں دعوت کھلاؤ۔''

دونوں کھوجی گڑگڑانے لگے۔ چیخ چیخ کر رونے لگے۔ خاں صاحب نے رُخ تبدیل
کر لیا تھا۔ دلاور اور اس کے آدمی ان دونوں کو کھینچتے ہوئے باہر لے گئے تھے۔ زندگی کا معمول
تھا، اس میں کوئی اہم بات نہیں تھی۔ خاں صاحب کی پیشانی بالکل صاف و شفاف تھی۔

راحیلہ نے جب ان سے سوال کیا کہ اب رانا جبار کے لئے کیا کیا جائے گا تو وہ ہنس
کر بولے۔

''بعض لوگ سانپ پالنے کے شوقین بھی ہوتے ہیں اصل میں خوبصورت چڑیاں،
طوطے اور پرندے تو سبھی پالتے ہیں۔ خونخوار اور موذی جانور پالنے سے اپنے آپ پر ایک اعتماد
پیدا ہوتا ہے، زندہ رکھیں گے اسے اور جب وہ زیادہ زہریلا ہو جائے گا تو ختم کر دیں گے۔

پریشانی کی کوئی بات نہیں ہے۔'' خاں صاحب تو یہ جملے کہہ کر خاموش ہو گئے لیکن راحیلہ کی
آنکھوں میں ایک تیز چمک لہرانے لگی تھی۔

• بعد میں خاں صاحب نے اس مسئلے کو بالکل ہی نظر انداز کر دیا اور اپنی دیگر سرگرمیوں میں
مصروف ہو گئے۔ راحیلہ زیادہ تر ان کے ساتھ ہی رہتی تھی۔ اس کی تمام تر کوششیں اس بات پر
مرکوز رہتی تھیں کہ خاں صاحب کو کبھی اس کی عدم دلچسپی کا احساس نہ ہو لیکن اس کی نگاہیں بدستور
ایسی شخصیت کی تلاش میں لگی رہتی تھیں جو اس کا نیا شکار بن سکے۔

ایک پریس کانفرنس ہوئی، ایک سیاسی ایشو نکلا تھا جس پر کافی دنوں سے لے دے ہو رہی
تھی۔ پریس کے افراد اس سلسلے میں شمشیر احمد خاں کی رائے معلوم کرنے کے لئے جمع ہوئے اور
خاں صاحب سے اس سلسلے میں سوالات کئے جانے لگے۔ اس لڑکی کا نام ہارونہ شاہ تھا بڑے
خوبصورت نقوش کی مالک، چہرے پر ذہانت رچی ہوئی، ہونٹوں پر ایک قدرتی شوخ سی
مسکراہٹ، یہ ایک پریس رپورٹر تھی۔ اس نے بڑی بے باکی سے خاں صاحب سے پوچھا۔ ''یہ
خاتون آپ کی مسز ہیں؟''

''جی...... ان کا نام راحیلہ ہے۔''

''معاف کیجئے گا، آپ کی بیگمات میں ان کا نمبر کون سا ہے؟''

خاں صاحب نے چونک کر اسے دیکھا۔ ایک لمحے کے لئے چہرے پر سختی کے آثار
اُبھرے تھے لیکن پھر انہوں نے سر سے پاؤں تک لڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ''چوتھا نمبر ہے،
آپ سیاسی سوالات کے بجائے میری ذاتیات پر کیوں آ گئیں؟''

''نہیں اصل میں بہت عرصے سے آپ سے ملنے کی خواہش مند تھی۔''

''اگر آپ میری ذات میں دلچسپی رکھتی ہیں تو کسی وقت میرے گھر آیئے میرے ساتھ
چائے پیجئے۔''

''میں دل و جان سے یہ دعوت قبول کرتی ہوں، کیا آپ سے ملاقات کا وقت لوں۔''

''زیادہ بہتر رہے گا کیونکہ میں مصروف بھی رہتا ہوں۔''

''پھر میں آپ کے پاس ضرور آؤں گی، اصل میں ایک سحر ہے آپ کی شخصیت کا اور میں
ہی نہیں بہت سے لوگ آپ کی ذاتی زندگی کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں۔''

''نہیں.....کیا نام ہے آپ کا؟''

''ہارونہ شاہ۔''

''نہیں مس شاہ، اگر ایسی بات ہے تو میں اپنی ذاتی زندگی عوام کے سامنے لانے کا شوقین نہیں ہوں، پھر آپ زحمت نہ کیجئے گا۔''

''اور اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ کی ذاتی زندگی میری ذات تک محدود رہے گی تو.....؟''

''تو میری دعوت بدستور'' خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

لڑکی نے لگاوٹ بھری نگاہوں سے خاں صاحب کو دیکھا اور خاں صاحب کی نگاہ بھی اس پر گم ہو کر رہ گئی۔ بہت دلکش تھی، بھرے بھرے بدن کی مالک۔ سب سے زیادہ حسین اس کی مسکراہٹ تھی جو صرف ہونٹوں تک محدود نہیں رہتی تھی بلکہ اس کا سارا وجود مسکراتا تھا۔ پسند آئی تھی خاں صاحب کو۔

ادھر راحیلہ کی گہری نگاہ ان دونوں پر جمی ہوئی تھی اور وہ ایک لمحے کے لئے کھوسی گئی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ خاں صاحب کو زندگی کا ساتھی بنا کر عیش و آرام اور آسائشیں تو انتہا کو پہنچ گئی تھیں، پورے گھر کو، احتشام الدین کو، سبھی کو اس کی اس حیثیت سے زبردست فائدے حاصل ہوئے تھے لیکن اب وہ شدت سے محسوس کر رہی تھی کہ زندگی گھٹ کر رہ گئی ہے، ویسے تو وہ بڑے بڑوں کو خاطر میں نہیں لاتی تھی لیکن خاں صاحب جیسے شاطر آدمی کے ساتھ کوئی کھیل کھیلنا مشکل ترین کام تھا۔ ایک ایک قدم پھونک پھونک کر رکھنا ضروری تھا ورنہ کسی بھی لمحے زندگی تک جا سکتی تھی۔ اب تک وہ کامیابی سے شکار کرتی رہی تھی لیکن عظیم الشان شکارگاہ میں اس کا کوئی سکور نہیں ہو سکا تھا، خاں صاحب کی فطرت کا اس نے بخوبی جائزہ لیا تھا خود کو بہت زیادہ تجربے کار تو نہیں کہہ سکتی تھی لیکن یہ اندازہ اسے بخوبی ہو گیا تھا کہ خاں صاحب گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے والوں میں سے ہیں، بے شک اس وقت اس کی پتنگ چڑھی ہوئی ہے لیکن یہ پتنگ کسی بھی وقت کٹ سکتی ہے۔ اس لڑکی سے خاں صاحب کی لگاوٹ بھری باتیں راحیلہ کو کافی مشکوک محسوس ہوئی تھیں اور پھر چند ہی روز کے بعد خاں صاحب نے اس سے کہا۔ ''میں ایک اہم مسئلے پر صحافیوں کو دعوت دینا چاہتا ہوں اور اس کے لئے میں نے فارم ہاؤس ہی منتخب کیا ہے۔ اس جگہ

میں ایسی مقناطیسیت ہے کہ میرے دشمن بھی میرے دوست بن جاتے ہیں کیا خیال ہے؟''

''بہت اچھا خیال ہے یقیناً کسی اہم مسئلے پر ہی آپ نے انہیں مدعو کیا ہوگا۔''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔'' خاں صاحب نے مدہم لہجے میں کہا۔

پہلا موقع تھا یہ جب خاں صاحب نے اسے اصل بات بتانے کے بجائے گول مول الفاظ میں ٹال دیا تھا اور راحیلہ کا شبہ یقین کی منزل کی جانب چل پڑا تھا۔ صحافیوں کو دعوت نامے بھجوا دیئے گئے اور خاں صاحب نے فارم ہاؤس پر انتظامات کرانے شروع کر دیئے۔ پھر راحیلہ کو لے کر وہ فارم ہاؤس چل پڑے۔ یہاں صحافیوں کے لئے بڑے خوبصورت خیمے لگوائے گئے تھے۔ یہ ایک ندرت تھی حالانکہ فارم ہاؤس میں اتنی جگہ تھی کہ جتنے بھی صحافی بلائے جائیں ان کے قیام کا بندوبست ہو سکے لیکن بہرحال مختلف رنگوں کے خیمے اور ان کے درمیان جگمگاتی روشنیاں، درمیان میں بہت چوڑی جگہ جہاں سرسبز و شاداب گھاس اور اس پر پھولوں کے قطعات تھے، مثالی جگہ بن گئی تھی بالآخر راحیلہ نے سوال کر ہی ڈالا۔ ''کیا آنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہوگی؟''

''بہت زیادہ تو نہیں، پھر بھی تیس پینتیس افراد ہوں گے۔''

''انہیں تو ہم اندر بھی ٹھہرا سکتے تھے۔''

''خیموں کا یہ شہر بُرا لگ رہا ہے؟''

''نہیں میں نے ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔''

''مجھے حُسن سے پیار ہے اور دیکھو یہ سب کچھ کتنا خوبصورت لگ رہا ہے۔'' خاں صاحب نے جواب دیا۔

راحیلہ خندہ پیشانی سے مسکرا کر خاموش ہو گئی تھی۔

صحافیوں کی آمد کا وقت آ گیا، وہ اس فارم ہاؤس کی شان و شوکت دیکھ کر دنگ رہ گئے تھے خاں صاحب اپنی کاوشوں میں مصروف تھے اور راحیلہ اپنے لئے شکار تلاش کر رہی تھی۔ صحافی بیچارے اپنے ہی مسائل کا شکار ہوتے ہیں، راحیلہ کو ان میں کوئی ایسی شخصیت نہ مل سکی جس کی جانب توجہ دے کر وہ اپنے محبوب مشغلے کو جاری رکھ سکتی، لیکن خاں صاحب کو ہارونہ شاہ مل گئی تھی جو اس فارم ہاؤس کے ایک ایک چپے کو دیکھ کر حیرت سے منہ کھولے ہوئے تھی۔

''بات اصل میں یہ ہے خاں صاحب کہ کتابی باتیں اور کہانیاں مختلف ہوتی ہیں، انسان کو جب حقیقت سے واسطہ پڑتا ہے تب اسے پتہ چلتا ہے کہ دنیا کیا ہے، یہ فارم ہاؤس مجھے یوں لگ رہا ہے جیسے میرے کسی خواب کی تعبیر ہو۔''

''آپ کی عمر خواب دیکھنے کی ہی ہے مس شاہ، اس عمر میں خواب دیکھے جاتے ہیں لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں ان خوابوں کی تعبیر ملتی ہے اور بعض لوگوں کو اس طرح مل جاتی ہے جیسے آپ کو۔''

''مجھے میرے خوابوں کی تعبیر! نہیں جناب ہمیشہ قسمت کو آزمایا ہے، کبھی اُسے اپنا ساتھی نہیں پایا۔''

''کیا مطلب؟''

میرا مطلب ہے کہ میں ایک معمولی سے گھرانے کی لڑکی ہوں، اخبار میں ملازمت کرتی ہوں اور بس، وہ اخبار بھی معافی چاہتی ہوں بہت بڑا نہیں ہے ہمارا اخبار مالی مشکلات کا شکار ہے اور ہم وہ مقام نہیں حاصل کر پائے جس کے آرزومند تھے۔''

''ہر چیز کا ایک وقت متعین ہوتا ہے، آپ چاہیں تو اپنے اخبار کی تقدیر بدل سکتی ہیں۔''

''میں......ایک معمولی سی صحافی!

''جو لوگ شمشیر احمد خاں کی قربت اس طرح حاصل کر لیتے ہیں جیسے آپ نے حاصل کی ہے وہ معمولی نہیں رہتے۔''

ہارونہ شاہ نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ شمشیر احمد خاں کو دیکھا تھا، شمشیر احمد خاں نے کہا

''کیا نام ہے آپ کے اخبار کا؟''

ہارونہ نے اسے اپنے اخبار کا نام بتایا تو اس نے کہا۔''اس اخبار کو تمام سرکاری اشتہارات مل جائیں گے۔ میں اس کی ہدایت کر دوں گا۔ اس کے علاوہ اس کی جو مشکلات ہیں اس میں اس کی مالی مدد بھی کی جاسکتی ہے جس کسی سے بھی کہہ دوں گا وہ میری ہدایت پر اخبار کی تمام ضرورتیں پوری کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا۔ آپ اس پر ہماری پارٹی کا لیبل بے شک نہ لگائیں لیکن ہمیں بھرپور کوریج دیں۔''

''میرے ایڈیٹر صاحب تو خود آپ کی پارٹی کی جانب مائل ہیں، اگر آپ ہمارے

اخبار کا جائزہ لیں تو فوراً آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ ہم زیادہ تر آپ کی پارٹی کو ہی فلیش کرتے ہیں۔''

''تو پھر مس ہارونہ شاہ، آپ اس وقت بلکہ اسے میری پارٹی نہ کہیں اپنی پارٹی بھی کہہ سکتی ہیں، کیا سمجھیں۔''

''یہ تو وہی مثال ہوئی کہ آگ لینے کو گئے پیغمبری مل گئی، آپ کا ہر لفظ قیمتی ہوتا ہے خاں صاحب، کم از کم اتنی معلومات مجھے حاصل ہیں کہ آپ کسی سے جو کچھ کہتے ہیں وہ کر دیا کرتے ہیں۔''

''آپ اب اگر یقین کرنا چاہیں تو کر لیں کہ یہ دعوت آپ ہی کی وجہ سے ہے، آپ پہلی ہی نظر میں مجھے پسند آ گئی تھیں۔'' ہارونہ مسکرا دی۔ دور دور سے راحیلہ خاں صاحب کی لگاوٹ کو دیکھ رہی تھی۔ خاں صاحب ہارونہ سے باتیں کرتے رہے، انہوں نے اس سے کہا۔''اخبار سے چھٹی تو مل جاتی ہو گی آپ کو کبھی کبھی۔''

''اپنی مرضی کی مالک ہوں، میرے ایڈیٹر صاحب جانتے ہیں کہ میں ایک بے باک صحافی ہوں۔''

''تو پھر میرے اس فارم ہاؤس پر آیئے، آپ کو شکار کھلائیں گے۔''

''میں تو اس کے اطراف کو دیکھ کر ہی ششدر ہوں، واقعی آپ نے زمین پر جنت بنا ڈالی ہے۔''

خاں صاحب ہنسنے لگے تھے۔ بہرحال جب تک یہ کانفرنس جاری رہی خاں صاحب ہارونہ شاہ کے ساتھ رہے۔ کسی چیز سے خوفزدہ ہونے والوں میں سے تو تھے ہی نہیں۔ راحیلہ بے شک اب تک اپنا مقام حاصل کئے ہوئے تھی لیکن اس نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ اس کے بعد بھی ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں اور اب اسے بہت دور کی کہکشاں نظر آ رہی تھی۔ لیکن راحیلہ کو اس بات کی ذرا برابر فکر نہیں تھی بلکہ بارہا اس نے سوچا تھا کہ خاں صاحب کی گرفت سے کیسے نکلا جا سکتا ہے، البتہ وہ اس اقتدار کو نہیں چھوڑنا چاہتی تھی جو خاں صاحب کے ذریعے اسے حاصل ہوا تھا۔ کوئی ایسی ترکیب ہو، کوئی ایسا عمل ہو جس سے اقتدار بھی اس کے پاس رہے اور خاں صاحب کے چنگل سے نجات بھی مل جائے۔

خاں صاحب نے ہارونہ شاہ کو تحائف بھجوانا شروع کر دیئے تھے اور اس کے اخبار کو فوری طور پر بڑی مراعات سے نوازا جانے لگا۔ پارٹی کے تمام اشتہارات ادھر جا رہے تھے۔ ذاتی طور پر ہارونہ شاہ کو جو تحائف مل رہے تھے وہ اس کے لئے بڑی اہمیت کے حامل تھے۔

خاں صاحب نے اسے فارم ہاؤس پر بلایا اور یہ پہلا موقع تھا کہ فارم ہاؤس پر جاتے ہوئے انہوں نے راحیلہ کو نہیں پوچھا تھا۔

''اصل میں ان دنوں ذرا حالات کافی گڑبڑ ہو گئے ہیں، کچھ ایسے سیاسی معاملات اٹکے ہیں جنہیں بڑی مہارت کے ساتھ سرچ کیا جا رہا ہے۔ تھوڑا سا مصروف ہوں راحیلہ محسوس نہ کرنا۔''

''نہیں آپ یہ کیوں سوچ رہے ہیں، میں تو صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ میری اگر کہیں ضرورت ہو......''

''ایک بات سوچ رہا ہوں میں۔'' خاں صاحب نے کہا۔

''کیا؟''

''ظاہر ہے جو کچھ میں تمہیں بتا تا رہا ہوں وہ تم نے بڑی خوش اسلوبی سے پک کر لیا ہے۔ احتشام الدین کو یہ بات میں نے بتا دی ہے کہ میں تمہیں سیاست کی دنیا میں لانا چاہتا ہوں۔ میرا خیال ہے کچھ عرصے کے لئے ان کے پاس چلی جاؤ اور ان سے گر کی باتیں سیکھو۔ میں انہیں ہدایات دے دوں گا۔ راحیلہ ایک لمحے کے اندر اندر سمجھ گئی کہ یہ راستہ خالی کرنے کی کوشش ہے لیکن جانتی تھی کہ ذرا سی لغزش بہت کچھ کر سکتی ہے چنانچہ اس نے گردن خم کر کے کہا۔

''جیسا آپ پسند کریں۔'' اور پھر وہ ماموں جان کے گھر چلی آئی۔ خاں صاحب خود اسے چھوڑنے آئے تھے اور انہوں نے احتشام الدین کو ہدایات دی تھیں۔

احتشام الدین نے مسکرا کر گردن ہلائی اور بولے'' آپ سے زیادہ اسے اور کون سکھا سکتا ہے تاہم میرا تو کام ہی آپ کے حکم کی تعمیل کرنا ہے۔''

خاں صاحب مسکرا کر خاموش ہو گئے تھے۔ بہر حال راحیلہ گہری سوچوں میں ڈوبی ہوئی تھی اور بہت سے فیصلے کر رہی تھی۔ شمشیر احمد خاں پہلے دن سے اس کے لئے قابل قبول نہیں تھے۔ راحیلہ کا انداز فکر بالکل مختلف تھا۔ جہاں آراء بیگم یا اس سے پہلے خورشید بیگم اگر سوکن کی

رقابت کا شکار ہوئی ہوں تو ہوئی ہوں لیکن راحیلہ کے اندر رقابت کا نام ونشان ہی نہیں تھا۔ وہ تو بس اپنے طور پر یہ سوچ رہی تھی کہ اقتدار کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور پھر ایک دن احتشام الدین کی ٹیلی فون انڈیکس میں اسے رانا جبار کا نمبر مل گیا اور ایک دم اس کے ذہن میں ایک عجیب سی بات آئی۔ اس نے احتیاط کے ساتھ رانا جبار کو فون کیا۔ فون خود رانا جبار ہی نے موصول کیا۔

''ہیلو رانا جبار بول رہا ہوں۔''

''رانا صاحب میرا نام راحیلہ ہے، آپ کو ضرور یاد ہوگا۔''

''اوہو بیگم صاحبہ، بھلا آپ کا نام ہمیں یاد نہیں رہے گا ہم جو آپ کے نیاز مندوں میں سے ہیں۔''

''رانا صاحب میں ان دنوں احتشام الدین صاحب کے پاس آئی ہوئی ہوں۔ آپ کے پاس اگر کچھ وقت ہو تو آپ یہاں آ کر مجھ سے ملاقات کریں۔ لیکن خفیہ طور پر میں یہ ملاقات کسی کے علم میں نہیں لانا چاہتی۔ شمشیر احمد خاں یا ماموں احتشام الدین کے علم میں بھی نہیں۔''

رانا جبار کچھ لمحے خاموش رہا پھر بولا۔

''جیسا حکم لیکن کب اور کیا احتشام صاحب کے گھر میں۔''

''میں اس وقت یہیں ہوں لیکن آپ کو ذرا احتیاط برتنا ہوگی، آپ کا موبائل نمبر تو ہوگا ہی؟''

''ہاں کیوں نہیں۔''

''آپ جب یہاں آ جائیں تو مجھے موبائل پر رنگ کر دیں میں آپ کو وقت اور جگہ بتا دوں گی۔''

''بہت بہتر، لیکن......''

''نہیں رنا صاحب، اس وقت کسی لیکن کی گنجائش نہیں، میں ابھی چند روز یہاں ہوں آپ کے فون کا انتظار کروں گی، خدا حافظ۔'' یہ کہہ کر راحیلہ نے فون بند کر دیا۔

رانا جبار نے دوسرے ہی دن اسے فون کیا۔

''میں یہاں پہنچ گیا ہوں بیگم صاحبہ۔''

"آپ یہاں کسی ایسی جگہ کے بارے میں جانتے ہیں جہاں ہم ایک محفوظ ملاقات کر سکیں۔"

"میرا گھر ہے یہاں۔"

"اوہ گڈ کہاں؟"

"میں خود آپ کو لینے حاضر ہو جاؤں گا بیگم صاحبہ۔"

"گڈ۔ گویا عقل کی کچھ کمی ہے۔ کوئی بات نہیں آپ مجھے پتا بتایئے میں خود آ جاؤں گی۔ آپ خود سوچیں میں اس ملاقات کو خفیہ رکھنا چاہتی ہوں اور آپ مجھے لینے آ رہے ہیں۔"

رانا جبار شرمندہ ہو گیا تھا۔ پھر اس نے خجل لہجے میں اپنے گھر کا پتہ بتایا۔

"شام کو پانچ بجے میں پہنچ جاؤں گی۔"

حالانکہ اب احتشام الدین کے ہاں بھی دو قیمتی کاریں موجود تھیں۔ ایک احتشام الدین کی دوسری خود راحیلہ کی، لیکن راحیلہ ایک رکشہ سے مطلوبہ پتے پر پہنچی تھی۔

رانا جبار نے حیرت زدہ سی کیفیت میں اس کا استقبال کیا تھا۔

"اب یہ نہ کہیں کہ میں گاڑی بھیج دیتا۔" راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

رانا اسے دیکھتا رہ گیا تھا۔ پھر وہ بڑے احترام سے راحیلہ کو اندر لے گیا۔ مشروب وغیرہ سے تواضع کرنے کے بعد راحیلہ نے کہا۔

"میں زندگی میں تمہید کو ایک بے مقصد چیز سمجھتی ہوں۔ کنجوس نہیں ہوں لیکن لفظوں کی فضول خرچی بھی مجھے پسند نہیں ہے۔ یعنی جو کہنا ہے فوراً کہہ دو۔"

"جی بیگم صاحبہ۔"

"رانا میں جانتی ہوں کہ آپ ہمیشہ آزاد زندگی بسر کرتے رہے ہیں گو خاں صاحب کی وجہ سے آپ ان علاقوں میں کبھی الیکشن نہیں جیتے لیکن آپ نے کبھی ہمت نہیں ہاری۔ آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی کہ یہ الیکشن خاں صاحب نے آپ کو جتایا ہے۔"

"جی میں جانتا ہوں۔"

"وجہ جانتے ہیں؟"

"تھوڑی بہت۔"

"بتانا پسند کریں گے۔" راحیلہ نے کہا۔

"جی۔ راؤ افتخار پچھلے کچھ عرصے سے خاں صاحب سے سرکشی کرنے لگا تھا۔"

"بالکل یہی بات ہے، خاں صاحب نے آپ کو الیکشن جتایا اور اس کے بعد راؤ افتخار میدان سے ہٹ گیا۔ اس کی موت کا الزام آپ پر لگایا گیا۔ اس طرح خاں صاحب نے آپ کو اپنی پارٹی میں شامل ہونے پر مجبور کر دیا اور واقعی ان کے لئے یہ مشکل کام نہیں تھا کہ وہ آپ کو راؤ افتخار کے قتل کا ملزم قرار دے دیتے۔"

"میں جانتا ہوں۔" رانا جبار پھسپھسے لہجے میں بولا۔

"اصل میں خاں صاحب کا اپنا ایک مزاج ہے اور وہ اسی انداز میں داؤ پیچ کرنے کے عادی ہیں لیکن آپ مجھے ایک بات بتایئے، آپ سب لوگوں نے چوڑیاں پہن رکھی ہیں۔"

رانا جبار نے کسی قدر سہمی ہوئی نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھا تھا

"چوڑیاں تو نہیں پہن رکھیں بیگم صاحبہ، لیکن ہم خاں صاحب کے خلاف کچھ کر بھی تو نہیں سکتے۔"

"یہی تو میں جاننا چاہتی ہوں کہ کیوں؟"

"سیدھی سی بات ہے وہ صاحب اختیار ہیں، بادشاہ گر ہیں، ان کی پہنچ دور دور تک ہے۔"

"ٹھیک ہے، لیکن کوئی ایک شخص ایسا تو ہو سکتا ہے جو ان کے اختیارات کی کہانی ختم کر سکے۔"

"بیگم صاحب، ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہوں کہ جو کچھ آپ کہنا چاہتی ہیں خدا کے لئے کہہ دیجئے مجھے بخار آ جائے گا۔"

راحیلہ ہنس پڑی پھر بولی۔ "بتاتی ہوں آپ کو، خاں صاحب مجھے سیاست سکھا رہے ہیں، میں ان کی بیوی کی حیثیت سے خوش و خرم زندگی گزار رہی تھی اور مجھے کسی بھی قسم کی سیاست سے دلچسپی نہیں تھی لیکن مجھے سیاسی طور پر مصروف کر دینا خاں صاحب کے مفادات میں ہے۔ وہ دہرے مزاج کے انسان ہیں، ایک طرف وہ اپنے خلوت کدے کو حسین چہروں سے آباد رکھنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف وہ سیاسی طور پر بھی اپنے اقتدار کے خواہش مند ہیں۔ میں ان کی اس

خواہش سے منحرف نہیں ہوں، ظاہر ہے وہ میرے شوہر ہیں لیکن ان کے اندر جو جذبہ ہے وہ مجھے پسند نہیں ہے، سیاست دان نہیں بننا چاہتی تھی خاں صاحب نے کہا تو میں نے ان کی پیشکش قبول کرلی، لیکن اس کے پس منظر میں خاں صاحب مجھ سے آزادی چاہتے ہیں اور میں پورے اعتماد اور وثوق کے ساتھ یہ بات کہتی ہوں کہ کوئی مرحلہ ایسا بھی آ سکتا ہے جب خاں صاحب مجھے اپنے سیاسی حریف کے طور پر اسی طرح موت کے گھاٹ اتروادیں جس طرح راؤ افتخار کو زندگی سے محروم ہونا پڑا ہے اور اس کی موت کا الزام کسی پر بھی لگادیں۔''

رانا جبار کے بدن میں نمایاں طور پر تھرتھراہٹ پیدا ہوگئی تھی، اس نے لرزتی آواز میں کہا۔''آپ یہ بات تسلیم کرتی ہیں کہ میں نے راؤ افتخار کو نہیں مروایا۔''

''میرے تسلیم کرنے یا نہ کرنے سے کچھ نہیں ہوتا، آپ نے خود یہ بات تسلیم کرلی کہ ایسا ہوا ہے اور آپ خاں صاحب کی پارٹی میں شامل ہوگئے۔''

''زندہ رہنا چاہتا ہوں اور یہ بھی چاہتا ہوں کہ اقتدار میں رہوں اور یہ جانتا ہوں کہ اگر میں پارٹی میں شامل نہ ہوتا تو نہ زندہ ہوتا اور نہ اقتدار میں رہتا۔''

''ایک بات بتایئے رانا جبار، سیاست کیا صرف شمشیر احمد خاں کے گھر کی غلام ہے، کیا کوئی اور دماغ یہاں تک نہیں پہنچ سکتا؟''

''پہنچ سکتا ہے بیگم صاحبہ۔''

''کون ہے وہ؟''

''آپ؟'' رانا جبار نے کہا۔

''ٹھیک کہتے ہیں آپ رانا صاحب، میں کوئی عام عورت نہیں ہوں، شمشیر احمد خاں صاحب نے جب تک مجھے ہاؤس وائف رکھا میں نے کوشش کی کہ ایک اچھی بیوی ثابت ہو سکوں اور جب انہوں نے میرے ساتھ بھی سیاسی داؤ پیچ کھیلنے شروع کیے تو پھر اب میری کوشش ہے کہ ایک اچھی سیاستدان بھی ثابت ہوں اور سیاست کے بہت سے اصولوں سے اب مجھے واقفیت حاصل ہوچکی ہے مثلاً یہ کہ اگر اقتدار میں آنا ہے یا رہنا ہے تو سب سے پہلے اپنے سیاسی حریفوں کو اس قدر پست اور کمزور کردو کہ کبھی وہ تمہارے خلاف آواز نہ اٹھاسکیں یا آواز اٹھانے کے قابل نہ رہیں، رانا جبار! جیسا کہ میں نے تم سے کہا کہ میں تمہید کی قائل نہیں ہوں، ہر کام تو

دی پوائنٹ کرنا چاہتی ہوں تو میں تمہیں پیشکش کرتی ہوں کہ میرے دست راست بن جاؤ ہم لوگ یہ کوشش کریں گے کہ کسی بھی طرح خاں صاحب اپنی قوت کھوبیٹھیں، زندہ رہ کر یا مرکر، لیکن جانتے ہو یہ کام اتنا آسان نہیں ہے، مشکل کام کو ہم بڑی ذہانت اور ذمہ داری کے ساتھ پورا کریں گے، کیا تم میرا ساتھ دو گے؟''

رانا جبار سہمی ہوئی نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔''بیگم صاحب! میں بحالت مجبوری پارٹی میں شامل ہوا ہوں اور اس میں میرا سارا کیریئر داؤ پر لگ گیا ہے، جن لوگوں نے مجھے ووٹ دیئے تھے یہی سوچ کر دیئے تھے کہ میں ایک باہمت انسان ہوں، لیکن جب سے میں نے پارٹی کی رکنیت قبول کی ہے، میرا احترام کرنے والے مجھے ناپسندیدہ نگاہوں سے دیکھنے لگے ہیں اور اس بات سے میں خوش نہیں ہوں لیکن بیگم صاحبہ یہ بات میں جانتا ہوں کہ خاں صاحب بھی اس بات سے لاعلم نہیں ہیں کہ میں دل سے انہیں پسند نہیں کرتا، بیگم صاحبہ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ہوسکتا ہے آپ کے ذریعے وہ میرا امتحان لینا چاہتے ہوں۔'' راحیلہ نے پہلی بار مسکراتی نگاہوں سے رانا جبار کو دیکھا اور بولی''گڈ، جب تم نے کہا تھا کہ کیا میں آپ کو لینے آجاؤں تو میں نے سوچا تھا کہ یہ آدمی زیادہ عقل مند نہیں ہے، لیکن آپ کے ان الفاظ نے میری نگاہوں میں آپ کی شخصیت بدل دی۔ آپ کو تحقیقات کرنے کا پورا پورا حق ہے، میں خاں صاحب کے جاسوس کی حیثیت سے یہ بات نہیں کررہی بلکہ خود میرے دل میں بھی یہ خواہش موجود ہے، سنئے میں اپنی مرضی یا اپنی پسند سے خاں صاحب کی بیوی نہیں بنی وہ کتنے ہی بڑے آدمی ہوں، آپ میری اور ان کی عمر کا تضاد دیکھئے، بہرحال دل تو ہمیشہ میرا ان کو انکل کہنے کو چاہتا تھا اور چاہتا ہے لیکن یہاں میری مجبوری میرے ساتھ ہے، اگر بات سمجھ میں آجائے تو ٹھیک ہے نہیں تو آپ اپنی مرضی کے مالک ہیں، ہاں میری اس خواہش کا اظہار اگر کبھی خاں صاحب پر ہوا تو یہ بات میں سمجھ لوں گی کہ وہ آپ کی زبانی ان تک پہنچی اور اس کے بعد میں آپ کی دشمن بن جاؤں گی۔ بہرحال شمشیر احمد خاں کی بیوی ہوں، آپ سے انتقام لینے میں مجھے زیادہ دقت نہیں ہوگی۔''

رانا جبار سنسنی خیز نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھتا رہا تھا پھر اس نے کہا''ٹھیک ہے بیگم صاحبہ میں کسی نہ کسی طریقے سے آپ سے ملاقات کرتا رہوں گا، آپ یہ سمجھ لیجئے کہ نوے فیصد میں

آپ سے اتفاق کرتا ہوں اور آپ کی بات ماننے کو تیار ہوں، دس فیصد میں صرف میرا خوف ہے، آپ مجھے تھوڑا سا موقع ضرور دیں گی۔"

"ٹھیک ہے۔" راحیلہ نے کہا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"رکشہ سے واپس جائیں گی؟"

"ہاں۔" راحیلہ نے جواب دیا۔

"مجھے اچھا نہیں لگے گا۔"

"اور کچھ۔" راحیلہ نے مسکرا کر کہا۔ رانا خاموش ہو گیا تھا۔ اس نے رکشہ کے لئے راحیلہ کے ساتھ باہر آنا چاہا لیکن راحیلہ اس کے لئے بھی تیار نہیں ہوئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد رانا جبار بہت دیر تک بیٹھا سوچتا رہا تھا۔ اسے اب بھی شبہ تھا کہ راحیلہ اس سے مخلص ہے یا یہ واقعی شمشیر احمد خاں کی کوئی چال ہے۔ وہ جاننا چاہتے ہیں کہ رانا ان سے مخلص ہے یا نہیں لیکن اس شبے کی تردید خود اس کا ذہن کر رہا تھا۔ شمشیر احمد خان اس قدر صاحب اختیار ہے کہ جو چاہے کر سکتا ہے اسے یہ سب کچھ کرنے کی ضرورت نہیں تھی، تاہم ابھی احتیاط لازم تھی۔ ادھر راحیلہ سوچ رہی تھی کہ اس کا یہ قدم بہتر بھی ہو گا یا نہیں۔ رانا جبار ابن الوقت ہے وہ اپنے اقتدار اور اختیارات کو وسیع کرنے کے لئے تو سب کچھ کر سکتا ہے لیکن اگر اس راز کو طشت از بام کرنے سے اسے کچھ حاصل ہونے کی امید ہو جائے تو وہ گریز نہیں کرے گا۔

اس کے ساتھ ہی اسے ایک اور احساس ہوا تھا وہ یہ کہ رانا جبار عمر رسیدہ نہیں تھا لیکن اس نے اس تنہا ملاقات کے باوجود اس سے متاثر ہونے کا اظہار نہیں کیا تھا اور خاصی حد تک سپاٹ رہا تھا...... کیوں؟ ایسا اکثر ہوتا نہیں۔

اس احساس نے راحیلہ کو کسی حد تک اُداس کر دیا۔ اسے کوئی اقتدار نہیں چاہئے تھا کوئی حیثیت نہیں چاہئے تھی، اسے تو بس مملکت حُسن کی شہنشاہیت درکار تھی۔ یہ کیا ہوا کیا خان صاحب کی قربت نے اس کے حُسن میں گہن لگا یا ہے۔ اگر ایسا ہے تو بہت بُرا ہوا۔ گھر واپس جا کر وہ نہ جانے کب تک آئینے میں خود کو دیکھتی رہی تھی۔ پھر وہ دیر تک بستر پر لیٹی سوچتی رہی تھی۔ خاں صاحب سے چھٹکارا اب بہت ضروری تھا۔ لیکن کیا رانا جبار سے یہ کام لیا جا سکتا ہے لیکن صرف رانا جبار کافی نہیں ہے۔ حویلی میں اس کے کچھ اور راز دار بھی ہونے چاہئیں کچھ ایسے

لوگ جو نچلی سطح کے ہوں اور رقم کے لالچ میں اس کا ساتھ دیں۔ ایسے کون لوگ ہو سکتے ہیں اور پھر حویلی سے دور رہ کر یہ کام کیسے ہو سکتا ہے۔ اسے حویلی واپس جانا ہو گا لیکن کیسے؟

❁......❁......❁

ہارونہ شمشیر احمد خاں کی حویلی میں داخل ہو گئی۔ خاں صاحب نے اس کا خیر مقدم کیا تھا۔

"آپ تنہا آئی ہیں۔"

"آپ نے تنہا ہی بلایا تھا۔"

"کیا بات ہے۔ آپ بہت زیادہ خود اعتماد ہیں یا پھر آزاد خیال۔"

"براہ کرم آپ میرے آئیڈیل کی توہین نہ کریں۔"

"سوری میں سمجھا نہیں۔"

"آپ میرا آئیڈیل ہیں۔ آپ کا حکم ملا کہ میں آ جاؤں اور میں آ گئی۔ نہ میں زیادہ خود اعتماد ہوں اور نہ آزاد خیال۔ میں بس یہ جانتی تھی کہ مجھے کس نے بلایا ہے، اس کے بعد میں نے اور کچھ نہیں سوچا۔"

خاں صاحب غور سے اسے دیکھنے لگے تھے پھر انہوں نے کہا "اس اعزاز کا صلہ کیا دوں تمہیں مس شاہ۔"

"دیں گے؟" ہارونہ نے پوچھا۔

"منہ مانگا۔"

"وہ پھول توڑ کر میرے بالوں میں سجا دیجئے۔" ہارونہ نے ایک طرف اشارہ کیا۔

اور خاں صاحب حیران رہ گئے۔ پھر انہوں نے اس کی خواہش کی تکمیل کر دی اور بولے

"اس کے علاوہ۔"

"بس۔"

"کتنا وقت دے سکتی ہو مجھے؟"

"آخری سانس تک۔" ہارونہ بولی۔

"آؤ۔ پھر فارم ہاؤس چلتے ہیں۔"

فارم ہاؤس پہنچ کر خاں صاحب نے ہارونہ سے پوچھا۔ "گھر میں اور کون ہے۔"

"دو پریشان حال ماں باپ۔ تین بہنیں اور میں۔"

"پریشان حال کیوں۔"

"دو بہنیں مجھ سے بڑی ہیں۔ ایک چھوٹی۔ چار بیٹیوں کا بوجھ ہے ان پر۔ وہ معمولی سی ملازمت کرتے ہیں۔ ایک گارمنٹ سٹور پر سیلز مین ہیں۔"

"اخبار کو ملنے والے اشتہارات وغیرہ سے آپ کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا۔"

"میری تنخواہ میں ایک ہزار کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔"

"بس۔"

"نہیں جناب۔ یہ معمولی اضافہ نہیں ہے۔"

"چلیں پھر یہ اخبار خرید لیتے ہیں۔ آپ اس کی مالک ہوں گی اور وہ سارے آپ کے ملازم، اخبار کے مالک سمیت کیا خیال ہے۔"

"زیدی صاحب یہ اخبار کبھی نہیں بیچیں گے وہ اس سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں۔"

"اور ہم آپ سے جذباتی رشتہ رکھتے ہیں۔ اول تو زیدی صاحب کی یہ مجال نہیں کہ وہ ہمارے حکم کو ٹال سکیں۔ اور پھر دوسرا اخبار بھی نکالا جا سکتا ہے۔ زیدی صاحب کا سارا اسٹاف آپ اچھی تنخواہ پر اٹھا لیں۔"

"آہ! کاش۔" ہارونہ نے کہا۔

"سمجھ لیں ایسا ہو گیا۔ لیکن" خاں صاحب رُک گئے اور ہارونہ سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ "لیکن اس کے بعد آپ ہماری ہوں گی۔"

ہارونہ نے زیادہ تجاہل برتنا مناسب نہیں سمجھا۔ زیادہ اداکاری کبھی کبھی بات بگاڑ دیتی ہے کچھ دیر تک وہ خاموش رہی پھر نگاہیں جھکائے جھکائے بولی "میرے گھر آیئے پلیز۔ میرے ماں باپ آپ کی پذیرائی کریں گے اور آپ۔"

"ٹھیک ہے۔" خاں صاحب نے کہا۔ ہارونہ کو اس کے گھر چھوڑ کر خاں صاحب واپس حویلی پہنچے تو راحیلہ نے ان کا استقبال کیا تھا۔

خاں صاحب، راحیلہ کو دیکھ کر حیران ہو گئے تھے۔ ایک لمحے تک ان کے چہرے پر حیرانی کے آثار قائم رہے اور پھر راحیلہ نے ہلکی سی درشتگی ان کے نقوش میں پائی۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا تھا، خاں صاحب کی آنکھوں کو وہ اچھی طرح پہچانتی تھی اور اس وقت اسے وہ آنکھیں بدلی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ وہ مسکراتی ہوئی آگے بڑھی تو خاں صاحب نے کہا "ہمیں کسی قسم کی اطلاع دیئے بغیر تم کیسے واپس آ گئیں راحیلہ؟"

"بس دل چاہا۔" راحیلہ نے محبوبیت سے کہا۔

"نہیں راحیلہ! یہی تو کمزوری ہے ہماری فطرت میں، بہت چھوٹی سی عمر میں ہمارے اندر یہ بڑائی پیدا ہو گئی تھی کہ جو کچھ ہم چاہتے تھے اس کا ہونا ضروری ہو جاتا تھا، نافرمانی ہمیں بالکل پسند نہیں تھی اور آج بھی یہی کمبخت عادت دل و دماغ پر سوار ہے، ہمارے خیال میں تم نے نافرمانی کی داغ بیل ڈال دی ہے اور ہم تمہیں اپنی کمزوری بتا چکے ہیں۔"

راحیلہ دو قدم آگے بڑھی اور بھرپور اداکاری کرتی ہوئی بولی۔ "میں اپنی اس جرأت کے لئے سخت شرمندہ ہوں اور معافی کی خواستگار ہوں مگر کیا کروں عورت ہوں اور عورت اپنے سہاگ کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز سمجھتی ہے، ایک خواب مجھے یہاں لے آیا ورنہ آپ کی اجازت کے بغیر میں کبھی ایک قدم نہ اٹھاتی۔"

"خواب؟"

"ہاں، حالانکہ یہ بھی جانتی ہوں کہ خواب دماغ کی اختراع ہوتے ہیں۔ معدے کی خرابی سے جنم لیتے ہیں، لیکن انسان کمزوریوں کا پتلا ہے، میں نے آپ کو مشکل میں گھرے ہوئے دیکھا، میں نے دیکھا کہ آپ کے چاروں طرف پانی ہی پانی ہے، یہ پانی بلند ہو رہا ہے اور آپ اس میں ڈوبتے جا رہے ہیں، میں بڑے جتن کرتی ہوں کہ کسی طرح آپ کو پانی سے نکال لوں مگر پانی آپ کے کندھوں سے اوپر پہنچ چکا ہوتا ہے میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ آپ یقین نہیں کریں گے کہ میرا سارا بدن اسی طرح پسینے میں تر تھا جس طرح کوئی پانی میں ڈوب کر نکلتا ہے۔ بس اس وقت سے تڑپ رہی تھی آپ تک آنے کے لئے اور پھر بے اختیار چلی آئی۔ معافی چاہتی ہوں، سخت شرمندہ ہوں۔"

خاں صاحب اسے دیکھتے رہے پھر بولے۔

"اس کے باوجود تمہیں ہم سے ٹیلی فون پر رابطہ قائم کرنا چاہئے تھا یہاں آنے کی اجازت لینی چاہئے تھی۔"

"اپنے گھر میں بھی؟"

"کبھی اس غلط فہمی کا شکار مت رہنا، ہم نے تم سے یہ کبھی نہیں کہا کہ یہ تمہارا گھر ہے، جو چیز جس کی ہوتی ہے اسی کی ملکیت رہتی ہے۔ اپنے ہاتھ سے ہم نے تمہیں جو کچھ دے دیا وہ تمہارا، لیکن جس چیز کے لئے ہم نے تم سے یہ نہیں کہا کہ وہ تمہاری ہے، اس پر کبھی اپنا حق نہ جتانا، تمہارے حق میں بہتر نہیں رہے گا۔"

راحیلہ نے گردن جھکالی اور بولی "آپ سخت ناراض ہیں، ہمارا یہ خیال تھا کہ آپ مجھے اچانک دیکھ کر خوش ہو جائیں گے، جس طرح میں کبھی اچانک آپ کو دیکھ کر خوش ہو جاتی ہوں لیکن بہرحال اگر میری یہ جسارت آپ کے اصولوں سے ٹکراتی ہے تو میں شرمندہ ہوں اور معافی چاہتی ہوں۔"

"واپس جاؤ اور ہمارے دوسرے حکم کا انتظار کرو۔" خاں صاحب نے سخت لہجے میں کہا اور واپسی کے لئے مڑ گئے۔

راحیلہ انہیں دیکھتی رہ گئی تھی اور اس وقت اس کی آنکھوں میں نفرت کے شدید آثار نمودار ہو گئے تھے، دل چاہتا تھا کہ پیچھے سے اس شخص کے بدن میں اتنی گولیاں اُتار دے کہ سوراخ گنے بھی نہ جاسکیں وہ واپس پلٹ گئی۔ خاں صاحب اسے ماموں جان کے گھر جانے کے لئے کہہ گئے تھے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ گھر واپس چلی جائے۔ چنانچہ اس نے ڈرائیور کو طلب کیا اور کچھ دیر کے بعد لینڈ کروزر میں چل پڑی لیکن راستے بھر اس کا ذہن لاوے کی طرح کھولتا رہا تھا۔

ماموں احتشام الدین نے اسے فوراً واپس آتے ہوئے دیکھ کر حیرت سے کہا "تم تو خاں صاحب کے پاس گئی تھیں۔"

"ہاں انہوں نے مجھے الٹے پاؤں واپس کر دیا۔" راحیلہ مسکرا کر بولی۔

"کیوں؟"

"پتہ نہیں، ان دنوں وہ کچھ بدلے بدلے نظر آتے ہیں۔" احتشام الدین عجیب سی

نگاہوں سے راحیلہ کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

❁......❁......❁

مرزا احمید، رانا جبار کا بچپن کا دوست تھا۔ رانا اس کی ذہنی صلاحیتوں کو جانتا تھا، اسے پتہ چلا تھا کہ مرزا احمید بہت ذہین اور چالاک آدمی ہے، حرفوں کا بنا ہوا ہے، بے شک رانا جبار کی دوستی نے اسے ممتاز کر دیا تھا۔ وہ اپنے خاندان کو چھوڑ کر دور دراز علاقے میں آباد ہو گیا تھا۔ رانا نے اسے زمینیں دی تھیں اور اچھا خاصا زمیندار بن گیا تھا وہ، اپنے اہل خاندان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اس وقت رانا جبار نے مرزا احمید کو طلب کر لیا تھا، مرزا احمید اس کے پاس آ گیا۔

"میں نے تمہیں ایک مشاورت کے لئے بلایا ہے۔"

"تیری خدمت میں حاضر ہوں یار حکم کر۔"

"تمہیں یہاں کے سارے حالات معلوم ہوں گے؟"

"لے اپنے یار کے بارے میں معلومات نہیں رکھوں گا تو کیا کروں گا۔ سب معلوم ہے مجھے، یار کو میری ضرورت نہیں پڑی، یہ ایک الگ بات ہے، لیکن مجھے تو یار کی زندگی اور سلامتی کی ضرورت ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔"

"مرزا تھوڑی سی تفصیل تو تجھے معلوم ہے، مثلاً یہ کہ شمشیر احمد خاں ہمیشہ میرے مخالف رہے وہ تو تقدیر نے کچھ ایسے حالات مہیا کر دیئے تھے کہ شمشیر احمد خاں مجھے ان علاقوں سے نہ نکال سکے اور میرے خلاف کوئی ایسی کارروائی نہیں کر سکے جو میرے لئے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتی لیکن ان علاقوں میں انہوں نے مجھے کبھی جیتنے نہیں دیا۔ اس بار انہوں نے خفیہ طور پر میری مدد کی اور راؤ افتخار کو ہرا دیا۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ راؤ افتخار کو میں نے نہیں مروایا لیکن خاں صاحب نے یہ الزام مجھ پر ڈال دیا اور مجھے دھمکیاں دیں کہ اگر میں ان کی پارٹی میں شامل نہ ہوا تو راؤ افتخار کے قتل کے الزام میں میری چھٹی کرا دی جائے گی۔ مرزا میں نے خاں صاحب پر ایک بڑا حملہ کرایا مگر تقدیر اچھی تھی ان کی کہ بچ گئے، بعد میں ان کے کھوجی حملہ آوروں کو تلاش کرتے ہوئے یہاں تک آ گئے تھے اور صورتحال میرے حق میں خطرناک ہو گئی، مگر تعجب کی بات

ہے کہ خاں صاحب نے ابھی تک میرے خلاف کوئی ایکشن نہیں لیا، یہ آدمی زہریلے سانپ سے زیادہ خطرناک ہے، یہ بات تم بھی جانتے ہو اور میں بھی، ضرور کوئی دور کی کوڑی لا رہا ہو گا، خطرہ تو ہے مجھے، مگر میرے پاس ابھی تک کوئی حل نہیں ہے۔ البتہ ایک روشنی کی کرن چمکی ہے۔'' پھر رانا جبار نے اپنے دوست کو راحیلہ کے بارے میں پوری تفصیل بتائی۔

مرزا حمید کی آنکھیں چمکنے لگیں اس نے کہا۔

''تقدیر تمہارا ساتھ دے رہی ہے، یہ بات تو تم اچھی طرح جانتے ہو کہ ناگن کا کاٹا بچ جاتا ہے، عورت کا کاٹا نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ عورت نے اچھے اچھوں کو مٹی چٹا دی ہے اور بڑی بڑی سلطنتیں ختم ہو گئی ہیں، خاں صاحب کیا چیز ہیں، میرا تو خیال ہے تم اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھاؤ، اس سے دوبارہ ملاقات ہوئی؟''

''ابھی تک نہیں۔''

''خفیہ طور پر اسے ملو اور اس سے پوچھو کہ وہ کیا چاہتی ہے۔'' رانا جبار پر خیال انداز میں گردن ہلانے لگا تھا۔

❁......❁......❁

خاں صاحب، ہارونہ شاہ کے گھر پہنچ گئے، اس معمولی سے گھرانے میں اتنی بڑی شخصیت کا جس قدر شاندار استقبال ہوتا کم تھا ہر شخص خاں صاحب کے قدموں میں بچھ گیا، خاں صاحب کو اسی طرح کے لوگ پسند تھے انہوں نے اپنی آمد کا مقصد ظاہر کر دیا۔

''محترم بزرگوں سے معذرت کے ساتھ یہ کہنے کی گستاخی کر رہا ہوں کہ میں ہارونہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ ہارونہ مجھے بہت پسند ہیں اور میں آپ لوگوں کو یہ بتانے میں کوئی عار نہیں محسوس کرتا کہ وہ بھی مجھے ناپسند نہیں کرتیں، میں انہیں ان کو شایان شان حیثیت دوں گا، اگر آپ لوگ مجھے، اپنے خاندان میں قبول کر لیں تو۔''

ہارونہ اپنے اہل خانہ کو بتا چکی تھی، وہاں کسی کو کیا اعتراض ہو سکتا تھا، فوراً ہی اس رشتے کی منظوری دے دی گئی اور پوچھا گیا کہ کیا خاں صاحب اس رشتے کو خفیہ رکھنا چاہتے ہیں۔

خاں صاحب ہنس پڑے اور بولے ''زندگی میں جو کبھی نہیں کیا، وہ اب کیوں کروں گا، اگر آپ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی بیٹی کو چوروں کی طرح اپنے گھر لے جاؤں گا تو اس خیال کو ذہن سے نکال دیجئے، اپنے گھر کی عزت اور آبرو کو میں پورے احترام کے ساتھ اپنے گھر لے جاؤں گا، پھر پروگرام ترتیب دیئے لیتے ہیں، نکاح تو ہم آپ کے گھر پر سادگی کے ساتھ کر لیں گے لیکن اس کے فوراً بعد ایک شاندار ولیمہ دیا جائے گا جس سے سب لوگوں کو اس بات کا علم ہو جائے گا کہ ہارونہ اب ہماری زندگی کی ساتھی ہیں۔''

ان لوگوں کو اس سے زیادہ اور کیا چاہئے تھا چنانچہ بخوشی راضی ہو گئے اور خاں صاحب جیسے آدمی کے لئے کسی مسئلے پر کام کرنا بھلا کون سا مشکل تھا، بہت سے لوگ حرکت میں آ گئے اور وہی ہوا، نکاح ہارونہ کے گھر پر سادگی کے ساتھ ہوا لیکن اس کے بعد ولیمہ ایک انتہائی شاندار ہوٹل میں دیا گیا۔ اخبارات کی پوری ٹیم ہوٹل پہنچ گئی تھی۔ دلہن اور دولہا کی تصویریں بنائی گئیں۔

خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے ہارونہ سے کہا ''تم نے دیکھا کہ ہم نے اپنے آپ سے بیویوں کے بارے میں سوال کرنے والی کو کس طرح اپنی پانچویں بیوی بنا لیا؟''

''آپ میری بات سے ناراض تو نہیں ہوئے تھے؟'' ہارونہ نے سوال کیا۔

''نہیں۔'' خاں صاحب مختصراً بولے۔

بہرحال دوسرے دن کے اخبارات خاں صاحب اور ہارونہ شاہ کی تصویروں اور خبروں سے بھرے ہوئے تھے۔ کچھ اخبارات نے طنزیہ لہجہ اختیار کیا تھا اور کہا تھا کہ شادیوں کے رسیا، سیاست کے بادشاہ شمشیر احمد خاں نے پانچویں شادی کر لی۔ اخبار احتشام الدین کے گھر بھی آتے تھے، راحیلہ سے پہلے احتشام الدین نے ہی یہ خبر دیکھی تھی اور دیکھتے رہ گئے تھے۔ ان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، شمشیر احمد خاں سے کوئی بات بعید نہیں تھی۔ احتشام الدین نے اس وقت نہیں سوچا تھا، ان کا خیال تھا کہ راحیلہ کا جادو ایسا سر چڑھ کر بولے گا کہ آئندہ زندگی کے لئے شمشیر احمد خاں سب کچھ بھول جائیں گے لیکن یہاں ان کی سوچ ناکام رہی تھی۔

شمشیر احمد خاں عادی مجرم تھے اور آخر کار انہوں نے جرم کر ڈالا تھا۔ احتشام الدین کے لئے بڑی مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ راحیل احمد کو بھی جواب دینا تھا کیونکہ انہوں نے بڑے اعتماد کے ساتھ راحیلہ کی شادی شمشیر احمد خاں سے کرائی تھی۔ یہ الگ بات ہے کہ خود راحیل احمد کے

دن پھر گئے تھے اولاد نرینہ نہ ہونے کا سارا دکھ جاتا رہا تھا۔ اتنا کچھ دے دیا تھا انہیں شمشیر احمد خاں نے کہ ساری زندگی آرام سے گزر سکتی تھی، لیکن پھر بھی ایک خجالت ذہن میں تھی۔ انہوں نے بہت دیر تک غور کیا۔ راحیلہ کے ردعمل سے بھی خوفزدہ تھے لیکن بہرحال صورتحال کی وضاحت تو کرنا ہی تھی۔

انہوں نے اخبار راحیلہ کے سامنے رکھ دیا اور اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگے۔ راحیلہ نے صبر وسکون کے ساتھ پوری خبر پڑھی اور پھر احتشام الدین کی طرف دیکھنے لگی۔ احتشام الدین کو خاصی حیرت ہوئی تھی، ان کا خیال تھا کہ راحیلہ اپنی عمر کے مطابق ردعمل دے گی لیکن راحیلہ کا چہرہ پرسکون رہا۔

اس نے کچھ لمحوں کے بعد کہا ''ہونا تھا ماموں جان، یہ ہونا تھا، میرا خیال تھا اس میں ابھی تھوڑا سا وقت لگے گا لیکن جلدی ہو گیا، میں نے اسی دن بھانپ لیا تھا جس دن ہارونہ شاہ ان سے سوالات کر رہی تھی۔ خاں صاحب کو تھوڑا سا جان چکی ہوں میں، کسی تلخ بات یا تلخ سوال پر ان پر دوہری ری ایکشن ہوتے ہیں اگر یہ سوال کسی مرد صحافی کے منہ سے نکلے ہوتے تو شاید اسے اپنی ملازمت سے ہی ہاتھ دھونے پڑتے لیکن خاں صاحب کے ہونٹوں کی مسکراہٹ بتاتی تھی کہ کوئی کھیل شروع ہونے والا ہے، خیر...... آپ کا کیا خیال ہے اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔''

''میں پریشان ہوں بیٹا، صرف اس بات سے پریشان ہوں کہ تمہارے اوپر اس کے کیا اثرات ہوں گے؟''

''کیا ہونے چاہئیں آپ کے خیال میں؟''

''میں نہیں جانتا۔''

''ماموں جان! بہت عمر گزار لی ہے آپ نے، مگر زندگی کے بہت سے تجربات میں آپ ناکام ہیں، آپ کا کیا خیال ہے، کیا وہ بوڑھا خرگوش اس قابل تھا کہ میں اس سے عشق کرتی یا اسے پسند کرتی، ایک بہت خوبصورت زندگی کے لئے میں نے اس کا انتخاب کیا اور مجھے وہ زندگی حاصل ہو گئی، اس کے بعد اس نے خود ہی اپنے پیروں پر کلہاڑی مار لی، تین بیویوں کو اپنے راستے سے ہٹا کر اس نے یہ سوچا کہ وہ ناقابل تسخیر ہے، ایسی بات نہیں بعض اوقات بڑے غلط فیصلے ہو جاتے ہیں اور سب سے بڑا غلط فیصلہ اس شخص نے یہ کیا کہ مجھے سیاست کے پھیر میں ڈال دیا خود

اس نے مجھے بہت سے گر سکھائے، باقی اس کے ایماء پر آپ سکھا رہے ہیں، البتہ ایک بات میں آپ سے کہنا چاہتی ہوں کہ سیاست میں سب سے پہلا اور اہم نکتہ یہ ہے کہ رشتے ناتوں کو بھول جاؤ۔ دوستی محبت اور اخوت کی گردن سب سے پہلے کاٹ دو، تب سیاست کی دنیا میں قدم رکھ سکتے ہو، ماموں جان! بڑی معذرت کے ساتھ آپ سے یہ عرض کر رہی ہوں کہ وفاداری کے زعم میں اتنا آگے نہ بڑھ جائیں کہ مجھے آپ کا رشتہ بھول کر سیاسی اقدامات کرنے پڑیں۔''

راحیلہ کے لہجے میں ایک انوکھی غراہٹ تھی جو نہ جانے کیوں احتشام الدین کے اعصاب کو متاثر کرنے لگی، وہ بولے ''تم کیا کہنا چاہتی ہو؟''

''کچھ نہیں، میرا جو بھی ردعمل ہو، یا جو بھی میں کرنا چاہوں آپ صرف اتنا کریں کہ اسے اپنی ذات تک محدود رکھیں، آپ کی زبان سے وہ بات باہر نہ نکلے، یہ میں اس لئے کہہ رہی ہوں کہ میں آپ کے ساتھ رہ رہی ہوں اور آپ میرے ماموں ہیں، اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ایسی صورت میں، میں آپ کے لئے خطرناک ہو سکتی ہوں تو آپ یقین کریں کہ اب اس قدر خود اعتماد ہو چکی ہوں کہ کہیں بھی اپنی رہائش کسی دوسری جگہ منتقل کر سکتی ہوں۔''

''میں تمہارا مطلب سمجھ رہا ہوں بیٹا، میں تمہارا ماموں ہوں اور بچپن سے تم سے محبت کرتا ہوں، میں یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ بھی کرو ہوشیاری کے ساتھ کرو، مجھے تمہاری زندگی عزیز ہے۔''

''بہت شکریہ۔'' راحیلہ نے جواب دیا اور پھر وہ بہت سے پھول اور بہت کچھ لے کر خاں صاحب کے پاس پہنچی تھی۔ خاں صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کا استقبال کیا۔

''یقیناً تم نے ہماری نئی شادی کے بارے میں سن لیا ہوگا؟''

''جی اخبارات میں پڑھا تھا۔''

''یہ پھول اور تحائف؟''

''آپ زندگی بھر مجھے دیتے رہے ہیں، کیا میں آپ کی خوشی میں اتنی سی شرکت بھی نہ کروں، میں آپ کے اختیار کو پہچانتی ہوں، حقیقت یہ ہے کہ انسان اگر زندگی کو انجوائے کرتا رہے تو زیادہ عرصے زندہ رہتا ہے اور خاں صاحب آپ یقین کیجئے میں آپ کی طویل عرصے تک زندگی چاہتی ہوں، مجھے صرف اتنا سا جواب دے دیجئے اگر مناسب سمجھیں تو۔ کیا میں آپ کے نام کے ساتھ زندہ رہ سکتی ہوں۔ آپ کے پاس اس کی گنجائش ہے، آپ جہاں چاہیں مجھے

رکھیں، کوئی مجھ سے پوچھے کہ میں کون ہوں تو بس میں اتنا بتانا چاہتی ہوں کہ میں شمشیر احمد خاں کی بیوی ہوں۔''

شمشیر احمد خان نے ایک لمحے تک غور کیا، وہ ان الفاظ سے متاثر ہوئے تھے، پھر انہوں نے کہا

''ہاں راحیلہ! تم ٹھیک کہتی ہو بہت شکریہ کہ تم نے عام عورت ہونے کا ثبوت نہیں دیا اور میں یقین کرو تمہارے بارے میں، میں نے جب بھی سوچا یہی سوچا کہ تم کوئی عام عورت نہیں ہو۔ بہت اچھا فیصلہ کیا ہے تم نے اور تمہاری جو خواہش ہے تم سمجھ لو میں نے اسے دل سے قبول کرلیا ہے۔ اب ایک دوستانہ مشورہ دوں، تم احتشام الدین کے پاس ہی رہو، تمہیں زندگی بھر کے لئے جو چیز درکار ہو سمجھ لو تمہیں مل گئی۔ اپنے نام کے ساتھ تم میرا نام استعمال کرسکتی ہو۔ احتشام الدین تمہیں سیاست سکھا رہے ہیں، یہ میرا وعدہ ہے کہ میں تمہیں کوئی بڑا عہدہ دلواؤں گا۔ آئندہ الیکشن میں تم کامیاب ہوگی اور اس کے بعد تمہیں عہدہ دلوایا جائے گا، سمجھ رہی ہو نا تم؛ یہ تمہارنے لئے میرا انعام ہوگا۔''

✿......✿......✿

رانا جبار نے راحیلہ کو فون کیا اور بولا۔

''میڈم! آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہوں۔''

''ہاں رانا! بتاؤ مجھے کہاں آنا ہے؟''

''میری رہائش گاہ آپ کو یقیناً یاد ہوگی اور وہ جگہ زیادہ محفوظ ہے کیونکہ خاں صاحب اپنی نئی نویلی دلہن میں مصروف ہیں۔''

''کب پہنچوں تمہارے پاس؟'' راحیلہ نے سوال کیا۔

''رات آٹھ بجے۔''

''میں پہنچ جاؤں گی۔'' راحیلہ بولی۔ رانا کا وہ واقعی بے چینی سے انتظار کررہی تھی۔ شمشیر احمد خاں کے پاس سے آئے ہوئے کئی دن گزر چکے تھے اور اس کا سیاسی ذہن سوچوں میں ڈوبا

ہوا تھا اور وہ کوئی فیصلہ کرنا چاہتی تھی، پھر شاید کوئی منصوبہ اس کے ذہن میں آ گیا تھا اور اس کی تکمیل کے لئے وہ رانا ہی کا سہارا لینا چاہتی تھی۔ بہر حال مطلوبہ وقت پر وہ رانا کی اس رہائش گاہ پر پہنچ گئی۔ رانا نے پہلے سے بھی زیادہ عزت واحترام سے اس کا استقبال کیا تھا۔

راحیلہ مسکرا کر بولی۔ ''تم بہت اچھے انسان معلوم ہوتے ہو رانا جبار، ورنہ لوگ اقتدار کی پوجا کرتے ہیں، چڑھتے سورج کی مثال بالکل صحیح ہوتی ہے، تمہارے انداز میں اس وقت بھی وہی احترام ہے۔''

''اس لئے کہ میں آپ کو اپنا بہت قریبی دوست اور ساتھی سمجھتا ہوں اور آپ کی حیثیت بہر حال میرے لئے اب بھی پہلے سے کم نہیں ہے، براہ کرم آج میرے ساتھ چائے پی لیجئے مجھے خوشی ہوگی۔''

''ٹھیک ہے رانا انتظام کرلیں۔'' رانا نے بڑا پر تکلف اہتمام کیا تھا۔

چائے کے دوران راحیلہ نے کہا۔ ''رانا اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ خاں صاحب کے شادی کے اس اقدام سے مجھے کوئی ذہنی صدمہ ہوا ہے تو یقین کرو اس کا ذرہ برابر بھی شائبہ نہیں ہے۔ میرے اور خاں صاحب کے درمیان عمر کا جو فرق ہے اس کا تمہیں اندازہ ہوگا، کسی بھی ایسی لڑکی کے دل میں جھانک کر دیکھ لو بہت ہی وفا پرست اور وفا شعار ہوگی تو صرف سماج اور خاندانی شرافت کے حوالے سے وہ عمر کے آخری لمحے تک نبھا دے گی۔ ورنہ یہ فرق قدرتی فرق ہے۔ اس میں دلوں کی ہم آہنگی کبھی نہیں ہوسکتی۔ میرے اور شمشیر احمد خاں کے درمیان یہ فرق موجود ہے، بے شک ان کی قربت میں مجھے بہت کچھ ملا ہے لیکن رانا جبار میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میں ایک عام انسان نہیں ہوں۔ خیر میرا خیال ہے میں بات کو طول دے رہی ہوں۔ خاں صاحب نے دوسری شادی کرلی اور میں نہیں جانتی کہ اس کے بعد میرا کیا مقام ہوگا کیونکہ اس سے پہلے کی بیگمات بھی لاپتہ ہو چکی ہیں، ہوسکتا ہے خاں صاحب نے انہیں کوئی مقام دے دیا ہو لیکن حیثیت کا چھن جانا بہت بڑی بات ہوتی ہے وہ تو خیر شوہر پرست تھیں، گزارہ کرگئیں، میں احمق نہیں ہوں کچھ چاہتی ہوں۔ سنو رانا جبار! ایک پیشکش کرتی ہوں تمہیں، میرا ساتھ دو، خاں صاحب کو کسی مناسب طریقے سے راستے سے ہٹانا ہے۔ اتنے مناسب طریقے سے کہ ہمارا کیا دھرا مٹی میں نہ مل جائے۔ اب میں نے تم سے صاف لہجے میں یہ بات کہہ دی ہے تو سمجھ لو میں نے تمہیں اپنے

دوستوں میں اعلیٰ مقام دیا ہے، معاف کرنا رانا جبار جو کچھ میں کہوں اس کا بُرا مت ماننا تم پہلے ایک ناکام کوشش کر چکے ہو، دوسری کوشش اتنی ناکام نہیں ہونی چاہئے جتنی پچھلی بار ہوگئی تھی اور اگر تم سمجھتے ہو کہ خاں صاحب کی نگاہ تم پر نہیں ہے تو یہ تمہاری بے وقوفی ہے، خاں صاحب اچھی طرح جانتے ہیں کہ فارم ہاؤس کے راستے پر ان پر قاتلانہ حملہ کس نے کرایا تھا۔ خاں صاحب نے اسی وقت تمہارا نام لے دیا تھا۔ پھر کھوجی بھی جس جگہ کا پتہ چلاتے ہوئے وہاں تک پہنچے تھے وہ تمہاری ہی طرف اشارہ کرتے تھے۔ مجھ سے بات ہوئی تو خاں صاحب نے کہا کہ انہیں کتے پالنے کا شوق نہیں ہے لیکن وہ دشمن پالنا اس سے افضل سمجھتے ہیں لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ بات جب اپنے ہاتھ سے نکل جائے تب اس کے بارے میں سوچنا پڑتا ہے۔ ورنہ ایسے مہرے ہونے چاہئیں، اس سے آدمی ذرا چوکس رہتا ہے۔''

رانا جبار کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا، وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے راحیلہ کو دیکھتا رہا، راحیلہ نے پھر کہا۔

''خیر میرا مطلب یہ ہے کہ خاں صاحب چھ شادیاں اور کرلیں تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن میں اتنا چاہتی ہوں کہ دوسرے معاملات میں مجھے نقصانات ہو جائیں گے۔ خاں صاحب مجھ سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور پھر میری وہ حیثیت نہیں رہے گی، رانا بہت بڑا بھروسہ کرلیا ہے میں نے تم پر۔ میرا مکمل منصوبہ یہ ہے کہ خاں صاحب کو بہت عمدگی کے ساتھ راستے سے ہٹا دیا جائے اور میں اعلان کردوں کہ خاں صاحب نے مجھے اپنی تمام تر ذمہ داری سونپ دی ہے۔ رانا جبار اس سلسلے میں صرف ایک شخص میرے راستے کا پتھر بن سکتا ہے اور وہ ہے احمد یار خاں۔ خاں صاحب کا د جوان بیٹا جوان کے بعد ان کی جگہ لے سکتا ہے۔ میرا ایک منصوبہ ہے۔ شاید تمہیں اس بات کا علم ہو یا نہ ہو کہ احمد یار اس وقت جب الیکشن کی مہم چل رہی تھی راؤ افتخار کے ساتھ پہلی بار میرے پاس آیا تھا اور میں نے محسوس کیا تھا کہ وہ میری جانب مائل ہے۔ اس وقت مجھے خود بھی علم نہیں تھا کہ خاں صاحب خود مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ احمد یار خاں الیکشن کے بعد واپس چلا گیا اور اس نے اپنے باپ سے درخواست کی کہ وہ اس کی شادی مجھ سے کردیں لیکن خاں صاحب نے اس سے کہہ دیا کہ میں ان کی ہو چکی ہوں تو بیچارہ خاموش ہو گیا لیکن رانا جبار اتنا میں ضرور جانتی ہوں کہ میرے حُسن کا جادو جس پر ایک بار چل

جائے وہ مشکل سے مجھے بھول پاتا ہے۔ میری یہی تاریخ ہے، رانا جبار میں احمد یار خاں کو اپنا شکار بنانا چاہتی ہوں۔ میں چاہتی ہوں کہ اس کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلاؤں۔ یہ موقع ایسا ہے کہ میں احمد یار خاں کی ہمدردیاں حاصل کرسکتی ہوں اور جب احمد یار خاں میرے ٹرانس میں آ کر اپنے باپ کا مخالف ہو جائے تو میرا بڑا کام بن سکتا ہے۔ ایک خواب ہے یہ میرا اور میں اس کی تعبیر حاصل کرنے کے لئے تمہاری مدد سے سارے انتظامات کرنا چاہتی ہوں، میں چاہتی ہوں کہ احمد یار خاں کھلم کھلا اپنے باپ کی موت کا باعث بنے اور جب احمد یار خاں اپنے باپ کو ہلاک کردے تو شمشیر احمد خاں کے سیکیوٹی گارڈ احمد یار خاں کو چھلنی کردیں اور یہ سیکیورٹی گارڈ وہ ہی ہوں گے جو ہوا کرتے ہیں بلکہ یہ تمہارے اپنے آدمی ہوں گے اور یہ سارے انتظامات تم کرو گے اور اگر اتفاق سے سچویشن میں کوئی تبدیلی رونما ہوئی تو ہم موقع کی مناسبت سے اپنا کام کرلیں گے۔''

رانا جبار دہشت زدہ نگاہوں سے اس خوبصورت ناگن کو دیکھ رہا تھا۔ کوئی زہریلی ترین ناگن تو ہلاک کی جاسکتی ہے لیکن عورت جب زہریلی ناگن بن جائے تو اس کی ہلاکت ناممکن ہوتی ہے، اس خوبصورت عورت کے دماغ میں کتنا خوفناک منصوبہ آیا تھا اور اس کا احساس رانا جبار کو ہو رہا تھا، رانا جبار نے لرزتی آواز میں کہا۔ ''میں آپ کی ہر ہدایت پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوں میڈم۔''

''گڈ، اب تم مجھے احمد یار خاں کا ٹیلی فون نمبر اور اس کا ایڈریس بتاؤ۔''

''ٹیلی فون نمبر چونکہ میں نے یاد نہیں رکھا ہے لیکن میرے پاس ہے وہ میں آپ کو فون پر بتادوں گا، ایڈریس بھی پتہ چل جائے گا۔''

''ایڈریس سے زیادہ مجھے ٹیلی فون نمبر کی ضرورت ہے اور اس کے ساتھ ہی اس منصوبے پر کام کرنے کے لئے تمہارے تعاون کی۔''

''میڈم صرف ایک بات کہوں گا شمشیر احمد خاں کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ میں بے شک اس پارٹی میں شامل ہو چکا ہوں لیکن بہر حال مجھے اپنی بقاء بھی عزیز ہے، شمشیر احمد خاں کو اگر یہ بات معلوم ہے کہ ان پر قاتلانہ حملہ میں نے کرایا ہے تو پھر یوں سمجھئے کہ میری زندگی بھی ختم ہے، وہ اپنے آپ کو نقصان پہنچانے والوں کو کبھی زندہ نہیں چھوڑتے۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ انہوں

نے کسی کارڈ کے طور پر زندہ رکھا ہوا ہے، کسی مناسب وقت استعمال کرنے کے لیے، میں اپنی جان بھی بچانا چاہتا ہوں چنانچہ آپ کے لئے ہر قدم مجھے منظور ہے۔''

''تو پھر ٹھیک ہے مجھے احمد یار خاں کا ٹیلی فون نمبر فوراً بتاؤ۔'' راحیلہ نے کہا۔

✿......✿......✿

رانا جبار نے یہ کام فوراً ہی کر ڈالا۔ اب راحیلہ کو اپنے تمام حربے استعمال کر کے احمد یار خاں کو اپنے جال میں پھانسنا تھا، چنانچہ تمام تر احتیاط کے ساتھ اس نے احمد یار خاں کو فون کیا۔ فون کے لئے ایسے وقت کا انتخاب کیا گیا تھا جب احمد یار خاں اپنی آرام گاہ میں ہو۔ راحیلہ کا فون احمد یار خاں ہی نے وصول کیا تھا۔

''ہیلو کون؟''

''احمد میں راحیلہ بول رہی ہوں۔''

''جی محترمہ، میں احمد یار بول رہا ہوں۔'' احمد یار خاں کی الجھی ہوئی آواز سنائی دی۔

''وہ تو میں نے تمہاری آواز سے پہچان لیا تھا۔ احمد یار خاں میرا خیال ہے میں تمہیں مبارک باد دوں کہ تمہارے والد نے ایک نئی شادی کر لی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ تمہیں اس کا علم ہے یا نہیں۔''

''مجھے علم ہے محترمہ۔'' احمد یار خاں نے جواب دیا۔

''میں اپنی جنت سے نکال دی گئی ہوں، ماموں احتشام کے پاس میرا ٹھکانہ بن گیا ہے کچلی ہوئی یادوں کے ساتھ جینے کے لئے۔ انہیں یادوں میں ایک یاد تم ہو احمد یار خاں۔ ٹیلی فون پر اس سے زیادہ بات نہیں کر سکتی۔ کیا تم ایک ایسی محروم لڑکی کی کچھ دادرسی کر سکتے ہو جو دنیا میں بہت سے رشتے ہونے کے باوجود تنہائی محسوس کر رہی ہے اور اس کی بھٹکتی ہوئی نگاہیں ہر طرف کا جائزہ لے رہی ہیں اور اس کا دل بے آواز چیخ رہا ہے کہ کوئی ہے، کوئی ہے جو اسے سن لے، احمد یار خاں تم مجھے سنو گے، مجھے سننا پسند کرو گے۔'' راحیلہ کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی۔ دوسری طرف خاموشی طاری ہو گئی تھی۔

پھر احمد یار خاں نے آہستہ سے کہا۔ ''میں آپ سے کیا عرض کروں بہت دور بیٹھا ہوا ہوں۔''

''قریب ہی تو بلانا چاہتی ہوں تمہیں، تھوڑی دیر کے لئے ہی سہی آ جاؤ کم از کم یہ سمجھ لو کہ جس کی ذات سے میں نے کچھ امیدیں وابستہ کیں اس نے مجھے سن کر ہی تھوڑا سا وقت دے دیا ہے۔ بولو احمد یار خان آ سکتے ہو، میں ماموں احتشام الدین کے ہاں مقیم ہوں، وہیں رہنا میری تقدیر بنا دی گئی ہے، آؤ گے احمد؟''

''مجھے ایک لحہ سوچنے کے لئے دیجئے۔'' احمد یار خاں نے کہا۔

دیر تک خاموشی چھائی رہی پھر اس نے کہا۔

''یہاں سے واپسی کے انتظامات میں مجھے کم از کم ایک ہفتہ لگ جائے گا۔ اس کے بعد میں وطن پہنچ کر آپ سے رابطہ قائم کروں گا۔''

''صرف مجھ سے احمد یار خاں، کسی اور سے نہیں، پہلے مجھے سن لینا اس کے بعد فیصلہ کر کے جہاں دل چاہے چلے جانا۔''

''میں آپ ہی کے پاس آؤں گا۔'' دوران گفتگو راحیلہ لرزتی اور سسکتی رہی تھی۔ بڑا تاثر تھا اس آواز میں مگر دوسری طرف سے سلسلہ منقطع ہونے کے بعد اس نے پیٹ پکڑ پکڑ کر قہقہے لگائے تھے۔ اتنے قہقہے کہ اس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے تھے۔ بہت عرصے کے بعد کسی اور مرد کو بے وقوف بنانے کا موقع ملا تھا۔

✿......✿......✿

رانا جبار سے راحیلہ کا مسلسل رابطہ تھا اور اس سلسلے میں نہ صرف راحیلہ بلکہ رانا جبار بھی انتہائی احتیاط اور ہوشیاری سے کام کر رہا تھا، اس نے دو افراد متعین کئے تھے جنہیں خود شمشیر احمد خاں بھی نہیں جانتے تھے نہ ہی رانا جبار کے علاقے سے ان کا تعلق تھا۔ لیکن بہرحال وہ رانا کے وفادار تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس دور میں دولت ہر چیز مہیا کر دیتی ہے۔

کوئی چودہ دن گزر گئے تھے، چند ہی روز کے بعد احمد یار خاں نے ٹیلی فون کر کے کہا تھا

"کتنی عجیب بات ہے کہ آپ نے ساری گفتگو کی لیکن مجھے اپنے رابطے کا نمبر نہیں دیا، وہ تو اتفاق سے میرے سی ایل آئی پر آپ کا نمبر تھا، ورنہ ظاہر ہے بڑی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔ آپ سے رابطے کے لئے کیونکہ احتشام الدین صاحب کے سامنے تو آنا ہی نہیں تھا۔"

"میں ذہنی طور پر ٹھیک ہوں ہی کہاں؟"

"میں نے انتظامات کر لئے ہیں جیسے ہی وطن پہنچا آپ کو اطلاع دوں گا۔"

اور بالآخر راحیلہ کو اپنے موبائل پر ایک خفیہ فون موصول ہوا۔ "آپ کا طلب کردہ مہمان آپ کی خدمت میں پہنچ گیا ہے، رائل ہوٹل کے کمرہ نمبر ایک سو پانچ میں آپ کا مہمان مقیم ہے، جب بھی آپ پسند کریں۔"

"میں آ رہی ہوں۔"

راحیلہ نے ایک ایسے لباس کا انتخاب کیا جس میں سادگی بھی تھی، پرکاری بھی۔ اس طرح وہ احمد یار خاں کے سامنے پہنچی۔ پہلی نگاہ میں اس نے احمد یار خاں کے تاثرات کو محسوس کر لیا۔ اسے اپنا مشن کامیاب لگا تھا۔ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ وہ احمد یار خاں سے ملی۔

"میں فیصلہ نہیں کر پائی احمد یار خاں کہ میں تم سے کیسے ملوں، کبھی کبھی تقدیر کے کھیل اتنے ہی بھیانک ہوتے ہیں۔"

"آیئے...... بیٹھئے۔"

"تمہارا شکریہ احمد یار خاں کہ تم نے مجھے کسی نام سے نہیں پکارا، میری کچلی ہوئی شخصیت کو اور نہ کچلا۔ اگر کوئی اتنا ہی خیال کر لے تو معمولی بات نہیں ہوتی۔ میرے اور تمہارے درمیان جو رشتہ بنا دیا گیا ہے وہ بڑا دردناک ہے احمد یار خاں۔"

"آپ کیسی ہیں؟"

"احمد یار خاں کبھی کبھی انسان اپنے حالات سے مجبور ہو کر اس قدر پستیوں میں جھک جاتا ہے کہ اس کی اپنی کوئی شخصیت نہیں رہتی، ایک زمانہ تھا کالج کی زندگی تھی، لوگ مجھے ایک خاص اہمیت دیتے تھے، اس بات کے اعتراف میں کوئی عار نہیں محسوس کرتی کہ درمیانے درجے کے گھر سے تعلق رہا اور فراغتیں حاصل نہ رہیں جو مجھے ایک اونچا معیار بھی دے سکتیں۔ ماموں احتشام کے پاس آ گئی۔ وہاں خاں صاحب تشریف لائے، کیا تم یقین کرو گے احمد یار خاں کہ میں نے

انہیں بڑے احترام کی نگاہوں سے دیکھا۔ مجھے اجازت دو کہ اس وقت جو میرے دل میں ہے تمہارے سامنے کہہ دوں اور کچھ نہیں ہوگا تو کم از کم دل کا بوجھ ہی ہلکا ہو جائے گا۔ ہاں تو میں کہہ رہی تھی کہ شمشیر احمد خاں کو میں نے احترام کی نگاہوں سے دیکھا، ماموں احتشام الدین نے الیکشن کے دور میں جو کچھ ذمہ داریاں میرے سپرد کیں میں نے انہیں سرانجام دیا اور اسی دوران مجھے تم نظر آ گئے میں نے اپنی تقدیر کو کبھی اس قابل نہیں سمجھا کہ میں اتنی بلندیاں چھولوں لیکن احمد یار خاں تم میرے دل پر ایک نقش چھوڑ گئے اور وہ نقش آج بھی میرے سینے میں جل رہا ہے، احمد یار خاں مجھ سے پوچھا گیا کہ میں کسے پسند کرتی ہوں، احمد یار خاں یا شمشیر احمد خاں تو میں حیران رہ گئی۔ شمشیر احمد خاں کو میں ایک بزرگ کی حیثیت سے تو پسند کر سکتی تھی کسی اور حیثیت سے بھلا کہاں دلوں کے سودے عمر کے ساتھ ساتھ ہوتے ہیں۔ ماموں احتشام الدین میرے پیر پڑ گئے۔ انہوں نے کہا کہ مجھے میری منزل کبھی نہیں مل سکے گی۔ وہ اپنے اہل خاندان کے ساتھ تباہ ہو جائیں گے۔ بھلا شمشیر احمد خاں انہیں کہاں چھوڑیں گے، اس نے نجانے کیا کیا جتن کر کے ماموں احتشام الدین نے میری گردن جھکا دی اور مجھے بے دست و پا کر کے شمشیر احمد خاں کی خلوت میں پہنچا دیا۔ احمد یار خاں کتنی سسکی، کتنی تڑپی تھی میں لیکن بھلا تم سے رابطہ کرنے کی کیا گنجائش تھی۔ تقدیر کے فیصلے کو قبول کیا میں نے، بڑی خدمت کی میں نے ان کی لیکن انہوں نے اس خدمت کا صلہ مجھے یہ دیا کہ مجھے اپنی دنیا سے نکال دیا، میں بہت خوش ہوں یہاں آ کر۔ کم از کم مجھے وہ اذیتیں تو نہیں برداشت کرنا پڑتیں لیکن نہ جانے کیوں یہاں آنے کے بعد میرے دل میں تمہاری یاد طوفان کی طرح اُمڈ پڑی، میرے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، نہ جانے کیسے کیسے جتن کر کے میں نے تمہارا پتہ حاصل کیا اور تم سے رابطہ کیا۔ بس شاید تم یقین نہ کرو کہ دل کے دوازے کھول کر مجھے کتنا سکون مل رہا ہے کم از کم میں نے تم سے دل کی بات تو کہہ دی۔"

راحیلہ گردن جھکا کر سسکیاں لینے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

ایک لمحے کے لئے احمد یار خاں کے چہرے پر کشمکش کے آثار پیدا ہوئے لیکن پھر اس نے خود کو سنبھال لیا اور بولا۔ "تقدیر نے ہم دونوں سے مذاق کیا ہے راحیلہ میں اپنے باپ کے سامنے ہمیشہ بزدل رہا، کبھی بھی ان سے وہ نہ مانگ سکا جو میں خود چاہتا تھا جو انہوں نے دے دیا اسی پر صبر کر لیا، راحیلہ کاش تم یہ سب کچھ مجھ سے نہ کہتیں اب تو دل کی خلش اور بڑھ گئی ہے۔"

''اپنے لئے تم نے کبھی احمد یار خاں، خاں صاحب سے کچھ نہیں مانگا لیکن ایک ایسی بدنصیب جسے زندگی نے کچھ نہیں دیا اگر تم سے مدد کی درخواست کرے تو مجھے بتاؤ کیا یہ غلط ہے، کیا تم اس کی مدد نہیں کرو گے۔''

''تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم چاہتی کیا ہو؟''

''چھٹکارا، اس شخص سے چھٹکارا جس نے میری آرزوؤں کو پامال کر کے بھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ کم از کم وہ مقام ہی میرے پاس رہنے دیتا، اب تو بس میں ایک تماشا ہوں جسے لوگ دیکھیں گے اور ہنسیں گے۔''

احمد یار خاں سوچ میں ڈوب گیا، بہت دیر تک سوچتا رہا پھر بولا۔ ''اب میں تمہیں بھی اپنے دل کی بات بتانا چاہتا ہوں میری ماں کا انتقال ہو گیا، خاں صاحب اگر چاہتے تو مجھے اپنی قربت میں جگہ دے سکتے تھے لیکن انہوں نے اپنے شبستانوں میں میرا سایہ بھی پسند نہ کیا اور مجھے خود سے دور پھینک دیا۔ میں ایک لاوارث انسان کی طرح جیتا رہا مگر میں نے پھر بھی ایک باپ کی لاج رکھی۔ سر جھکائے خاں صاحب کے ہر حکم کی تعمیل کرتا رہا۔ وہ مجھے اپنے آپ سے دور رکھنا چاہتے تھے میں نے ان کی یہ خواہش بھی پوری کی اور ان سے دور رہا۔ کچھ بھی نہیں ملا ہے مجھے...... البتہ خاں صاحب مجھ سے بہت کچھ چھینتے رہے ہیں۔ یہاں تک کہ انہوں نے تمہیں بھی مجھ سے چھین لیا۔ خیر یہ ان کی مرضی تھی، مگر مجھے یہ بتاؤ کہ میں یہاں بے یارومددگار ہوں۔ خاں صاحب کے خلاف کچھ کرنا بھی چاہوں تو بالکل تنہا اور بے وسائل ہوں۔''

''اور اگر میں تمہیں مددگار مہیا کر دوں تو......''

احمد یار خاں نے چونک کر راحیلہ کو دیکھا پھر بولا ''میں سمجھا نہیں۔''

''بے وسائل نہیں ہوں، میں نے تگ و دو کی ہے۔ کم از کم ذہنی حد تک کیونکہ میں میں بہت کچھ کھو چکی ہوں اور اب میں زیادہ کھونا نہیں چاہتی، جو کھو چکا ہے وہ بہت کچھ ہے، مجھے میری زندگی میں اب کوئی مقام درکار ہے۔ بولو اگر میں تمہیں کوئی مددگار مہیا کر دوں تو کیا تم میرا ساتھ دو گے؟''

''کیا وہ مددگار قابل اعتبار ہو گا؟''

''ہاں یقیناً قابل اعتبار ہو گا۔''

''مجھے سوچنے کا موقع دو گی، حالانکہ میرے پاس بہت زیادہ وقت نہیں ہے۔''

''نہیں احمد یار خاں اب تم میرا مستقبل بن جاؤ، سمجھے ہمیں شمشیر احمد خاں کو راستے سے ہٹانا ہو گا، ایک پروگرام رکھیں گے ہم، میں اب تم سے یہ کہنے میں کوئی دقت نہیں محسوس کر رہی، ہم دونوں کو لوٹا گیا ہے، ہم لٹیرے کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔''

''اس طرح جذباتی نہ ہو راحیلہ، تھوڑا سا غور کرو سوچو۔ پہلے مجھے یہ بتاؤ کہ کیا کوئی ایسا قابل اعتماد شخص تمہاری نگاہوں میں ہے۔''

''ہاں ہے، مجھے سیاست سکھائی جا رہی ہے اور سیاست میں یہ بات سب سے پہلی حیثیت رکھتی ہے کہ اپنے بارے میں سوچو، دوسروں سے مسکرا کر ملو ان سے بھی جن کی زندگی تم ایک لمحے کے لئے بھی پسند نہ کرتے ہو۔''

''وہ مددگار کون ہو سکتا ہے ایسا؟'' احمد یار خاں نے پر خیال انداز میں کہا۔

''رانا جبار۔'' راحیلہ آہستہ سے بولی۔

احمد یار خاں کے چہرے پر انتہائی حیرت کے آثار نمودار ہو گئے۔ بہت دیر تک وہ خاموش رہا پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔ ''کیا رانا جبار آپ کے لئے یہ کام کر سکتا ہے؟''

''ہاں اس کی کچھ وجوہات ہیں، یہ بات طے ہے کہ رانا جبار ہمیشہ سے شمشیر احمد خاں کا مخالف رہا ہے، وہ تو راؤ افتخار بدنصیب تھا کہ اس نے بعض معاملات میں شمشیر احمد خاں سے انحراف کیا اور ان کی نگاہوں سے گر گیا، جس کے نتیجے میں اسے الیکشن ہارنا پڑا۔ بھلا کسی کی مجال تھی کہ شمشیر احمد خاں کے علاقے میں الیکشن جیت جاتا۔ پھر راؤ افتخار اپنی سرکشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ شمشیر احمد خاں نے اسے قتل کرایا، رانا جبار کو انہوں نے مجبور کیا کہ وہ پارٹی تبدیل کرے اور ان کی پارٹی میں شامل ہو جائے، اسے انتہائی حقیر طریقے سے پارٹی میں شامل ہونا پڑا، کیونکہ شمشیر احمد خاں صاحب نے راؤ افتخار کا قاتل اسے قرار دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ وہ راؤ افتخار کے قاتل کی حیثیت سے گرفتار ہو کر اپنا سب کچھ کھو بیٹھے گا۔ یہ تمام باتیں ایسی نہیں تھیں جو وہ خاں صاحب کا وفادار رہتا، مجبوری ایک الگ چیز ہوتی ہے۔''

احمد یار خاں دیر تک سوچتا رہا تھا پھر اس نے کہا ''کیا رانا جبار کا آپ سے رابطہ ہو چکا ہے؟''

"ہاں......ہو چکا ہے۔"

"اسے طلب کیجئے، مجھ سے ملایئے۔"

"میں اسے بلاتی ہوں۔" راحیلہ نے کہا۔

◈......◈......◈

رانا سخت خوفزدہ تھا بڑی مشکل سے وہ احمد یار خاں سے ملنے کو تیار ہوا۔ احمد یار خاں اب بالکل پُر اعتماد نظر آ رہا تھا اس نے کہا۔ "ہاں رانا جبار زندگی اسی طرح رُخ بدلتی ہے، کبھی کبھی ہم کسی بدلے ہوئے رُخ سے اتنے حیران ہو جاتے ہیں کہ اپنی ذات تک سے ہمارا یقین اٹھ جاتا ہے، راحیلہ مجھے پسند تھیں، میرے باپ نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا، اس طرح کی زیادتیاں خاں صاحب ہمیشہ کرتے رہے ہیں، میں اپنی خوشی سے ملک سے باہر نہیں رہا ہوں بلکہ یوں سمجھو کہ میں نے اسی میں عافیت سمجھی کہ میں ملک سے باہر چلا جاؤں، ورنہ خاں صاحب کے مزاج کا کیا ٹھکانہ، زندگی اس طرح کھونے کی چیز تو نہیں ہوتی انہوں نے عمر کا ایک طویل سفر طے کر لیا ہے لیکن آج بھی وہ دوسروں کی حق تلفی ہر لحاظ سے جائز سمجھتے ہیں، کوئی چیز ان کے لئے ناجائز نہیں ہے۔ احتجاج تو ہر شخص کا حق ہوتا ہے، مجھ سے میری پسند بھی چھین لی انہوں نے، میں فرشتہ نہیں ہوں رانا۔ اپنے دل میں کوئی غلط خیال مت لانا، جس کام کے لئے یہاں آئے ہو اس کے لئے پورے اعتماد کے ساتھ بات کرو۔"

رانا اچنبھے سے احمد یار خاں کو دیکھ رہا تھا۔ احمد یار خاں کے چہرے پر ایک تختی تھی جو رانا کو اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ بیٹا باپ سے گریزاں ہے اور اپنی محبت کی موت پر برافروختہ بھی، اس نے کہا "ٹھیک ہے، میں آپ کو اپنی وفاداری کا یقین دلاتا ہوں اور مستقبل میں آپ کے ہر اشارے پر سر جھکا کر کام کرنے کے لئے تیار ہوں۔"

"ہم لوگ یہ طے کر چکے ہیں کہ خاں صاحب کو راستے سے ہٹانا ہوگا، تم اس سلسلے میں میری کیا مدد کر سکتے ہو؟"

"جو آپ کے تصور میں آئے۔"

"ہوں......تو پھر سنو۔ مستقبل کے لئے میں نے بھی منصوبہ بندی کی ہے۔ میں شمشیر احمد خاں صاحب کا سب سے بڑا بیٹا ہوں، ان کی اور بھی اولادیں ہیں مگر نہ ہونے کے برابر۔ میرا مطلب ہے کہ خاں صاحب کبھی انہیں منظر عام پر نہیں لائے وہ دور دراز علاقوں میں جی رہی ہیں اور مجھے ان سے کوئی پرخاش بھی نہیں ہے، آنے والے وقت میں اگر مجھے خاں صاحب کی جائیداد اور دولت میں سے ان لوگوں کا حصہ بھی نکالنا پڑے تو مجھے اعتراض نہیں ہوگا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے تو راحیلہ نے مجھے بلایا ہے، مجھے خود بھی اپنی حق تلفی کا احساس تھا مگر خون کے گھونٹ پی کر خاموش ہو گیا تھا۔ میں خاموشی سے آیا ہوں اور خاموشی سے واپس چلا جاؤں گا تمہیں جو کام کرنا ہے رانا جبار وہ یہ ہے کہ خاں صاحب کی موت کے بعد ان تمام علاقوں کی بھرپور طریقے سے نگرانی کرو اور مجھے اطلاع دو میں آؤں گا اور اس کے بعد تمہیں اپنی تمام جائیداد کا نگراں قانونی طور پر مقرر کر دوں گا اور اس کے بعد میں راحیلہ کو لے کر امریکہ چلا جاؤں گا۔"

"بالکل ٹھیک۔"

"اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ خاں صاحب کو راستے سے کیسے ہٹایا جائے؟"

"کیا اس سلسلے میں کوئی تدبیر آپ کے ذہن میں ہے؟" رانا جبار نے احمد یار خاں سے سوال کیا۔

احمد یار خاں نے راحیلہ کو دیکھا پھر بولا۔

"کیوں راحیلہ؟"

"نہیں اب جبکہ تمام باگ ڈور میں نے تمہیں سونپ دی ہے احمد یار خاں تو نہ جانے کیوں میں مطمئن ہو گئی ہوں۔"

"ٹھیک ہے، میرا منصوبہ یہ ہے کہ میں خفیہ طور پر خاں صاحب سے ملتا ہوں۔ خاں صاحب سے کہوں گا کہ ان کے خلاف کوئی سازش ہو رہی ہے۔ انہیں بہلانا پھسلانا میری ذمہ داری ہے اور اس کے لئے میں نے ایک بہترین جگہ منتخب کی ہے جہاں میں خفیہ طور پر انہیں لے کر جاؤں گا اور ان سے کہوں گا کہ اس سازش کا انکشاف میں فلاں جگہ کروں گا اور یہ جگہ نگر والا ہاؤس ہوگی، نگر والا ہاؤس میں خاں صاحب نے ایک خفیہ قتل گاہ بنا رکھی ہے، اپنے دشمنوں کو وہ وہیں لے جا کر ختم کرتے ہیں اور کسی کو اس کا پتہ نہیں چل پاتا۔"

''آہ میں نے نگر والا ہاؤس کے بارے میں سنا تھا، بس کچھ اُڑتی اُڑتی خبریں مجھ تک پہنچی تھیں، مگر اس کی تصدیق آج ہو رہی ہے۔''

''خاں صاب کو وہاں تک لے کر آنا میری ذمہ داری ہے، میں تنہا ہی انہیں لے کر آؤں گا تم بتاؤ اس سے آگے کیا کرنا ہے۔''

''میں اپنے اعتماد کے چار آدمی ساتھ لے آؤں گا جو خاں صاحب کو گولیوں سے چھلنی کر دیں گے۔''

''بالکل مناسب، وہاں میں اور راحیلہ بھی موجود ہوں گے لیکن تمہیں انتہائی رازداری برتنا ہوگی اور جو باتیں یہاں ہو رہی ہیں ان سے ایک لفظ بھی پیچھے نہیں ہٹنا ہوگا۔''

''ایسا ہی ہوگا تم بے فکر رہو۔''

پھر اس کے بعد رانا جبار اور احمد یار خان راحیلہ کی موجودگی میں باتیں کرتے رہے تھے، اس کے بعد رانا جبار خفیہ طریقے سے چلا گیا تو احمد یار خاں نے مسکرا کر راحیلہ کو دیکھا اور بولا۔

''ویسے راحیلہ آپ کا حُسن بے مثال نجانے کتنے انسانوں کی موت کا باعث بنا ہوگا، آپ کو دیکھ کر لوگ اپنے رشتے بھول جاتے ہیں، خاں صاحب سے مجھے پرخاش ضرور تھی لیکن ایک وقت ایسا بھی آئے گا کہ میں ان کی زندگی کا گاہک بن جاؤں گا، یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔''

راحیلہ مسکرادی اور بولی ''محبت اسی کو کہتے ہیں احمد یار خاں، میں تمہیں سچ بتا رہی ہوں، زندگی میں میرا تجربہ بہت زیادہ نہیں ہے لیکن اتنا میں جانتی ہوں کہ یہ جذبہ ہر شخص کو بے اختیار کر دیتا ہے۔''

''ہاں ایسی ہی بات ہے۔'' احمد یار خاں ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

راحیلہ نے کہا۔ ''تو اب تم خاں صاحب کے پاس جاؤ گے، اپنی آمد کے بارے میں کیا کہو گے؟''

''وہی احمقانہ خیال میں ان سے ایک خواب کا تذکرہ کروں گا جو مجھے بے چین کر کے یہاں تک لے آیا اور اس کے بعد کوئی ایسی کہانی گھڑ کر انہیں سناؤں گا جو مجھے ان کے ساتھ نگر والا ہاؤس تک جانے پر مجبور کر دے۔''

''اتفاق کی بات یہ ہے کہ میں نے یہ نگر والا ہاؤس کبھی نہیں دیکھا''

''میں نے بھی نہیں دیکھا تھا، خاں صاحب نے مجھے نہیں بتایا تھا لیکن ایک بار بس ایک بار راؤ افتخار مرحوم نے مجھے اس کے بارے میں بتایا تھا کیونکہ خاں صاحب نے ایک بار راؤ افتخار کو وہاں لے جا کر اپنے کچھ دشمنوں کا صفایا کیا تھا، نگر والا ہاؤس میں ایک اندھا کنواں ہے، جو خاصا وسیع اور ناقابل یقین حد تک گہرا ہے۔ خاں صاحب کے لاتعداد دشمنوں کے ڈھانچے اسی اندھے کنوئیں میں پڑے ہوئے ہیں، میں نہیں جانتا اس دوران انہوں نے مزید کتنے افراد کو اس کنوئیں کی نذر کیا ہے لیکن بہرحال اب انہیں اسی کنوئیں میں جانا ہوگا۔''

''واہ بڑے لوگوں کے کھیل بھی بڑے ہی ہوتے ہیں اور انہیں کبھی کبھی یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ ان کی بڑائی کس طرح انہی کے ہاتھوں دفن ہونے والی ہے۔'' راحیلہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تو پھر راحیلہ میں آج ہی شمشیر احمد خاں کے پاس روانہ ہو رہا ہوں۔''

''اور اس کے بعد؟''

''ساری منصوبہ بندی تمہارے علم میں رہے گی، میں وقت مقررہ پر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور پھر سارے کام مکمل ہو جائیں گے۔''

''میں تمہاری کامیابی کا انتظار کروں گی۔'' راحیلہ نے جواب دیا۔

✿......✿......✿

درحقیقت بڑی ہولناک جگہ تھی، تاحد نگاہ ویرانی پھیلی ہوئی تھی، چھدرے چھدرے درخت بالکل یوں لگ رہے تھے جیسے کوئی پراسرار مخلوق ساکت و جامد کھڑی ماحول پر نگاہیں جمائے ہو، ایک بوسیدہ سی عمارت نظر آ رہی تھی، راحیلہ نے سہمے ہوئے لہجے میں رانا جبار سے کہا۔ ''خاں صاحب کی شخصیت واقعی بڑی عجیب وغریب ہے، کوئی صحیح طور پر یہ کہہ نہیں سکتا کہ ان کا اصل روپ کیا ہے، ان کا فارم ہاؤس کس قدر خوبصورت ہے، میں نے وہ بھی دیکھا ہے اور یہ جگہ بھی دیکھ رہی ہوں۔''

اور رانا جبار خود متاثر تھا، راحیلہ کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا پھر انہیں دور سے

کسی گاڑی کی ہیڈ لائٹس نظر آئیں اور راحیلہ سرسراتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آ گئے“
رانا جبار نے اب بھی کوئی جواب نہیں دیا تھا اس کے پُراعتماد ساتھی ایک مخصوص جگہ مستعد کھڑے ہوئے تھے تھوڑی دیر کے بعد ایک بڑی لینڈ کروزر وہاں پہنچ گئی۔ شمشیر احمد خاں اور احمد یار خاں اس سے نیچے اترے اور آہستہ آہستہ چلتے ہوئے آگے آنے لگے۔ پتہ نہیں احمد یار خاں نے شمشیر احمد خاں کو کیا پٹی پڑھائی تھی کہ وہ بیٹے کے ساتھ اکیلے یہاں آ گئے تھے۔ بہر حال باپ بیٹے کا معاملہ تھا، باپ نے بیٹے پر اعتبار کیا ہوگا۔ کچھ لمحوں کے بعد احمد یار خاں کی آواز ابھری۔

”باہر آ جایئے آپ لوگ، میں نے تمام صورتحال اپنے قابو میں کر لی ہے۔ آیئے راحیلہ، آؤ رانا جبار۔“ احمد یار خاں کی آواز میں بڑی پختگی تھی۔

شمشیر احمد خاں شاید ہکا بکا رہ گیا ہوگا کیونکہ بہر حال تاریک ماحول میں اس کے چہرے کے تاثرات نہیں دیکھے جا سکتے تھے، البتہ احمد یار خاں کو انہوں نے دیکھا جو پستول ہاتھ میں لئے ایک دم شمشیر احمد خاں کے پاس سے ہٹ گیا تھا۔ راحیلہ اور رانا جبار مسکراتے ہوئے باہر آ گئے۔ شمشیر احمد خاں ساکت کھڑا ہوا تھا۔

احمد یار خاں نے کہا ”خاں صاحب، ہم آپ کے دشمن ہیں، دیکھئے ان خاتون کو یہ راحیلہ ہیں جنہوں نے آپ کے لئے سب کچھ قربان کر دیا، یہ رانا جبار ہے جو ہمیشہ آپ کی مخالفت کا شکار ہو کر ان علاقوں میں اپنا مقام حاصل نہ کر سکا اور ہمیشہ آپ کے ظلم و ستم کا شکار رہا۔ راحیلہ نے اپنا سب کچھ آپ کو دے دیا اور آپ نے اسے معزول کر کے اس کے ماموں کے پاس بھجوا دیا اور دوسری شادی کر لی۔ یہ آپ کے جرائم ہیں اور ان جرائم کی سزا دینے کے لئے آپ کو یہاں لایا گیا ہے رانا جبار اپنے آدمیوں کو بلاؤ تاکہ وہ خاں صاحب کو ان کے آخری انجام تک پہنچا دیں۔“

رانا جبار نے سیٹی بجائی اور اس کے چاروں آدمی سامنے آ گئے۔ وہ سب مسلح تھے لیکن دوسرے لمحے جو کچھ ہوا وہ ناقابل یقین تھا خاں صاحب کی لینڈ کروزر سے گولیوں کی ایک بوچھاڑ نکلی اور وہ چاروں آدمی زمین پر گر کر تڑپنے لگے۔ گولیوں نے ان کے جسموں کو چھلنی کر دیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکے اور لمحوں کے اندر زمین بوس ہو گئے۔

رانا جبار اور راحیلہ دنگ رہ گئے تھے، ایک بار پھر احمد یار خاں نے پینترا بدلا اور واپس

شمشیر احمد خاں کے پاس آ کھڑا ہوا پھر اس نے کہا۔ ”محترمہ راحیلہ اور عزیز دوست رانا جبار، راحیلہ تو خیر اپنی عمر کے لحاظ سے ایک ناتجربہ کار خاتون تھیں لیکن تمہیں کیا ہو گیا تھا۔ میں شمشیر احمد خاں کا جائز بیٹا ہوں اور مجھے اپنے باپ سے زیادہ کائنات میں اور کوئی چیز عزیز نہیں ہے۔ تم لوگوں نے مجھے ہی ان کے خلاف استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ کمال کی بات ہے لیکن بہر حال میں نے اپنا فرض پورا کیا۔ راحیلہ! تم انتہائی مکروہ اور گھناؤنی عورت ہو، میری ماں کا درجہ حاصل کرنے کے باوجود تم نے مجھے اپنے حُسن کا شکار بنانے کی انتہائی احمقانہ کوشش کی۔ بڑے افسوس کی بات ہے، بہر حال تم دونوں کا مقام وہ اندھا کنواں ہے جو خاں صاحب کے دشمنوں کی آخری آرام گاہ بنتا رہا ہے اور وہ کنواں تمہارے پیچھے ہی ہے۔ کیا سمجھیں میں خاں صاحب کو تمام تفصیل بتا کر یہاں لایا ہوں۔ یہ میرا فرض تھا۔ ایک بیٹے کا فرض، میری ماں کی حیثیت اختیار کرنے کے باوجود تم نے یہ بات سوچی اس سے تمہارے کردار کا پتہ چلتا ہے۔ رانا جبار جاؤ اور اس کنویں میں چھلانگ لگا دو ورنہ ہمارا فائرنگ اسکواڈ تمہارا بدن چھلنی کر دے گا۔“

رانا جبار نے ایک لمبی چھلانگ لگائی تھی لیکن اسے گولیوں نے آ لیا اور اس کے پورے بدن میں سوراخ ہی سوراخ ہو گئے۔ البتہ راحیلہ کا قہقہہ فضا میں گونجا تھا۔

”یہ تو ہوتا ہے، کبھی ریل کبھی جیل، میں نے زندگی کے بہت سے عیش حاصل کئے ہیں لیکن یہ جان کر کہ بہر حال زندگی کی انتہا موت ہے او۔ کے احمد یار خاں، شمشیر احمد خاں خدا حافظ کہنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، میں جا رہی ہوں، بس اتنی ہی عمر ملی تھی۔“ یہ کہہ کر وہ دوڑی اور پیچھے نظر آنے والے گہرے کنویں کے اندر چھلانگ لگا دی۔

❁......❁......❁